اسلامی سوانح عمریاں

مؤلفہ

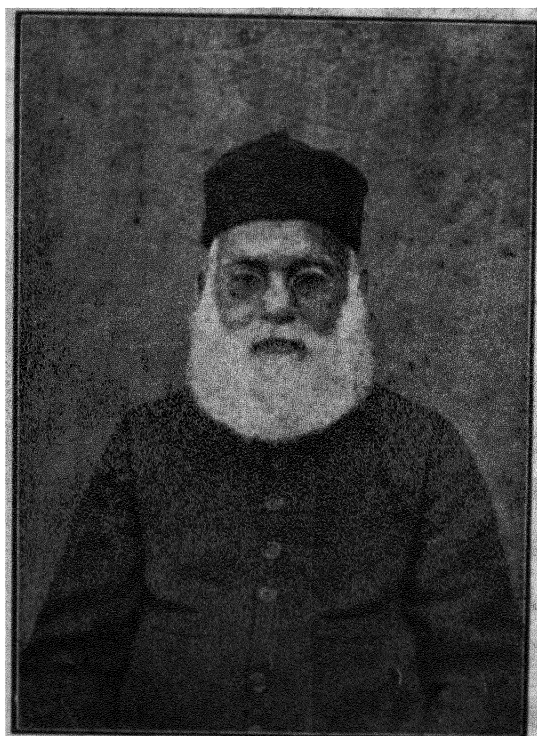
مشہور مورخ وادیب مولنا مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شرر
اڈیٹر دلگداز ومصنف تذکرہ مشاہیر عالم. ومخدرات مشاہیر عالم
ومقالات شرر واقوام کردو. وخلافت وسوانح عمری رستم
تہمتن وغیرہ وغیرہ

باہتمام
سید ظہور الحسن۔ قومی پریس دہلی
چھتہ لال میاں

حسب فرمایش
حافظ سید ابو الحسن صاحب

مہتاب پریس دہلی میں باہتمام سید اکبر علی صاحب پرنٹر چھپا

قیمت فی جلد غیر مجلد



مولوی عبدالحلیم صاحب شرر

فہرست مضامین اسلامی سوانح عمریاں

ابواسحٰق شیرازی

شیخ جمال الدین ابواسحٰق ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی۔ خاک پاک شیراز نے جہاں حافظ کا ایسا غزل سرا اور سعدی کا ایسا شاعر اور ناصح پیدا کیا۔ وہاں ابواسحٰق کا ایسا ایک عالم بھی اسلامی دنیا کے سامنے پیش کیا ہے جسکی شہرت مقبولیت اور علمی وقعت دنیائے علم کو ہمیشہ اسکا احسان مند بنائے رکھے گی۔ اکثر علما کسی خاص فن اور خاص علم میں ناموری حاصل کر سکے ہیں۔ مگر علامہ ابواسحٰق کو خدا نے ہر علم میں ایسا تبحر عطا کیا تھا کہ ہر طبقہ کے اہل کمال مقتدائی کا مسند آجتک اُن مرحوم کے لئے خالی کر دیتے ہیں۔ یوں تو اُنکا شمار فقہائے شافعیہ میں ہے لیکن اصل یہ ہے وہ ہر فن کے مرد میدان ہیں۔ متکلمین اُنکی وقعت نظر اور خیال آفرینی کے والہ و شیدا ہیں۔ محدثین اپنے قدیم اور مستند شیوخ میں شمار کرتے ہیں جنکی روایت عموماً بے کسی قسم کی جرح کے تسلیم کر لی گئی ہے اور جنپر روایت کا مدار ہے۔ اُصول فقہ کے متعلق علامہ ابواسحٰق نے اپنی تصانیف میں جو کچھ لکھدیا ہے اُس سے اہل اصول آجتک نفع اُٹھا رہے ہیں۔ اہل فقہ نے بھی نہایت ذوق و شوق اور فخر و عزت کیساتھ اُنکے اجتہاد اور استخراج مسائل کا تتبع کیا ہے اور سب پر طرہ یہ کہ صوفیہ کرام اُن بزرگ کو اپنے مشائخ اور اہل دل ائمہ میں تسلیم کرتے ہیں۔ علامہ ابواسحٰق نے جس طرح اپنے ظاہر کو زیور علم و فضل سے آراستہ کیا تھا اُسی طرح باطن کو سلوک کی ریاضتوں سے پیراستہ بنالیا تھا وہ فقیری کی گدڑی پہن کے مسند علم پر جلوہ افروز ہوئے تھے۔

تمام مصنفوں نے اپنی کتابوں کے اوراق کو علامہ ممدوح کے اوصاف سے زیب و زینت دی ہے اور بڑے بڑے معتبر اور مستند مورخین اُنکی مدح سرائی اپنا فخر سمجھتے رہے ہیں کتاب مستظہری کے مصنف نے کیا خوب جملہ لکھا ہے "شیخنا ابواسحٰق حجۃ اللہ علی ائمۃ العصر" (ہمارے شیخ ابو اسحٰق زمانے بھر کے ائمہ کیلئے حجۃ ہیں) موفق حنفی نے اس سے بھی بڑھکے لکھا ہے "الشیخ ابواسحٰق امیر المومنین فیما بین الفقہاء" (شیخ ابواسحٰق تمام فقہاء میں وہ حیثیت رکھتے ہیں جو کوئی بادشاہ اپنی رعایا میں رکھتا ہے) محب الدین بن نجار نے اپنی تاریخ بغداد میں امام ملوم کی شان میں جو کچھ لکھا ہے۔ اسکا خلاصہ یہ ہے کہ علامہ ابواسحٰق علمائے شافعیہ کے امام تھے اور وہ شخص تھے

کہ اُن کے علم و فضل کا شہرہ دور دور کے شہروں میں پھیل گیا اور بہ حیثیت علم وہ اپنے تمام ہمعصروں پر سبقت لے گئے۔ بہت سے ممالک کے اکثر علما اُنکے شاگرد ہیں، ان چند جملوں سے علامۂ ابو اسحٰق کے ایسے یکتائے عصر کے فضائل نہیں ظاہر ہو سکتے وہ تمام کتابیں جنکے مصنفوں کو دنیا نے اعتبار و استناد کے خلعت دیئے سب اُن کے تذکرۂ کمالات اور علوم سے بھری پڑی ہیں۔

خراسان کے شہر فیروزآباد کو یہ فخر حاصل ہوا کہ اُسکے سواد میں سنہ ۳۹۳ھ و سنہ ۳۹۵ھ یا سنہ ۳۹۶ھ میں (علی اختلاف الروایات) علامۂ ابو اسحٰق پیدا ہوئے۔ بچپن کا زمانہ اُسی شہر میں گذرا۔ یہ نہیں معلوم کہ اُنھوں نے ماں باپ کے دامن تربیت میں وہاں کہاں تک تعلیم پائی اور اُن کی وہ ابتدائی زندگی کیونکر گذری۔ مگر خود اُنہیں کے دل میں علم کا ذوق و شوق جوش مار رہا تھا جسنے وطن مالوف میں نہ رہنے دیا۔ پندرہ سولہ برس کی عمر ہوئی ہوگی کہ سنہ ۴۱۰ھ میں صرف بغرض تحصیل علم فیروزآباد چھوڑ کے دار العلم شیراز میں آئے جو اُن دنوں علم و فضل کا بڑا مرکز تھا۔ اور جس کی کشش نے آخر انہیں اپنا بنا لیا شیراز کا ہر ہر گلی کوچہ دولت علم سے مالا مال تھا۔ ابو اسحٰق کو اپنے شوق کے مناسب یہ ایسا شہر مل گیا کہ ذوق علم نے ہر گلی کوچہ میں پھرایا اور ہر دروازے پر پہونچایا۔ وہاں جتنے علما تھے سب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور سب کی صحبت سے فائدہ اُٹھایا۔ مدتوں اُس ممبر کے نیچے بیٹھے رہے جسپر ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بیضاوی بیٹھ کے درس دیا کرتے تھے اور ایک عرصہ تک ابو احمد عبد الوہاب رامین کے حلقۂ درس میں شریک ہوتے رہے۔ جب ابو اسحٰق کو استخراج مسائل اور اصول فقہ کے دلائل شرعیہ سے خوب واقفیت ہو گئی تو اُنھوں نے اپنے آپ کو مدرسین و اساتذۂ شیراز اور وہاں کے فقہا کی صحبت سے مستغنی پایا مگر آتش شوق کی حدت ابھی تک بدستور تھی۔ آخر اس نے شیراز بھی چھڑایا اور وہاں سے روانہ ہو کے بصرہ میں پہونچے اور ایک عرصہ تک اس شہر میں قیام رہا اور ابن خوزی کی محفل درس میں برابر بلا ناغہ شریک ہوتے رہے۔ زمانۂ قیام بصرہ میں ابو اسحٰق معمولاً مشکل مسائل ابن خوزی کے سامنے پیش کر کے حل کرتے تھے اور اپنے دل کے خیالوں کو شبہات وغیرہ سے صاف کیا کرتے تھے اُنکی جستجو نے بصرے کے علمی خزانے بھی چھان ڈالے مگر شوق علم بدستور باقی تھا تو بصرے کو بھی چھوڑا اور دار السلام بغداد کی راہ لی۔

سنہ ۴۱۵ھ میں بغداد پہونچے۔ بغداد کی علمی شہرت اس عہد میں انتہائی درجہ کو پہنچ گئی تھی

تھی کہ تمام دنیا کا مرجع بنگیا تھا اور کون علم و فن تھا جسکے باکمال سواد اعظم بغداد میں مجتمع نہ تھے۔ بغداد میں اگرچہ طالب علمی نے علامۂ ابو اسحٰق کو بہت سے مصائب سے دوچار کر دیا مگر اُنکے ذوق و شوق کو فرو کرنیوالی کوئی چیز نہ تھی۔ ہر اُستاد کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کیا اور ہر علم کے فیض صحبت سے فائدہ اُٹھایا۔ یہ معمول تھا کہ ابو اسحٰق اپنے اساتذہ سے روز جو کچھ حاصل کرتے تھے اُسکو گھر جا کے بالالتزام سو بار تکرار کرتے تھے۔ یوں تو علامۂ ممدوح نے بغداد کے اکثر اساتذہ کی صحبت اور تعلیم سے فیض اُٹھایا مگر خاص جس فخر بغداد و اہل کمال کے دامن تعلیم میں ترقی کرکے وہ رتبۂ مرجعیت اور مقبولیت کو پہونچے وہ قاضی ابو الطیب طبری ہیں جنکی تاریخ دانی پر اسلام کو ہمیشہ فخر رہیگا۔ اور جن کی مشہور اور مستند تاریخ بالفعل لندن میں زیر طبع ہے۔ علامۂ ابو اسحٰق کو شاید قاضی طبری کیساتھ زیادہ حسن عقیدت تھا۔ اسلئے کہ حاضر ہونے کو تو وہ ہر ایک کی محفل فیض میں حاضر ہوئے مگر جس التزام اور سرگرمی کیساتھ اُنہوں نے قاضی طبری کی صحبت سے نفع اُٹھایا وہ کوشش اور کسی کی خدمت میں نہیں کی۔ خود علامہ ابو اسحٰق کو بھی اس کا اعتراف ہے۔

یافعی اپنی تاریخ مرآۃ الجنان میں لکھتے ہیں کہ علامۂ ابو اسحٰق نے اپنی تاریخ طبقات الفقہاء میں اپنے اساتذہ میں سے دس متبحر علماء کے نام بتائے ہیں۔ ان میں سے بھی سب تلمذ پر اُنہوں نے فخر کیا ہے اور جنکی خدمت بابرکت سے زیادہ فیض اُٹھانیکا اعتراف کرتے ہیں وہ وہی قاضی ابو الطیب طبری ہیں۔ بلکہ تاریخ ابن خلکان کے دیکھنے سے اُس کی اور تصریح ہوتی ہے اسلئے کہ اُس مورخ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو اسحٰق عرصہ تک نیابۃً قاضی طبری کی طرف سے اُنکے تلامذہ اور شاگردوں کو درس دیا کرتے تھے اور اکثر اوقات خود قاضی صاحب کی تقریر تلامذہ کے سامنے بیان کر دیا کرتے تھے۔

آخر شوق علم میں یہ سرگرمیاں اور ایسی جفاکشیاں ظاہر کرنے اور ایسے دور و دراز کے سفر اختیار کرنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ اکثر علوم میں خصوص فقہ، اصول فقہ، حدیث، کلام اور تصوف میں کمال حاصل ہو گیا۔ اور طالب علمی کے درجہ سے گزر کے مذہب شافعی کے اعلیٰ رکن بنگئے۔ زمانے نے اُنکے کمالات کو تسلیم کر لیا۔ ایک طرف تو فقہا اور طلبہ کے قافلے اُنکے فیض صحبت سے نفع اُٹھانے کے لئے اور دوسری طرف صوفیۂ کرام اور اہل ذوق۔ پاکبازان فقر و تصوف کے گروہ اُنکے

حلقۂ ارادت میں شامل ہونیکے واسطے چلے آتے تھے۔ اُنکا دروازہ ایک عالم کا مرجع بن گیا۔

افسوس قدیم مورخوں نے گذشتہ ناموروں کی سوانح عمری بیان کرتے وقت اُنکا حلیہ بتانے کی طرف بہت کم توجہ کی ہے اور اسی وجہ سے ہم اپنے احباب کو علامہ ابو اسحٰق کی تصویر نہیں دکھا سکتے۔ بغداد کے ایک شاعر عاصم کا خدا بھلا کرے کہ اُسنے علامہ ممدوح کی مدح سرائی میں دو شعروں کے ذریعے سے اتنا بتا دیا ہے کہ وہ بہت دُبلے پتلے اور نحیف الجثہ تھے وہ کہتا ہے۔

تراہ من الذکار نحیف جسم | علیہ من توقدہ دلیل
اذا کان الفتے ضخم المعانی | فلیس یضرہ الجسم النحیل

یعنے دُبلا پتلا ہونا اسکی دلیل ہے کہ اشتغال ذکاوت نے اُنہیں گھلا دیا۔ اور جبکہ انسان علماً اور معنےً عالی رتبہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں اگر وہ نحیف و ناتوان ہے۔

علامہ ابو اسحٰق کو اپنی مقبولیت عامہ کے علاوہ ایک حیثیت سے یہ فخر بھی حاصل تھا کہ کسی حد تک بلکہ بہت کچھ وہ اپنے اوپر خود ہی ناز کر سکتے تھے۔ سمعانی نے خود علامہ ممدوح سے روایت کی ہے کہ وہ لکھتے ہیں ایک مرتبہ میں نے عالم مشاہدہ میں جمال پاک حضرت رسالت پناہ صلوات اللہ علیہ وآلہ کی زیارت کی۔ اُسوقت اصحاب کبار میں سے دس جلیل القدر شخص بھی آنحضرت کی خدمت میں حاضر تھے۔ آنحضرت کی صورت پاک دیکھتے ہی ایک بیتابانہ شوق سے جھپٹ کے میں قریب گیا اور عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ آپ کی بہت سی احادیث بذریعہ صحابہ و تابعین مجھ تک پہونچی ہیں اور میں نے اُنکے ذریعے سے اپنے سینہ و دل کو بہت کچھ نورانی بنا لیا ہے اور اُن اخبار و احادیث کو اہل اسلام میں پھیلانے اور رواج دینے میں میں نے انتہا سے زیادہ تکلیفیں اور مصیبتیں اُٹھائی ہیں۔ اپنے سر سے میں نے یہ فرض بھی ادا کر دیا ہے کہ آپ کے عشاق اور آپ کے کلام کے مشتاقوں کو میں نے اخبار و روایات کی اجازت روایت دیدی۔ اب آرزومند ہوں کہ خاص آپ کی زبان فیض ترجمان سے بے واسطہ کوئی حدیث سُنوں اور اُسکو روایت کر کے علم میں خاص امتیاز کا مستحق قرار پاؤں۔ اگر یہ فخر مجھے حاصل ہوا تو مجھے دیگر مورخوں کے مقابل میں اپنے اوپر زیادہ ناز کرنے کا موقع ملیگا۔ جناب رسالتمآب صلعم نے میری التجا و زاری سنکے میری طرف توجہ کی اور یہ کلمات ہدایت آیات ارشاد فرمائے۔

رہ یا شیخ من اراد السلامۃ فلیطلبہا فی سلامۃ غیرہ منہ۔ اے شیخ جو کوئی بھلائی اور سلامتی چاہتا ہے اُسے چاہیئے کہ سب کو اپنے سے خوش رکھے اور کسی کو بھی آزردہ نہ کرے۔ مورخین کا بیان ہے کہ علامہ ابواسحٰق جب تک زندہ رہے اس خواب کو یاد کر کے خوش ہوتے تھے۔ اور اس امر پر فخر کرتے تھے کہ رسول اللہ صلعم نے مجھے، دشیخ کے لفظ سے یاد فرمایا۔

علامہ ابواسحٰق اگرچہ بغداد میں بطور طالب علمی کے اور صرف بغرض علم آئے تھے مگر معلوم ہوتا ہے کہ خاک دارالسلام بغداد نے اس فاضل یگانہ کے قدم اس مضبوطی سے پکڑ لئے کہ اُن کو پھر اپنے وطن میں جا کے قیام کرنے کی نوبت نہ آئی۔ اسلئے کہ اُن کی زندگی کے واقعات عموماً بغداد ہی سے متعلق ہیں۔ سلطان ملکشاہ کے مشہور وزیر خواجہ نظام الملک کو علامہ ممدوح کے ساتھ انتہا سے زیادہ حسن عقیدت تھا ۴۵۹ھ میں جب وزیر موصوف نے عالی شان مدرسہ نظامیہ کھولا جس کی شہرت آج تک دنیا کو ایک حیرت و استعجاب کا تماشا دکھاتی ہے تو علامہ ابواسحٰق ہی کو اُسکی پروفیسری کیلئے منتخب کیا۔ اس مدرسہ کا تفصیلی حال ہم دلگداز کے کسی پرچہ میں لکھ چکے ہیں۔ جس تاریخ مدرسہ نظامیہ کھلنے والا تھا اُس روز بغداد میں بہت بڑا اہتمام کیا گیا تھا مدرسہ کے تمام لوگ اور طلبہ تمام اطراف وجوار سے آ کے جمع ہوئے۔ خاص ارکان سلطنت اور امرائے بغداد میں سے بہتوں نے صرف اسلئے کہ رسم افتتاح نہایت شان و شوکت سے ادا ہو طلبہ اور شائقان علوم میں اپنا نام لکھوا دیا۔ علاوہ بریں کل ارکان دولت اہل مناصب اور امرائے بغداد اس کار خیر کو بخیر و خوبی انجام دینے کے لئے جمع ہو گئے۔ یہ سب لوگ مدرسہ کے دروازے پر اس انتظار میں بیٹھے تھے کہ علامہ ابواسحٰق آئیں تو اُن کو ہاتھوں ہاتھ لیں۔ اور اس منبر پر بٹھائیں جو پروفیسر کے لئے بنا کے مدرسہ میں رکھا گیا تھا اس انتظار میں بہت دیر ہو گئی اور لوگ بیٹھے بیٹھے اکتانے لگے مگر علامہ ممدوح نہ آج آتے ہیں نہ کل۔ آخر مایوس ہو کے سب لوگ کہنے لگے معلوم ہوتا ہے شیخ ابواسحٰق اس عہدہ کو قبول کرنا اپنے لئے باعث ننگ اور اپنے خیال میں مکروہ سمجھے۔ جب یقین ہو گیا کہ اب وہ نہ آئیں گے تو ابومنصور بن یوسف اور عمید ابوسعد نے جنکے اہتمام و انتظام سے مدرسہ تیار ہوا تھا باہم مشورہ کر کے یہ قرار دیا کہ علامہ ابواسحٰق نہیں منظور کرتے ہیں تو اس کام پر امام ابونصر بن صباغ کو جو علامہ ممدوح کے معاصر تھے اس مسند پر اقتدائی پر لاکے بٹھائیں۔ اور تعلیم و درس کا

کام اُنکے سپرد کردیں۔ اس رائے کے قرار پاتے ہی ابن صباغ طلب کرلئے گئے کہ کہیں ایسا نہ ہو
لوگ آج پہلے ہی روز بے درس کے چلے جائیں۔ اگرچہ امام ابونصر بن صباغ نے آنے میں بہت
عذر و انکار کیا مگر ابو منصور نے اُنکو اطمینان دلایا اور وعدہ کیا کہ نظامیہ کی پروفیسری ہمیشہ اُنہیں
کے متعلق رہے گی۔ اور وہ اس منصب سے کبھی نہ ہٹائے جائیں گے۔ ابونصر نے مدرسۂ نظامیہ میں
افتتاح کے دن درس دیا۔

لوگوں کو حیرت ہوگی کہ علامۂ ابو اسحٰق نے کیوں حاضری سے روپوشی کی۔ ان کو اطلاع
کردی گئی تھی اور اُن سے مضبوط وعدے لیا گیا تھا وقت معین پر نظامیہ میں جانے کے لئے وہ اپنے
گھر سے بھی نکلے مگر تھوڑی ہی دور گئے ہوں گے کہ راہ میں ایک لڑکا اُنکے سامنے آیا اور کہنے لگا
"ایتھا الشیخ کیف تدرس فی مکان مغصوب" یعنی صاحب آپ ایک غصبی مقام میں کیونکر درس
دینگے۔ اتنا سننا تھا کہ علامۂ ممدوح وہیں سے پلٹ پڑے اور ایک مخفی مقام میں چھپ کر
بیٹھ رہے کہ کہیں ایسا نہ ہو مجھے مجبوراً وہاں جانا پڑے۔ دوسرے روز جب معلوم ہوگیا کہ امام ابو
نصر نے نظامیہ میں درس دیا تو اطمینان سے اپنی خاص مسجد میں جو باب المراتب میں تھی بیٹھ کے
اپنے شاگردوں کو درس دیا۔ اور قصد کرلیا کہ اپنے شاگردوں کو اور تلامذہ کو وہیں جمع کرکے
درس دیا کریں۔ مگر اُنکے تلامذہ بھی اُن کی اس کارروائی سے ناراض ہوگئے تھے۔ اکثروں نے
شیخ ابو اسحٰق کے پاس کہلا بھیجا کہ اگر آپ اپنے اس ارادے پر قائم رہیں گے تو ہم سب آپ کو
چھوڑ کے ابن صباغ کی شاگردی اختیار کرلیں گے۔

اُدھر جب وزیر نظام الملک کو یہ خبر پہنچی کہ علامۂ ابو اسحٰق کے نہ آنے کی وجہ سے ابو
نصر ابن صباغ نے نظامیہ میں درس دیا تو وہ نہایت برہم ہوا۔ اور سارا الزام عمید ابو سعد
پر رکھ کے کہنے لگا کہ چونکہ اُسکو قدیم سے شیخ ابو اسحٰق کے ساتھ مخالفت اور عداوت ہے
اسوجہ سے اُسنے ابو اسحٰق کو محروم کرکے ابن صباغ کو نظامیہ کا پروفیسر مقرر کردیا۔ عمید ابو
سعد نے یہ عتاب آمیز کلمات سُنے تو اُس سے سوا اس کے اور کچھ نہ بن پڑا کہ علامۂ ممدوح
کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور نہایت التجا اور گریہ وزاری کے ساتھ عرض کیا کہ وزیر
نظام الملک کے میری نسبت یہ خیالات ہیں۔ اگر آپ میری التجاؤں کو نہ سنیں گے تو وزیر

نظام الملک غضب آلودہ ہو کے میرے حال ہی پر اکتفا نہ کریں گے بلکہ میری جان کو بھی اُن کے ہاتھ سے ضرر پہونچنے کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا میرے حال پر ترس کھائیے اور نظامیہ کی مدرسی قبول فرمائیے۔ آپکے تشریف لے چلنے سے خواجہ نظام الملک و تمام متعلقین مدرسہ اور کل شائقین علوم کو بڑی خوشی اور مسرت ہوگی۔

یہ باتیں سُن کے علامۂ ابو اسحٰق دیر تک غور کرتے رہے۔ اور رحم نے دل میں ایسا جوش مارا کہ اُس عہدے کو قبول کرلیا۔ ابن صبّاغ نے بیس دن تک درس دیا تھا کہ علامۂ ممدوح نے قبول کرلیا۔ اور اکیسویں روز جا کے مدرسہ نظامیہ میں درس دیا۔ ان کے جانے کی نظام الملک کو اتنی خوشی ہوئی کہ عمید ابو سعد کا احسان مند اور شکرگذار ہوا مگر یہ ضرور ہے کہ علامۂ ابو اسحٰق کو مدرسہ نظامیہ کی بعض چیزوں کے مغصوب ہونیکا یقین تھا اور یہ خیال آخر تک اُنکے دل میں رہا جسکا یہ نتیجہ تھا کہ نماز اس مدرسہ میں کبھی نہ پڑھی۔ نماز کا وقت آیا اور وہ مدرسہ کے صحن سے نکل گئے نظامیہ کے قریب ایک اور مسجد تھی اُس میں جا کے نماز ادا کیا کرتے تھے۔

علامۂ ابو اسحٰق نے جو وقعت اور عزت ہر دل میں پیدا کرلی تھی وہ کسی اور عالم کی نسبت شاید بہت کم سُنی گئی ہوگی۔ واقعی اُن کی مقبولیت عام کے وقائع ایسے ہیں کہ انسان حیرت میں رہجائے۔ خلیفہ بغداد قائم بامر اللہ عباسی نے جب جہان فانی سے کوچ کیا تو اُسکے بعد دوسرا خلیفہ تجویز کرنے میں بڑی دقتیں پیدا ہوئیں۔ تمام اہل بغداد نے متفق اللفظ کہدیا کہ علامۂ ابو اسحٰق جس کسی کو تجویز کریں اُس کے ہاتھ میں خلافت دیجائے۔ علامۂ ابو اسحٰق کو اگرچہ انتظام ملک میں کوئی دخل نہ تھا مگر دنیا میں جس فساد کے پیدا ہو جانیکا اندیشہ تھا اُسکے خوف سے اُنھوں نے لوگوں کی خواہش کے بموجب خلیفہ تجویز کرنے کا بار اپنے سر پر اُٹھالیا۔ اور مقتدی بامر اللہ کو خاندان بنو عباس میں سب سے زیادہ لائق اور راستباز خیال کرکے تجویز کردیا۔ مقتدی کو اصل میں پوچھئے تو علامۂ ممدوح ہی نے خلیفہ بنایا۔ اُن کی تجویز کو سب نے تسلیم کیا اور روز جمعہ ۱۳ ؍ شعبان ۴۶۷ھ میں مقتدی بامر اللہ نے سفید لباس پہنا سفید عمامہ سر پر باندھا اور مقام دار الشجرہ میں سریرِ خلافت پر جلوہ افروز ہوا سب سے پہلے ابو جعفر ابو موسیٰ حنبلی نے بیعت کی اور بیعت کرتے وقت ایک قدیم شعر کا پہلا مصرع " اذا سیّد منا مضی قام

نے آج سے آٹھ سو برس پہلے جب دنیا اس ترقی سے بہت پیچھے تھی جو سفر کیا تھا اُس میں عام لوگوں نے کس جوش و خروش سے اُسکا استقبال کیا۔

تاریخ الغنی کے مصنف صاحب لکھتے ہیں کہ شیخ ابو اسحٰق جس شہر اور جس قصبے کے قریب پہونچتے تھے اُس گاؤں یا شہر کے تمام لوگ کیا چھوٹے کیا بڑے اور کیا مرد اور کیا عورت سب کے سب اُنکے استقبال کے لئے شہر سے باہر نکل آتے تھے شیخ کو اپنے جھرمٹ میں لے کے اور گرد ہجوم کر کے بڑے تزک و احتشام سے اپنے شہر میں داخل کرتے تھے۔ اللہ اللہ حسن عقیدت کا جوش و خروش اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ ہر شخص بڑھ بڑھ کے قدم چومتا تھا۔ اور اُنکے خچر کے پاؤں کے نیچے کی خاک کو لوگ بڑے ذوق و شوق سے اُٹھا لیتے تھے۔ اور تیمناً و تبرکاً اپنا حرز جان بناتے تھے شیخ کی سواری جب شہر کے بازاروں میں گذرتی تھی تو اہل بازار اور مختلف پیشہ والوں کو جو کچھ توفیق ہوتی تھی لے کے آتے تھے اور شیخ پر نثار کرتے تھے کہتے ہیں کہ جب شیخ کا گزر شہر ساوہ کے بازاروں میں ہوا تو پہلے نان بائیوں کی دکانیں ملیں فرط شوق میں وہ ایسے از خود رفتہ ہو گئے کہ سب ہونی روٹیاں اُچھال اُچھال کے لٹانا شروع کر دیں۔ شیخ ابو اسحٰق محفہ میں (ایک قسم کی قفس ہے) بیٹھے تھے وہ روٹیاں اُن کی ڈولی پر برابر آ کے گرتی تھیں۔ آگے بڑھے تو میوہ فروشوں کی دکانیں تھیں اُنہوں نے اپنے میوے لٹا دیئے۔ اسکے آگے سب حلوائیوں کا بازار تھا اُنہوں نے انواع و اقسام کی مٹھائیاں جو اُن کے سامنے رکھی تھیں سب اُچھال کے لٹا دیں شیخ ان باتوں سے برابر اہل شہر کو منع کرتے جاتے تھے مگر اُنکے روکنے سے اُنکا جوش اور ترقی کرتا جاتا تھا۔ تمام بازاروں میں عوام کے جوش و خروش کا یہی حال رہا۔ یہاں تک کہ شیخ کا گزر موچیوں اور جوتے والوں کی کوچہ کا نوبت آیا۔ علامہ ابو اسحٰق کی صورت دیکھتے ہی وہ لوگ ایسے بیہوش ہو گئے کہ اور کوئی چیز پاس نہ تھی۔ فرط محبت میں جو کچھ سامنے رکھا تھا اُٹھا اُٹھا کے لٹانے اور تمام جوتے اُچھال اُچھال کے صدقے کر دیئے۔ چھوٹی چھوٹی خوبصورت اور کامدار زنانہ جوتیاں شیخ کے ہمراہیوں اور خود شیخ کی ڈولی کے گرد اسقدر آ کے گریں کہ بیان سے باہر ہے۔ یہ تمام باتیں سب عوام کے جذبات اور بے اختیارانہ جوش کو ظاہر کر رہی ہیں جس سے زیادہ جوش شاید ہی کسی کے استقبال میں دنیا نے نہ ظاہر کیا ہوگا۔

شہر ساوہ کے علماء و فضلا میں ہر عالم اس امر کا متمنی تھا کہ شیخ اُسی کے مکان پر قیام فرمائیں۔ سب خدمت میں حاضر ہوئے اور ہر شخص نے عرض کیا کہ اگر آپ میرے غریب کدہ پر قدم رنجہ فرمائیں تو میرا سر افتخار آسمان پر پہنچ جائے علامہ نے بجز اس خیال کے کہ جس کسی کے گھر میں قیام کیا جائیگا باقی ماندہ لوگوں کے لئے موجب ملال ہوگا کسی کی درخواست قبول فرمائی اور ایک علیحدہ مکان لے کے قیام کیا۔

جب شیخ شہر بسطام میں پہونچے تو ان دنوں امام سہلکی مشائخ صوفیہ صافیہ کے مقتدا اور پیشوا تھے۔ اور اُن کے صفائے باطن اور ریاضات سلوک کی دُور دُور شہرت تھی اور ایک دنیا اُنسے حسنِ ارادت رکھتی تھی۔ اُنہوں نے جو خبر سُنی کہ شیخ ابو اسحٰق بسطام میں آتے ہیں تو اور اہل شہر کے ساتھ وہ بھی استقبال کی غرض سے باہر نکلے۔ شیخ نے جو اُنکے آنے کا حال سُنا تو پا برہنہ اُن کی طرف جھپٹے۔ مگر امام سہلکی شیخ کی صورت دیکھتے ہی گھوڑے سے اُتر پڑے اور بڑھ کے شیخ کے ہاتھ پر بوسہ دیا۔ شیخ نے اُسکے معاوضہ میں جھک کے امام سہلکی کے قدم چوم لئے جب آکے منزل پر ٹھہرے تو امام سہلکی کو صدر مقام پر بٹھایا اور خود ادب سے دوزانو سامنے بیٹھ گئے۔ رسم مزاج پرسی کے بعد امام سہلکی نے کچھ گیہوں نکالے اور بطریق ضیافت شیخ ابو اسحٰق کے سامنے رکھدیے اور کہا یہ وہ گیہوں ہیں جو شیخ طریقت بایزید بسطامی نے مجھے مرحمت فرمائے تھے، یہ سُن کے علامۂ ممدوح نے بڑی مسرت ظاہر کی اور نہایت فخر و مباہات کے ساتھ ان گیہوں کو قبول کیا۔

یہاں سے روانہ ہو کے شیخ نے دار السلطنت نیشاپور کی راہ لی جب سواد نیشاپور نظر آیا تو دیکھا کہ تمام اہل نیشاپور استقبال کے لئے شہر سے باہر نکل آئے ہیں اور لوگوں کا اسقدر ہجوم ہے کہ نگاہ اندازہ نہیں کر سکتی۔ اسی ہجوم میں امام الحرمین ابو المعالی جوینی بھی موجود ہیں۔ شیخ کی سواری قریب پہونچی تو امام الحرمین نے بڑے ذوق و شوق سے بڑھ کے پہلے تو شیخ کے محفہ کا بانس اپنے کندھے پر رکھ لیا۔ پھر سواری کے آگے آگے اہتمام کرتے اور لوگوں کو ہٹاتے اور ادب کی تعلیم و تلقین کرتے شہر نیشاپور میں داخل ہوئے شیخ نے بھی اُن کی وقعت و مرتبت کی بہت قدر کی اور اس مجمع میں امام الحرمین کی نسبت یہ کلمات ارشاد فرمائے یا مفید اہل المشرق و المغرب انت الیوم امام الائمۃ یعنی اے وہ شخص جس سے اہل مشرق و مغرب کو فائدہ پہنچ رہا ہے تو آج تمام اماموں کا

امام ہے۔

الغرض یہاں شیخ سلطان ملک شاہ کے محل میں تشریف لیگئے، اُسنے بھی شیخ کی تعظیم وتکریم میں کوئی بات فروگذاشت نہیں کی تھی۔ نہایت اہتمام سے اُنکا استقبال کیا اور نہایت ادب سے ملا۔ اور سفارت کے متعلق جو جو باتیں اور جو جو شرطیں شیخ نے پیش کیں سب کو اُسنے بلا عذر قبول کرلیا۔ ملک شاہ کے وزیر خواجہ نظام الملک جو خود بادشاہ سے زیادہ صاحب اثر تھے اور جنکو سلطان ملک شاہ ”باپ“ کے لفظ سے پکارا کرتا تھا وہ تو شیخ کے پہلے ہی سے معتقد تھے۔ اُنہوں نے اور زیادہ قدر ومنزلت کی یہاں شیخ نے چند روز قیام کیا اور اکثر خواجہ نظام الملک وزیر کی صحبت میں شریک ہوا کیے۔ جہاں امام الحرمین ابو المعالی بھی موجود ہوتے تھے اور شیخ اور ابو المعالی میں اکثر مسائل علمیہ پر بحثیں بھی ہوئیں۔ مگر ہر بحث میں ہمیشہ شیخ ہی غالب آئے اور امام ابو المعالی کو سکوت کرنا پڑا۔ مورخین کہتے ہیں کہ اس سے یہ نتیجہ نہ نکالنا چاہیئے کہ امام الحرمین علماً شیخ سے ادنےٰ درجہ پر تھے۔ اس لیے کہ شیخ ابو اسحٰق کو علم مناظرہ میں کمال حاصل تھا۔ اور اُن کی تقریر عموماً نہایت مدلل اور جامع ومانع ہوتی تھی۔ بخلاف امام الحرمین کے کہ اس امر خاص میں اُن کو زیادہ کمال نہ تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ علامۂ ابو اسحٰق کے مقابل میں اُنکو ہمیشہ ساکت ہونا پڑا بلکہ خود امام الحرمین نے نیک نیتی کے ساتھ اس امر کو علامۂ ممدوح کے سامنے ظاہر کردیا تھا۔ اگرچہ اُنہوں نے شیخ کی بزرگی کو اور حیثیت سے مانا تھا۔ ایک صحبت میں وہ کہنے لگے ”میں قسم کھاکے کہتا ہوں کہ ان تمام مباحث اور تقریروں میں باعتبار وسعت نظر اور زیادتی علم کے آپ مجھپر غالب نہیں آئے۔ آپکا غلبہ صرف آپ کی پرہیزگاری کی قوت اور صلاح باطن کی وجہ سے ہے“ دیکھنا چاہیئے کہ اس عہد کے علما میں کس قدر صفا باطنی اور انصاف پسندی تھی۔ باوجودیکہ امام الحرمین نے ایک ایسا جملہ کہا تھا کہ اگر ہمارے موجودہ مقتداؤں کی نسبت کہاجاتا تو اُن کی آتش غضب فوراً بھڑک اُٹھتی مگر علامۂ ابو اسحٰق کے دل میں اُن کی وقعت ویسی ہی رہی جیسی پہلے تھی۔ بلکہ کسی قدر زیادہ ہوگئی کیونکہ جب چند روز کے بعد علامۂ ممدوح نیشاپور سے روانہ ہونے لگے تو اکثر اہل نیشاپور رخصت کرنے آئے تھے اور ایک اژدحام عام تھا جنمیں امام الحرمین ابو المعالی بھی تھے اُسوقت

علامہ ابو اسحٰق نے سب لوگوں کی طرف مخاطب ہو کے اور امام ابو المعالی کی طرف اشارہ کر کے کہا ،، تمتعوا بھذا الامام فانہ نزہۃ ہذا الزمان ،، یعنی اپنے ان امام سے تم لوگ فائدہ اٹھاؤ اسلئے کہ یہ اس عہد میں عیبوں سے پاک اور کمالات سے آراستہ ہیں۔

خواجہ نظام الملک اگرچہ ایک بڑی سلطنت کا وزیر بلکہ مالک تھا مگر اسکے مزاج میں خوفِ خدا اس قدر تھا کہ خاص قسم کے علماء میں بھی کم نظر آئیگا۔ ایک بار اس کے دلمیں خیال آیا کہ اپنی عدالت اور انصاف پسندی اور اہل ملک کو خوش رکھنے اور اپنے عہد میں ملک میں امن و امان قائم رہنے کے ثبوت میں اگر میں ایک کاغذ پر اکثر رعایا اور تمام رؤسا و امراء سے اور خصوصًا علماء و فضلاء سے دستخط کرا لوں کہ میں نے کوئی ظلم و زیادتی نہیں کی تو قیامت کے روز خدا کے سامنے وہ کاغذ میرے لئے ایک عمدہ حجت ہوگا۔ اس تجویز کے بموجب اسنے لوگوں سے دستخط کرانا شروع کیا۔ لوگوں نے بڑی بڑی عبارت آرائیاں کیں اور اس کی تعریف و توصیف میں زیادہ الفاظ صرف کئے۔ وہ کاغذ جب علامہ ابو اسحٰق کے سامنے آیا تو انہوں نے باوجود اس حسن و عقیدت کے جو نظام الملک کو علامۂ ممدوح کے ساتھ تھا صرف یہ جملہ لکھہ کے دستخط کر دیا۔ ،، خیر الظلمۃ حسنٌ ،، یعنی حسن اور سب ظالموں میں اچھا ہے حسن خواجہ نظام الملک کا نام ہے۔ خواجہ نظام الملک کو یہ جملہ دیکھہ کے نہایت رقت ہوئی۔ اور بہت گریہ و زاری کر کے کہنے لگا ،، اس بارے میں ابو اسحٰق سے بڑھ کے کسی نے راستبازی سے نہیں کام لیا۔ ،، کہتے ہیں نظام الملک کے مرنے کے بعد کسی نے اُسے خواب میں دیکھا اور پوچھا ،، پروردگار عالم نے تمہارے ساتھہ کیا سلوک کیا ،، اُسنے جواب دیا ،، صرف اُس ایک کلمے کی وجہ سے جو ابو اسحٰق نے میرے بارے میں لکھا تھا خداوند تعالےٰ نے بخشدیا ،،۔

اور در حقیقت شیخ ابو اسحٰق میں انصاف پسندی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ خود اپنی وقعت کے خیال سے بھی کنارہ کر لیا تھا۔ چنانچہ مشہور ہے کہ ایک بار لوگوں نے ایک استفتا ان کی خدمت میں پیش کیا۔ انہوں نے اُسوقت جو خیال میں آیا لکھہ دیا۔ اتفاقًا وہ استفتاء جواب کے امام ابو نصر بن صباغ کی نظر سے گذرا انکو علامۂ ممدوح کی ہمسری کا دعویٰ تھا اور واقعی تھے بھی وہ اسی پائے کے بزرگ ابن صباغ نے دیکھتے ہی صاحبِ فتویٰ سے کہا کہ اس

کاغذ کو ابو اسحٰق کے پاس لیجاؤ اور کہو کہ اسپر نظر ثانی کیجیے۔ علامہ ابو اسحٰق نے دیکھا تو حقیقت میں وہ فتوی غلط تھا اپنے فتوی کو درست کیا اور اسی کے نیچے یہ جملہ لکھدیا کہ "الحق ما قال الشیخ ابن صباغ و ابو اسحٰق مخطئ" یعنی جو ابن صباغ نے کہا وہ صحیح ہے اور ابو اسحٰق غلطی پر ہے۔

باوجود ان سب باتوں کے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کی زندگی زیادہ تر احتیاج اور افلاس میں گزری اور اگر یہ غلط ہو تو تب بھی اتنا ضرور ہے کہ اُن کو کبھی اطمینان اور دنیاوی مرفہ الحالی نہیں نصیب ہوئی۔ ابن جوزی نے اپنی تاریخ منتظم میں تعجب اور حیرت کے ساتھ لکھا ہے کہ شیخ ابو اسحٰق کو باوجود اس مقبولیت عامہ اور اس قدر و منزلت کے شرف حج سے بہرہ یاب ہونیکی عزت حاصل نہ ہوئی کبھی اتنا روپیہ نہ فراہم ہوا کہ حج کا قصد کر سکتے۔ محمد بن سعد کہتے ہیں کہ قاضی محمد بن محمد فرماتے تھے "اما مان ما اتفق لهما الحج۔ اے شیخ ابو اسحٰق الشیرازی و قاضی ابو عبداللہ الدامغانی۔ اما ابو اسحٰق فکان فقیراً و لو اراد حمل علی الاعناق و اما الدامغانی فلو اراد لحج علی السندس و الاستبرق لامکنہ" یعنی دو اماموں کو حج کی نوبت نہ آئی شیخ ابو اسحٰق شیرازی اور قاضی ابو عبداللہ دامغانی ان میں سے ابو اسحٰق محتاج تھے اور اگر چاہتے تو لوگوں کے کندھوں ہی کندھوں مکہ معظمہ جاتے۔ لیکن قاضی ابو عبداللہ کو خدا نے اتنی دولت و ثروت دی تھی کہ اگر وہ قصد کرتے تو ممکن تھا کہ اُنکے مکان سے ارض حجاز تک سندس و استبرق (حریر و مخمل) کا فرش بچھ جاتا۔

علامۂ ممدوح کبھی کبھی نظم بھی فرماتے تھے۔ مگر انکی شاعری اسی شان کو لیے ہوتے تھی جو ایک مقتدائے عالم کے شایان ہے۔ دنیا میں دوست کے نہ ملنے کا خیال ان دو شعروں میں نہایت خوش اسلوبی سے ظاہر کیا ہے فرماتے ہیں

سئلت الناس عن خل وفی | فقالوا ما الی ہذا سبیل
تمسک ان ظفرت بذیل حر | فان الحر فی الدنیا قلیل

یعنی میں نے لوگوں سے وفادار دوست کے بارے میں سوال کیا تو کہنے لگے دنیا میں نہیں مل سکتا اگر کوئی جوانمرد مل جائے تو اُسکا دامن نہ چھوڑنا اسلئے کہ جوانمرد دنیا میں تھوڑے ہی ہیں۔

مگر دنیا ایسی بے وفا چیز ہے کہ کسی کی قدر نہیں کرتی۔ آخر اُس نے علامہ ابو اسحٰق کے سے گرانمایہ مقتدائے عصر کو بھی رخصت کر دیا۔ افسوس۔ اے دنیا تجھے اُنکے ساتھہ بیوفائی نہ کرنا چاہیئے تھا۔ اگر تیرا کام اُن سے نکل گیا تھا تو تو نے ہم سے معتقدوں اور شناقوں کیلئے ہی اُنکو رکھا ہوتا۔ الغرض دنیا نے جیسا بیوفائی کا کھیل ہر شخص کے ساتھہ کھیلا ہے ویسا ہی اُن بزرگ کے ساتھہ بھی کھیلا۔ ۲۱ جمادی الاول ۴۷۶ھ میں سہ شنبہ کی رات کو علامہ ابو اسحٰق نے سفر آخرت کیا۔ ابو المظفر بن رئیس الرؤسا کے مکان میں غالباً شیخ سکونت پذیر تھے جو شرقی بغداد میں تھا۔ کیونکہ اُسی مکان میں انتقال ہوا۔ اور ابو الوفا بن عقیل نے جو اس عہد کے مشہور علما میں تھے شیخ کی تجہیز و تکفین کی اور خود ہی نہلایا۔ اُنکے جنازے کی نماز میں خود خلیفہ وقت مقتدی بامر اللہ بھی شریک تھا۔ اُنکے جنازے پر دو بار نماز پڑہی گئی پہلے باب الفردوس میں پھر دوبارہ جامع قصر میں۔ دو بار نماز ہونیکی یہ وجہ ہوئی کہ جب پہلے نماز پڑہی گئی ہے اُس وقت بغداد کے نامور اور سربرآوردہ لوگوں میں سے اکثر لوگ نہیں موجود تھے۔ جب سب لوگ فراہم ہو گئے اور بہت بڑا مجمع ہو گیا تو دوبارہ پڑہی گئی اور سب شریک ہوئے۔ نماز کے بعد لوگ جنازے کو کندھو نپر اُٹھا کے لے چلے اور باب ابرز میں زمین پر رکھا۔ اور وہیں مدفون ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مورخین بیان کرتے ہیں کہ اُنکے انتقال کے بعد نظامیہ کے طالب علموں کو اتنا بڑا ملال ہوا کہ تین دن تک برابر حلقہ ماتم باندھے کے بیٹھے اور رقت و زاری میں مشغول رہے تمام امرار اور ارکان بغداد اور نیز کل شرفا برسم تعزیت آئے اور طالب علموں کو تسلی و تشفی دیتے رہے۔ جب اس سوگواری اور ماتم سے فراغت ہوئی تو وزیر نظام الملک کے بیٹے مؤید الملک نے جو بغداد میں موجود تھا ابو سعد عبد الرحمان بن مامون کو اُنکی جگہ نظامیہ کا مدرس اعلیٰ مقرر کیا۔ جب یہ خبر خواجہ نظام الملک کو پہونچی تو اُس نے نہایت رنج و الم ظاہر کر کے کہا۔ مؤید الملک نے بالکل خلاف کیا۔ علامہ ابو اسحٰق نے دین کی جو خدمتیں کی تھیں اور جس تقوا زہد اور علم و فضل کے وہ عالم تھے اُسکے خیال سے چاہیئے تھا کہ کامل ایک برس تک نظامیہ پر حسرت برسا کرے۔ اُسکے دروازے بند پڑے رہیں۔ اُسکے حجرے خالی ہوں۔ اور کوئی شخص اُن مرحوم کی جگہ نہ مقرر کیا جائے۔

مگر اب درس و تدریس کا سلسلہ قائم ہی کر دیا گیا ہے اور ابو سعد کو بے ادبی سے اُنکے مقام پر مامور کر دیا ہے۔ تو اسکی پاداش میں ابو سعد کو معزول کرو۔ اور امام ابو نصر بن صباغ کو نظامیہ کا پروفیسر مقرر کرو۔ جنہوں نے روز افتتاح کو بھی درس دیا تھا اسلئے کہ نیز بہ حیثیت علم و فضل اور نیز باعتبار زہد و ورع وہ علامہ ابو اسحق کے حریف مقابل تھے۔

علامہ ابو اسحق کی تصانیف سے دنیا نے نہایت نفع اُٹھایا۔ اور اُنکی برکت اُن تصانیف کے ذریعہ سے ہمیشہ اسلام میں باقی رہی۔ اُن کی اول درجہ کی کتاب "تنبیہ" ہے جو علم فقہ میں ہے اس کتاب نے خود علامہ ممدوح کی زندگی میں پورا رواج پالیا تھا۔ وہ خود اس کتاب کو تصنیف کرکے اسقدر خوش ہوئے تھے کہ اس میں جتنے مسائل ہیں ہر ایک کے عوض میں بطور شکرانہ اُنہوں نے دو دو رکعت نماز ادا کی اور بعد سلام کے اُن لوگوں کے حق میں دعائے خیر کی جو اسپر شرح لکھیں یا اسکی توضیح کریں خود فرماتے تھے کہ مجھ سے چاہے کوئی مسئلہ پوچھا جائے میری کتاب "تنبیہ" اسقدر حاوی اور جامع ہے کہ میں اُسی سے جواب دونگا۔

فقہ ہی میں ایک اور کتاب تصنیف کی ہے "مہذب" امام یافعی کہتے ہیں بعض جہلا اور بے وقوفوں نے کہا کہ اس کتاب میں کوئی مسئلہ فقہی نہیں ہے اور کسی کام کی نہیں۔ اسپر مجھے اسقدر غصہ آیا کہ میں نے ایک نظم کے ذریعہ سے اُن لوگوں کی فرار واقعی گوشمالی کی اور اُنکے پاس بھیجا جسکو دیکھ کے اُنہیں اپنی گستاخی کی سزا مل گئی ہوگی پھر فرماتے ہیں اس کتاب کی پانچ جلیل القدر علماء نے شرحیں لکھیں۔ ایک ابو اسحق ابراہیم بن منصور ملقب بہ خطیب عراقی نے دوسری ضیاء الدین عثمان بن عیسے نے۔ یہ دوسری صرف کتاب الشہادت تک ہے آگے نہ لکھی جاسکی اور اتنی نامکمل شرح بھی بیس جلدوں میں ہے جسکا نام "کتاب الاستقصاء لمذاہب الفقہاء" رکھا گیا تھا۔ تیسری ابو الذبیح اسمٰعیل بن محمد حضرمی نے۔ چوتھی امام نواوی محی الدین ابو زکریا شارح مسلم نے۔ پانچویں امام علامہ قاضی القضاۃ تقی الدین سبکی نے۔ ان پانچوں شرحوں میں سے صرف خطیب عراقی اور اسمٰعیل حضرمی کی شرحیں تو مکمل ہوئیں باقی کوئی تکمیل کو نہ پہونچ سکی خدا کرے ہمارے "مہذب" کو بھی زمانے سے ویسا ہی سابقہ پڑے جیسا کہ علامہ ابو اسحق کی کتاب "مہذب" کو پڑا تھا۔

ان دو کے علاوہ اصول فقہ میں علامۂ ممدوح نے کتاب "لمع" لکھی تھی جسکی خود ہی شرح بھی کی۔ ایک کتاب علم مناظرہ میں ہے جسکا نام کتاب التلخیص ہے۔ ان سب کے علاوہ علامۂ ممدوح کی یہ چند کتابیں اور ہیں "کتاب النکت"، "کتاب التبصرہ"، "کتاب المعونہ" ایک نایاب کتاب تاریخ میں ہے۔ کتاب طبقات الفقہاء، اس میں تمام فقہائے اسلام کے حالات اور واقعات بلکہ اُنکے سوانخ عمری لکھے ہیں۔ ابن خلکان نے اپنی تاریخ میں جابجا اس کتاب کا حوالہ دیا ہے۔ افسوس علامۂ ممدوح کی اکثر کتابیں اب نایاب ہیں۔

قاضی ابو یوسف

قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم یہ ایک ایسا نام ہے کہ اسلام نے اس نام کے نفس شاید دو ہی چار اور ناموں کی عزت کی ہوگی۔ دین پیغمبر عرب صلوٰۃ اللہ علیہ وعلی آلہ کو اس پایہ کے بہت کم لوگ ملے۔ امام ممدوح کے عہد سے آجتک دنیائے اسلام اُنکے نام کو واجب التعظیم مان رہی ہے امام اعظم ابو حنیفہ کوفی رحمہ اللہ کے شاگرد رشید اور اپنے عہد کے مرجع انام تھے۔ امام ابو حنیفہ کو جیسے شاگرد امام ابو یوسف رحمے ہیں ویسا نامور اور اُستاد کے نام کو روشن کر دینے والا شاگرد شاید دنیا میں کسی اُستاد کو نہ نصیب ہوا ہوگا اسمیں کوئی شک نہیں کہ امام ابو حنیفہ کے معاصر محدثین اور فقہائے اسلام نے اُنہیں اہل الرائے کا لقب دیکے مقبولیت کے درجے سے گرانا چاہا تھا اور بیشک گرا دیا ہوتا اگر امام اعظم ممدوح کو امام ابو یوسف کا ایسا گران پایہ شاگرد نہ مل جاتا۔ امام ابو یوسف ہی کی ذہانت، ذکاوت قوت اجتہادی اور زمانہ شناسی کا نتیجہ تہا کہ جمہور فقہائے اسلام جو امام اعظم کے حریف مقابل تھے اُنھوں نے سب کی قوت توڑ کے مقبولیت عامہ کا تاج زبردستی چھینا اور اپنے مقدس اُستاد کے مبارک سر پر رکھدیا۔

اس نام نے دنیائے اسلام کے بہت بڑے اور سب سے غالب فریق کے ہر سینے میں اپنی پاک محبت پیدا کر لی ہے اور کون ہے جو اس واجب التعظیم نام کو نہیں جانتا مگر اسکے جاننے والے بہت کم ہیں کہ وہ مقتدائے اسلام جس نے امام اعظم کے دامن تربیت میں نشوو

نمایاں کے "دانا و طاغیری" کا جھنڈا بلند کیا۔ اصل میں کون تھا، اور کیونکر اس مرتبہ عالی کو پہنچ گیا۔ امام ابو یوسف کے حالات ابتدائی سن کے زمانہ بھر کو حیرت ہو گی اور شاید بہت سے نرم طبیعت والوں کے دل بھر آئیں۔

۱۱۳ھ میں امام ابو یوسف پیدا ہوئے۔ جن لوگوں کی تقدیر کوئی نیا رنگ دکھانے والی ہوتی ہے اکثر زمانہ اُن کے ساتھ دشمنی کرتا ہے چنانچہ ہنوز بچہ ہی تھے کہ قسمت نے باپ کے دامن شفقت کو سر پر سے اُٹھا لیا۔ یہ بھی ایک ایسی برکت تھی کہ قدرتی ہی طور پر حضرت خاتم النبیین صلعم کی اقتدا نصیب ہو گئی۔ غریب ماں جسکو زمانے نے بیوہ بنا دیا تھا جب بالکل بے مونس و غمگسار ہوئی تو اُس نے اپنی اور اپنے ہونہار بچے کی جان پالنے کے لئے چرخہ کاتنا شروع کیا۔ مگر کب تک؟ لڑکے نے ابھی پورے سے ہوش سنبھالے ہوں گے کہ اُس دُکھیا نے مصائب دنیاوی سے تنگ آکر اپنے اُس بچے کو جو دنیا کا بہت بڑا امام ہونے والا تھا ایک دھوبی کے سپرد کیا اور کہا "اس بچے کو تمہارے سپرد کرتی ہوں اسے کپڑے دھونا سکھا دو اور اسکا خیال رکھنا کہ یہ بے باپ کا بچہ ہے"، اُس روز سے امام ممدوح دھوبی کے ساتھ گھاٹ پر جانے لگے مگر وہاں دل نہیں لگتا تھا آخر ایک روز کچھ ایسی اُلجھن ہوئی کہ دھوبی کو چھوڑ کے امام اعظم کے درس گاہ میں آئے امام اعظم کے پند و نصائح نے دل پر ایسا اثر کیا کہ وہی پہلی تاریخ امام ابو یوسف کی تعلیم کی ہو گئی۔ شام کو گھر پھر آئے۔ خدا خدا کرکے صبح کی اور صبح ہوتے ہی پھر وہیں امام اعظم کی مجلس درس میں جا کے حاضر ہو گئے۔ امام اعظم نے بھی شفقت کی نگاہ سے دیکھا۔ اور اُن کے شوق نے اُنہیں ان کی طرف بہ حیثیت ایک شفیق اُستاد کے متوجہ کر دیا۔

امام ابو یوسف اپنے اُس زمانے کے حالات خود ہی تحریر فرماتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں میں گھر سے نکل کے روز بلا ناغہ امام ابو حنیفہ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ دھوبی نے یہ غفلت دیکھ کے میری ماں سے شکایت کی۔ اُسنے مجھے بہت بُرا بھلا کہا۔ آخر یہ معمول ہو گیا کہ یہاں ادھر امام اعظم کے درس گاہ میں حاضر ہوا اُدھر میری ماں وہاں پہونچی اور سخت و سُست کہہ کے مجھے وہاں سے اُٹھا لائی میں مجبور اور بے بس ہو کر امام صاحب کی صحبت چھوڑ کے دھوبی کے پاس جاتا تھا۔ ایک روز عجب اتفاق ہوا میں امام ابو حنیفہ کی خدمت میں حاضر

ہوا۔ وہ مجھے درس دے رہے تھے کہ میری ماں آگئی میں اُسکے خوف سے سہم کے امام صاحب کی صورت دیکھنے لگا۔ میری ماں مجھ سے اسقدر تنگ آگئی تھی کہ خود امام صاحب کیطرف متوجہ ہو کے کہنے لگی ہم آپ نے میرے لڑکے کو اس سے روک کے کہ دو پیسے کمائے پڑھنے لکھنے کا شوق دلا دیا۔ چرخہ کات کات کے میں اپنی اور اسکی جان پالتی ہوں۔ اور آپ کو اسکی فکر نہیں ہوتی میں کس مصیبت میں مبتلا ہوں "۔ امام اعظم نے یہ سنکے کہا " اے عورت جا اپنا کام کر تیرے لڑکے کے اسوار سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خوش نصیب ہو گا۔ سُن ظاہر میں تو یہ میرے سامنے بیٹھا درس لے رہا ہے مگر اصل میں یہ روغن پستہ کے ساتھ فالودہ ملا ملا کے کھا رہا ہے "۔ یہ سُنکے میری ماں کو اسقدر غصہ آیا کہ امام عالی شان کی خدمت میں گستاخی اور دریدہ دہنی کرنے لگی اُسنے جھنجھلا کے کہا۔ " معلوم ہوتا ہے تم میں لغویت آگئی ہے اور تمہاری عقل جاتی رہی ہے "۔ اتنا کہا اور پیٹھ پھیر کے چلی گئی " مگر میں نے کچھ خیال نہ کیا اس لعنت و ملامت پر بھی میں امام اعظم کے درس گاہ میں حاضر ہوتا رہا۔ چونکہ اب ماں مزاحمت نہیں کرتی تھی لہذا میں التزام سے شریک درس ہونے لگا۔ اور مجھے امام صاحب کے افادات کا اسقدر شوق تہا کہ جو لفظ اُن کی زبان سے نکلتا اُسے شوق سے سنتا تھا اور یاد کر لیتا تھا۔

امام ابو یوسف رح کے مثل شاید ایام طالب علمی میں اور کسی شخص نے تکلیفیں نہ اُٹھائی ہونگی۔ اکثر دو دو روز فاقہ ہی میں گزر جاتے تھے اور کوئی چیز کہانے کو نہ نصیب ہوتی تھی فرماتے ہیں جزیہ مخارج خانگی کا جرانہ پانا تو درکنار افلاس مجھ پر اسقدر طاری تھا کہ دو پیسے کا کاغذ بھی نہ جڑتا تھا جسپر اُستاد کے املا (لکچر) کو لکھ لیتا۔ بڑی محنت اور جانفشانی سے میں نے بکریوں کے شانے کی چپٹی چپٹی ہڈیاں فراہم کی تہیں جو کچھ لکھنا ہوتا تہا انھیں ہڈیوں پر لکھ لکھ کے رکھ لیا کرتا تھا۔ اسی خلا و ملاکت نے مجھے لڑکے سے جوان کر دیا میری شادی بھی ہو چکی تھی مگر قسمت کیجانب سے گویا یہ ایک اور بہت بڑی دشمنی تھی اس لئے کہ اپنی ہی زندگی خدا جانے کس طرح بسر ہوتی تھی اب جورو کا ایک اور بار سر پر آپڑا تھا۔ مگر شوق علم نے امام اعظم علیہ الرحمہ کا دامن کسی طرح نہ چھوڑنے دیا نتیجہ یہ تہا کہ میں بھی فاقہ کرتا تھا اور میرے ساتھ وہ پاک دامن بھی فاقہ کرتی تھی۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ امام صاحب کی صحبت بابرکت سے گھر میں آیا تو شدت گرسنگی سے یہ عالم تہا کہ عقل و ہوش رخصت ہوئے جاتے تھے جلدی سے میں اپنے گھر میں داخل ہوا اور دوڑ کے بیوی سے کہا۔

اُس وقت میں بھوک کے مارے، نہایت بیتاب ہوں۔ اگر کچھ کھانے کو ہو تو لے آؤ"۔ وہ نیک بخت بھی خدا جانے کب سے بھوکی بیٹھی تھی۔ میری زبان سے یہ کلمہ سنتے ہی اُسکے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ جھلا کے کوٹھڑی میں دوڑی گئی اور وہ سب ڈھریاں جنمیں میں نے استاد کا درس لکھا تھا دستر خوان میں باندھ کے میرے سامنے لاکے رکھدیں اور کہا "تمہارے ہاتھوں گھر میں جو کچھ گرہستی جمع ہوئی وہ تو یہی ہے اور تم سے کاہل اور نکھٹو کی یہی سزا ہے کہ یہ ڈھریاں سامنے لاکے ڈالدی جائیں"۔ اُسکی اس طعن آمیز تقریر نے مجھپر ایسا اثر کیا کہ میں نے نہایت ہی بے بسی اور مجبوری کے ساتھ علم سے ہاتھ اُٹھایا اور در پے معاش ہوا امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ نے جب کئی روز تک مجھے نہ دیکھا تو شاگردوں سے میرا حال دریافت کیا۔ اُنھوں نے یہ داستان بیان کردی۔ یہ سُن کے اُنہیں مجھپر ترس آگیا مجھے بلا بھیجا اور میرا کچھ وظیفہ مقرر کردیا۔ یہ پہلی تاریخ ہے جس روز سے امام ابو یوسف کو اطمینان اور فراغت کے ساتھ علم کی طرف متوجہ ہونے کا موقع ملا۔

مہری شافعی نے لکھا ہے کہ ابو یوسف امام ابو حنیفہ کے حلقۂ درس میں معمولاً اور بالتزام شریک ہوا کرتے تھے۔ مگر اتفاقاً آتے آتے ایک مرتبہ اُنکا آنا موقوف ہوگیا۔ امام ابو حنیفہ اور نیز طلبہ نے بہت جستجو کی مگر کچھ پتہ نہ لگا کہ کہاں غائب ہوگئے اور کیوں چلے گئے۔ چند روز کے بعد وہ خود ہی آبھی گئے۔ امام صاحب نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ہونہار شاگرد کے دل میں کتب تواریخ متعلقۂ مغازی کے پڑھنے کا شوق پیدا ہوا تھا۔ اور اسی جستجو میں کوفہ چھوڑ کے دیگر بلاد اسلامیہ میں چلے گئے تھے۔ الغرض یہ امر ہر طرح سے ثابت ہے کہ امام ابو یوسف کو ایام طالب علمی میں علم کا ایسا شوق تھا کہ اپنی راحت و آرام کا کبھی خیال بھی نہ کیا۔ آخر میں علم حدیث کا شوق ہوا۔ اور اس عہد کے مشاہیر علماء و محدثین کی خدمت میں حاضر ہو کے احادیث و آثار کے تتبع میں پوری سرگرمی دکھائی۔ ابو اسحٰق شیبانی۔ سلیمان تیمی۔ یحییٰ بن سعد انصاری۔ اعمش۔ ہشام بن عروہ۔ عطاء بن سائب۔ اور محمد بن اسحٰق بن یسار جو اُس زمانہ کے مشہور ائمہ ہیں اور وہ لوگ ہیں جنکی شاگردی کا فخر امام ابو یوسف نے حاصل کیا۔ بعض مورخین کا بیان ہے کہ امام ابو یوسف ہر صحبت و درس میں بالکل اُسی ذوق و محویت کے ساتھ جاتے تھے جس طرح

کسی کا لڑکا گم ہو گیا ہو اور وہ اسکی جستجو میں ہر جگہ مارا مارا پھرے۔

اسی ذوق علم نے آخر انہیں کامیاب کرکے مسند افتا پر بٹھا دیا۔ امام ابو حنیفہ رح نے انتقال فرمایا۔ اور ایک صاحب فتویٰ عالم کی حیثیت سے امام ابو یوسف رح ہمیشہ افلاس اور تنگدستی کا عالم رہا کرتا تھا۔ علم کا نتیجہ اگر دنیاوی ثروت ہے تو اس سے ہنوز امام ممدوح بالکل بہرہ یاب نہ ہو سکے تھے۔ مگر قسمت نے انکے لئے ناموری اور شہرت، دولت اور حکومت کے بہت کچھ سامان فراہم کر رکھے تھے۔ جن تک ابھی اُن کا ہاتھ نہیں پہونچا تھا۔ اس مرجعیت اور صاحب فتویٰ ہونے کے زمانے میں بھی صرف بے زری کیوجہ سے یہ حال تھا کہ اُنکے پڑوس میں ایک یہودی رہتا تھا اُسنے ارادہ کیا کہ اپنے دروازے پر ایک عمارت اپنی حد سے زیادہ زمین لیکے بنوائے جسکی وجہ سے راستہ تنگ ہوا جاتا تھا۔ اور خود امام ممدوح اور نیز تمام دیگر اہل محلہ کو ضرر پہونچنے کا اندیشہ تھا امام ابو یوسف اُس یہودی کے پاس گئے اور کہا "آپ کی اس عمارت سے راستہ تنگ ہوا جاتا ہے اور تمام اہل محلہ حیران ہیں" اُس یہودی نے اُن کے علم و فضل کا ذرا بھی پاس نہ کیا اور جواب میں بہت کچھ لعن و طعن کے بعد کہنے لگا "ابھی آپ رہنے دیں۔ جب لوگ آپکو فنس میں بٹھا کے بڑی شان و شوکت سے ہٹو بچو کرتے ہوئے لائیں گے تو میں اس عمارت کو کھدوا ڈالونگا اور آپ کے لئے راستہ کھل جائیگا"

خلاصہ یہ کہ اُسنے اُنکا کچھ بھی پاس و لحاظ نہ کیا اور عمارت بنوا لی۔ خدا کی قدرت! اسکے چندہی روز بعد خدا نے اُنہیں اس مرتبہ پر پہونچا یا کہ بغداد کے قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) اور تمام دنیائے اسلام کی سپریم کورٹ کے ممبر مجلس مقرر ہو گئے۔

امام ابو یوسف جس ذریعے سے رشید کے دربار میں پہونچے اُس میں کسی قدر اختلاف ہے مگر غالباً صحیح یہ ہے کہ ہارون الرشید زبیدہ خاتون کی کسی پری جمال اور نازآفرین لونڈی کو دیکھ کے یکایک ایسا والہ و شیدا بلکہ ایسا از خود رفتہ ہو گیا کہ کھینچ کے اُسے گود میں بٹھا لیا اور اختلاط کرنے لگا مگر عین اس وفور شوق کے عالم میں خیال آیا کہ یہ لونڈی زبیدہ کی ہے مجھے کیونکر جائز ہو سکتی ہے۔ دل میں اس بات کا آنا تھا کہ ہارون الرشید نے اُس لونڈی کو چھوڑ دیا۔ رفتہ رفتہ یہ خبر خود زبیدہ کے کان تک پہونچی۔ اُسکو ہارون الرشید کی یہ حرکت نہایت ناگوار گذری۔ خود

خلیفہ کے پاس آئی اور غصے میں خدا جانے کیا کچھ کہہ ڈالا۔ منجملہ اور کلمات کے زبیدہ کی زبان سے
ایک یہ کلمہ بھی نکلا تھا "اے دوزخی میرے سامنے سے چلا جا۔ مارے غصہ کے میرے تن بدن
میں آگ لگی جاتی ہے" اسپر ہارون الرشید نے طیش کھاکے کہا "جب میں دوزخی ہوں اور تمہارا
چہرہ بہشتی ہے تو مجھسے تم سے کیا تعلق۔ جاؤ تم پر طلاق ہے" کہنے کو تو جوش کے عالم میں
دونوں کہہ گئے بعد کو جب غصہ فرو ہوا تو دونوں پریشان ہوئے کہ اب کیا کیا جائے یہ طلاق
تو بہت بری ہوئی۔ ہارون الرشید نے تمام علمائے بغداد کو جمع کرکے اس مسئلہ کو پوچھا سب ہوتے
غور کیا مگر کوئی ایسی صورت نہ بتا سکا کہ باہمی تعلق قائم رہ سکے۔ آخر ہارون الرشید نے اہل دربار
سے پوچھا کہ وہ کہ امام ابو حنیفہ کے شاگردوں میں سے کوئی شخص نہیں ہے؟ لوگوں نے عرض
کیا وہاں ابو یوسف نام ایک عالم ہیں مگر ان کی زندگی نہایت فقر و فاقہ کے ساتھ بسر ہوتی ہے
ہارون الرشید نے کہا مجھے اُنکے علم و فضل سے غرض ہے۔ امیری و غریبی سے کیا مطلب۔ فوراً
اُن کو دربار میں لے آؤ۔ یہ لوگ گئے اور امام ابو یوسف کو محل سلطانی میں حاضر کیا۔ یہ پہلا روز
تھا کہ اُس امام عالیشان کی شاہی دربار میں رسائی ہوئی۔ اُسوقت محل میں تمام عمائد اور علمار
وفضلائے بغداد جمع تھے۔ جن علما نے صدر کی جگہ پر قبضہ کر لیا تھا اُنھوں نے ابو یوسف
کی تعظیم و تکریم بھی نہ کی۔ اور اُنکی غربت نے یہ اثر کیا کہ کسی نے اُن سے اتنا بھی نہ کہا کہ "یہاں آکے
بیٹھیے" بیچارے خلیفہ کو بادب سلام کرکے اُسی مقام پر بیٹھ گئے جہاں جوتے اُتارے جاتے تھے
اب ہارون الرشید اُن کی طرف متوجہ ہوا اور صورت مسئلہ بیان کرکے پوچھنے لگا کہ آپ کے نزدیک
اس مصیبت سے نجات پانے کی کوئی صورت نکل سکتی ہے؟ امام ابو یوسف نے کہا۔ "وہاں
میرے خیال میں اس مسئلے کا کافی اور شافی جواب ہے۔ مگر جس ذلت کے مقام پر بیٹھا ہوں۔
یہاں بیٹھکے اسکو عرض نہ کرونگا۔ اگرچہ جانتا ہوں کہ یہاں بیٹھنے سے میری لیاقت میں کچھ کمی نہیں ہو گی اور
علیٰ ہذا القیاس صدر مقام پر بیٹھنے سے کچھ لیاقت زیادہ نہ ہو جائیگی اور اسکا بھی مجھے کچھ ملال نہیں کہ
جو لوگ جس جگہ کے مستحق نہ تھے وہ وہاں بیٹھے ہیں۔ مگر علم خدا کی نعمت ہے اُس کی قدر و منزلت کرنا
میرا فرض ہے" یہ سُن کے ہارون الرشید نے اُن کو نہایت تعظیم و تکریم سے صدر مقام میں بٹھلایا
اور جواب طلب کیا۔ تمام علمائے دربار حیرت و استعجاب سے اس کارروائی کو دیکھ رہے تھے امام

ابو یوسف نے صدر مقام پر بیٹھنے کے بعد بے ادبوں کی تنبیہ و تہدید کے لئے اور بھی بہت سے جملے کہے اور خلیفہ سے کہا "ہاں اب آپ صورت مسئلہ بیان کیجئے"۔ ہارون الرشید نے دوبارہ بیان کیا تو امام ابو یوسف نے ہارون الرشید سے پوچھا "امیر المومنین ہمیشہ ایسا ہی ہوا ہے کہ جب آپ نے کسی گناہ کے ارتکاب کا قصد کیا اُسوقت آپ کے دل میں خوف خدا اور ندامت تھی؟" ہارون الرشید نے کہا بیشک بلکہ یہ واقعہ مختلف فیہ بھی اس امر کی شہادت دے رہا ہے۔ اگر مجھے خدا کا خوف نہ ہوتا تو میں زبیدہ کی لونڈی سے کیوں دست بردار ہو جاتا"۔ یہ سُن کے امام ممدوح نے کہا "تو مجھے یقین کیا کہ آپ جنتی ہیں۔ لہٰذا طلاق بھی نہیں ہوئی۔ کیونکہ طلاق آپ کے جہنمی ہونیکے ساتھ مشروط ہے"۔ دیگر علمائے حاضرین نے مخالفت کی اور کہا "واہ! یہ کہاں سے ثابت ہے؟ اور آپکو کیونکر یقین ہو گیا کہ امیر المومنین حکماً جنتی ہیں؟" امام ابو یوسف نے کہا "خلیفہ کے جنتی ہونے کا ثبوت خود قرآن میں موجود ہے۔ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَہَی النَّفْسَ عَنِ الْہَوٰی فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ہِیَ الْمَاْوٰی۔ یعنی جس نے خدا کے خوف سے اپنے نفس کو خواہش شیطانی سے باز رکھا جنت اُس کا عشرت کدہ ہوگی"۔ سب لوگ حیرت میں رہ گئے۔ اور ہارون الرشید کو یہ فتوٰی ایسا پسند آیا کہ اُس نے امام صاحب کو دولت سے مالا مال کر دیا۔ اور تا لنقضا بغداد کے عہدے پر مامور کرکے خلعت قضا مرحمت کیا۔ خدام دربار نے واپسی کے وقت امام ابو یوسف کو لباس فاخرہ پہنایا اور ایک عمدہ فنس میں بٹھلاکے (جو اُس عہد میں علمائے مستند کی سواری تھی) رخصت کیا۔ امام ابو یوسف جب اُس یہودی کے مکان پر پہونچے حسب وعدہ اُس یہودی سے اُس کی عمارت کُھدوائی تو فنس اُنکے دروازے پر آئی۔

علامہ ابن خلکان نے امام ابو یوسف کے شرف حضوری دربار سے ممتاز ہونے کی دوسری وجہ بیان کی ہے۔ اُن کا بیان ہے دار الخلافت بغداد کے کسی سردار نے ایک بار کسی امر سے باز رہنے کی قسم کھائی اور اُس کے بعد اُس سے اتفاقاً کوئی ایسا فعل سرزد ہوا کہ اپنی قسم ٹوٹ جانے کا شک ہو گیا۔ وہ مسئلہ پوچھنے کے لئے کسی فقیہ کو ڈھونڈتا پھرتا تھا لوگ اُسے امام ابو یوسف کے پاس لے آئے اُنہوں نے تمام حالات اور نوعیت مسئلہ سے مطلع ہو کر فرمایا اس سے تیری قسم نہیں ٹوٹی۔ اس لئے کہ شک سے احکام شرع پر کوئی اثر نہیں ہوتا

اُنکی زبان سے اپنی تمنا کے موافق یہ فتویٰ سنکر وہ ایسا خوش ہوا کہ بہت سا روپیہ اور اسباب و دولت اُن کی نذر کیا۔ اور ایک عمدہ اور شاندار مکان بھی خرید کرکے امام صاحب ممدوح کے سپرد کیا۔ اب امام ابو یوسف کی زندگی ذرا اطمینان سے بسر ہونے لگی۔ چند روز کے بعد اتفاقاً وہ سردار فوج ہارون الرشید کے پاس گیا ہارون الرشید اُسوقت مغموم تھا سردار نے سبب تفکر پوچھا تو کہنے لگا کہ مرا ایک شرعی امر کیوجہ سے میں نہایت حیران ہوں کسی فقیہ اور مفتی کو لے آیئے تاکہ اُس سے دریافت کروں کہ کیا کیا جائے" اُس سردار نے امام ابو یوسف کو بلوا کے دربار میں پیش کیا۔ رسم مسنونہ سلام کے بعد ہارون الرشید نے امام ممدوح سے نام پوچھا اُنہوں نے بتایا کہ میرا نام یعقوب ہے۔ رشید نے پوچھا "اگر امام وقت کسی شخص کو خود زنا کی حالت میں مبتلا دیکھے تو کیا صرف رویت کیوجہ سے امام پر فرض ہے کہ اس پر حد شرع جاری کرے؟" امام صاحب نے کہا نہیں،" یہ سُن کے ہارون الرشید نے سجدہ کیا اور سجدہ سے سر اُٹھا کے دریافت کیا "سبب! آپنے کس اصول پر یہ فتویٰ دیا" امام صاحب نے کہا "خود حضرت رسالت پناہ صلعم کے قول سے۔ آپ نے فرمایا ہے ادرؤ الحدود بالشبهات۔ یعنی شبہہ و شک سے حدود شرعیہ کو ساقط کردو۔" ہارون الرشید نے کہا "یہاں کونسا شک ہے؟ امام نے خود دیکھا امام نے خود دیکھا اُسکو تو یقین ہے،" امام نے جواب دیا "ہم نے تسلیم کیا کہ امام نے خود دیکھ لیا مگر اس رویت سے اُسکو صرف ذاتی علم حاصل ہوجائیگا اور حدود الٰہی امام کے ذاتی علم پر نہیں منحصر ہیں بلکہ اُن کے لیے حسب اصول شرعی شہادت چاہیئے۔" یہ جواب کافی سُنکے ہارون الرشید نے پھر سجدہ کیا اور اُسکے بعد بہت کچھ مال و اسباب دے کے امام ابو یوسف کو امیر اور دولتمند بنا دیا۔

امام ابو یوسف کو دنیا نے اتنے دنوں تک اپنی نعمتوں کا مشتاق رکھنے کا میاب کیا تھا کہ وہ بہت جلد دنیا کی دلچسپیوں کے فریفتہ اور گرویدہ ہوگئے اور سچ پوچھئے تو اُن کی لائف پر یہی ایک دھبہ ہے جسکو اعتقاد چاہے کسی کے خیال میں نہ آنے دے مگر اصل یہ ہے کہ ہارون الرشید کی دربارداری اور دولت عباسیہ کے انعام و اکرام نے دل میں دولت طمع پیدا کرکے اُن کے قدم کو لغزش دے دی تھی۔ اگر کوئی کتب تواریخ میں ڈھونڈے تو بہت سے ایسے واقعات ملینگے جن سے صاف ثابت ہوجائیگا کہ امام ابو یوسف بہ حیثیت ایک فقیہ۔ ایک عالم۔ ایک

مفتی - اور ایک عدالت عالیہ کے جج ہونے کے تو بہت بڑے بلکہ اول درجے کے شخص ہیں مگر بحیثیت ایک عابد، زاہد، متورع اور پرہیزگار یا نفس شخص کے اُن کا مرتبہ بہت نیچے ہے۔

جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ ہارون الرشید کی نظر اپنے باپ مہدی کے حرم کی لونڈیوں میں سے کسی پر پڑ گئی، اور وہ اس قدر صاحب حسن و جمال اور پری وش و حور تمثال تھی کہ ایک ہی نظر میں ہارون الرشید اُس کی نگاہِ ناز کا شہید ہو گیا۔ رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ اور جوش عشق زیادہ انتظار کی کسی طرح مہلت نہیں دیتا تھا۔ ہارون الرشید نے اُسی وقت امام ممدوح کو بلوایا امام صاحب سوتے سے اٹھائے گئے اور درباری لباس سے آراستہ ہو کر حاضر دربار ہوئے۔ ہارون الرشید نے اُن کی صورت دیکھتے ہی صورت مسئلہ بیان کی اور کہا وہ لونڈی میرے حرم میں داخل ہونا نہیں منظور کرتی اور کہتی ہے کہ میں خلیفہ مہدی (ہارون الرشید کے باپ سے) ہم بستر ہو چکی ہوں،، امام ابو یوسف نے محض اس خیال پر کہ عورت کی شہادت مستند نہیں اور اُس کے سوا اور کوئی شاہد نہیں ہے۔ اُسکو ہارون الرشید پر حلال کر دیا ہارون الرشید بہت خوش ہوا اور حکم دیا کہ ابھی آپ کو زر و جواہر اور مال و دولت سے مالا مال کر دو۔ لوگوں نے تھوڑی دیر کے بعد آ کے عرض کیا کہ شہر کے اکثر محلوں کے پھاٹک بند ہیں اسوجہ سے اسوقت خزانہ سے روپیہ نہیں نکل سکتا۔ یہ سُن کے امام ابو یوسف نے فرمایا وہاں میرے بلانے کے لئے دروازے کھلے ہوئے تھے اور روپیہ کے وقت بند ہو گئے۔

وہ خود فرماتے ہیں ایک مرتبہ شب کو میں خواب کے کپڑے پہنے پلنگ پر لیٹا ہوا تھا کہ ناگہاں کسی نے اس زور سے دروازہ دھڑ دھڑایا کہ کان کے پردے اُڑے جاتے تھے میں نے لپک کے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ ہرثمہ بن اعین کھڑے کہہ رہے ہیں آپ کو امیر المومنین نے بلایا ہے اور اس قدر عجلت کی تاکید کر دی ہے کہ آپ مطلق دیر نہ کیجئے یوں ہی چلے چلئے - یہ سُنکے میرے دل میں خوف پیدا ہوا کہ کہیں ایسا تو نہیں ہوا کہ امیر المومنین مجھ پر غضب ناک ہوں ہرثمہ سے ہزار پوچھا مگر اُنہوں نے یہی کہا مجھے بالکل خبر نہیں کہ آپ اسوقت کیوں بلائے جاتے ہیں۔ میں نے کہا تو اچھا آپ جا کے کوئی حیلہ حوالہ کر دیجئے۔ مگر ہرثمہ نے ایک نہ مانی آخر مجبور ہو کے میں نے ہرثمہ سے غسل اور عطر و خوشبو لگانے کی اجازت مانگی اور اُسکے اجازت

دینے کے بعد خوب پاک وصاف ہو کے اور عطر لگا کے میں فی الفور گھبراتا ہوا نکلا۔ در دولت پر پہنچا تو مسرور غلام خاص خلافت کے چوبدار کو ایک اضطراب کے ساتھ اپنا منتظر پایا۔ میں نے اس سے بھی پوچھا کہ اسوقت میں کیوں بلایا گیا ہوں۔ مگر مسرور نے بھی یہی جواب دیا کہ "مجھے مطلق خبر نہیں،، عاجز آ کے میں نے پوچھا "اچھا یہ تو بتاؤ کہ امیر المومنین کے پاس اور کون کون ہے،، مسرور نے کہا،، سوائے عیسیٰ بن جعفر کے اور کوئی نہیں،، الغرض مسرور مجھے لیکے اندر گیا وہاں میں نے دیکھا کہ امیر المومنین کی داہنی جانب عیسیٰ بن جعفر بیٹھے ہوئے ہیں اور امیر المومنین متفکر ہیں۔ میری آہٹ پاتے ہی امیر المومنین نے پکار کے پوچھا "کون،، میں نے اپنا نام لیا۔ "یعقوب،، امیر المومنین نے بلایا اور میں نے اندر جا کے سلام کیا اور بیٹھ گیا۔ ہارون الرشید نے کہا "میرا گمان ہے کہ اسوقت میرے بلانے سے آپکے دل میں کسی قسم کا خوف پیدا ہوا ہوگا،، میں نے کہا "حضور مجھی پر کیا منحصر ہے۔ میرے تمام متعلقین اور کل اہل خانہ بدحواس ہو رہے ہیں،، یہ سنکے ہارون الرشید کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ آپ سمجھے بھی کہ میں نے آپکو کیوں بلایا ہے،، میں نے کہا،، امیر المومنین میں کیا جانوں،، ہارون الرشید نے عیسیٰ کیطرف اشارہ کر کے کہا میں نے صرف ان کے لئے آپ کو بلایا ہے۔ انھوں نے مجھے نہایت حیران کر رکھا ہے۔ ان کے پاس ایک لونڈی ہے جسکو میں ان سے طلب کرتا ہوں کہتا ہوں چاہو میرے ہاتھ بیچ ڈالو۔ چاہو مجھے ہبہ کر دو۔ بہر حال جس طرح ممکن ہو مجھے دیدو مگر یہ کسی طرح نہیں مانتے۔ اب میں آپ کے سامنے ان سے کہتا ہوں کہ اگر انہوں نے میری تمنا نہ پوری کی تو پھر اور طرح ان کی خبر لونگا،، یہ سنکے میں عیسیٰ کیطرف متوجہ ہوا اور کہا،، کیوں آپ کو کیا ہو گیا ہے جو آپ نہیں دیتے۔ لونڈی کون ایسی چیز ہے کہ امیر المومنین چاہیں اور اسکے دینے سے انکار کیا جائے؟ جسقدر روپیہ چاہو اس کی قیمت میں لے سکتے ہو۔ عیسیٰ نے کہا "پہلے تو میری سن لیجے پھر مجھے جتنا چاہیئے گا سمجھاتے رہیئے گا میں نے لونڈی کے سامنے قسم کھائی ہے کہ اگر تجھے بیچوں یا کسی کو ہبہ کروں تو میری تمام جوروؤں پر طلاق ہے۔ میری تمام لونڈیاں آزاد ہیں۔ اور میرا تمام مال غربا و مساکین پر صدقہ ہے۔ اب آپ ہی بتائیے کہ کیونکر ان مصائب سے نجات پاؤں،، عیسیٰ کی تقریر سنکے مجھے اپنے سمجھانے پر ایسی ندامت ہوئی کہ میں نے شرم سے سر جھکا لیا۔ امیر المومنین نے میری طرف متوجہ ہو کے کہا "جناب قاضی

صاحب اس معاملہ میں اگر آپ ہماری جوئی کریں تو میں آپ کو اتنا مال و اسباب اور آتنی دولت
دونگا کہ آپ کے کل ہمسر آپ پر حسد کریں گے۔" یہ سُن کے میں نے کہا "تو مشکل ہی کیا ہے۔
جناب عیسیٰ بن جعفر صاحب۔ نصف جاریہ آپ امیرالمومنین کے ہاتھ فروخت کر ڈالیے
اور نصف امیرالمومنین پر ہبہ کر دیجئے قسم تو پوری بیع یا پوری ہبہ کے لئے عارض ہے نصف
نصف کی صورت میں کوئی عہد آپ کے ذمے عائد نہ ہوگا" یہ سُنتے ہی عیسیٰ نے کہا "اچھا
تو امام ابو یوسف صاحب آپ ہی کو گواہ کر کے میں کہتا ہوں کہ اس لونڈی کا نصف حصہ میں نے
امیرالمؤمنین پر ہبہ کیا۔ اور نصف حصہ امیرالمومنین کے ہاتھ پورا ایک لاکھ دینار کے معاوضے
میں فروخت کر ڈالا" ہارون الرشید یہ سُن کے بہت خوش ہوا۔ اور میرا شکریہ ادا کرتے
کرتے کچھ ساکت ہو کے بولا" جناب قاضی صاحب اب تو ایک اور مصیبت لاحق ہوئی
مجھ میں مفارقت کی طاقت نہیں ہے۔ سب کچھ ہوا اب یہ استبرا کا ایک مہینہ کس کے
کاٹے کٹے گا مجھ سے یہ نہ ہو سکے گا کوئی ایسی تدبیر بتلائیے کہ اس آفت سے بھی نجات ملے
میں تو آج ہی رات کو ہم بستر ہوا چاہوں" قاضی ابو یوسف فرماتے ہیں میں نے کہا" ہاں یہ
بھی ممکن ہے۔ اب یہ لونڈی نصف بوجہ ہبہ اور نصف بوجہ شرا پوری آپ کی ہو چکی۔ آپ
اسکو آزاد کر کے اسی وقت اُس کے ساتھ نکاح کر لیجئے" الغرض یہی ہوا اور خود میں نے اُس
صحبت میں خطبۂ نکاح پڑھا۔ اور بیس ہزار دینار اُس لونڈی کا مہر مقرر کیا" ہارون الرشید
نے اُسی وقت مسرور کو بلوا کے بیس ہزار دینار بابت مہر اُس لونڈی کو دیئے۔ اور حکم دیا
کہ ہاتبس ہزار دینار اور بیس خلعت گرانبہا قاضی صاحب کے مکان میں پہونچا آؤ۔

شبر بن ولید کہتا ہے کہ صبح کو میں نے قاضی ابو یوسف سے کہا" اس دولت
میں سے کچھ مجھے بھی دیجئے کہ آپ کے حق میں دعائے خیر کروں۔" اُنہوں نے اُسکا دسواں
حصہ مجھے دیا۔ میں ہنوز اُنکو دعا ہی دے رہا تھا کہ ایک بڑھیا آئی اور قاضی صاحب سے کہنے
لگی مجھے "اُس لونڈی نے بھیجا ہے اور یہ دس ہزار دینار آپ کو دیئے ہیں۔ اور نہایت عجز و
الحاح کے ساتھ عرض کیا ہے کہ مجھے امیرالمومنین نے بابت مہر بیس ہزار دینار دیئے تھے
اُن میں سے نصف میں آپ کی نذر کرتی ہوں اور نصف اپنی حیثیت سنبھالنے کے لئے میں نے

رکھ لئے ہیں،، یہ پیغام سُنتے ہی قاضی ابو یوسف نے بہت بگڑ کے کہا کہ اُس سے کہدینا کل تک تو ایک ادنیٰ اور ذلیل لونڈی تھی، میں نے تجھے کل اس مرتبے کو پہونچا دیا کہ آج امیر المومنین ہارون الرشید کی نازآفرین معشوقہ اور بیوی ہے اُس کا صلہ یہی ہے جاؤ لیجاؤ میں نہ لونگا۔ بس میرا اسی قدر حق تھا،، وہ بڑھیا ہاتھ جوڑ کے خوشامد کرنے لگی اور میں نے بھی بہت کچھ سمجھایا تو اُنھوں نے قبول کیا اور اس میں سے بھی نصف مجھکو دیدیا۔

اس سے بھی زیادہ لطف کی یہ بات ہے کہ ایک مرتبہ زبیدہ خاتون نے قاضی صاحب کے پاس اپنی خواص کو بھیج کے ایک مسئلہ دریافت کیا اور کہلا بھیجا کہ میں جواب بھی اپنی مرضی کے موافق چاہتی ہوں۔ قاضی صاحب نے شرعی حیلوں سے کام لے کے ویسا ہی فتویٰ دیا۔ زبیدہ نے خوش ہو کے بطور نذرانہ کے امام صاحب کی خدمت میں ایک چاندی کا توڑا بھیجا جس میں تہ در تہ ڈبے ہی رکھے تھے۔ اور ہر ڈبے میں کوئی نہ کوئی روح افزا خوشبو تھی اس کے علاوہ ایک جام روانہ کیا جس میں کنارے کنارے تو خوبصورتی سے درہم چنے ہوئے تھے اور بیچ میں بہت سے دینار بھرے ہوئے تھے۔ یہ تحفہ جس وقت قاضی ابو یوسف کے پاس آیا۔ اُس وقت اُن کی صحبت میں بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے ایک صاحب نے مذاقاً کہا کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے۔ مَنْ اُهدِيَتْ لَهُ هَدِيَّةٌ فَجُلَسَائُهُ شُرَكَائُهُ فِيهَا یعنی جو کوئی کسی کی صحبت میں ہو اور اُس وقت اُسکے پاس کوئی ہدیہ آئے تو جو لوگ شریک صحبت ہوں اُن کا بھی اُس میں حصہ ہے۔ لہذا اسمیں سے کچھ یارونکو بھی دلوایئے،، قاضی صاحب نے جواب دیا،، بجا ہے۔ جناب اس حدیث کا شان نزول وہ زمانہ تھا جب تحفہ اور ہدیہ میں چھوہارے اور دودھ آیا کرتا تھا آج کل جبکہ سونا اور چاندی تحفو نمیں آیا کرتا ہے اس حدیث پر عمل نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح یہ بھی مشہور ہے کہ ایک مرتبہ ہارون الرشید اور زبیدہ میں اس امر پر جھگڑا ہوا کہ فالودہ اچھا ہوتا ہے یا لوزینہ۔ کسی طرح فیصلہ نہ ہو سکا تو انفصال کے لئے قاضی ابو یوسف صاحب طلب کئے گئے، قاضی صاحب آئے تو رشید نے واقعہ بیان کیا اور پوچھا کہ آپکے نزدیک کس کو ترجیح ہے۔ امام ابو یوسف کے سامنے یہ نہایت نازک بات تھی۔ اسلئے کہ ان دونوں مخاصمین میں سے اُنکو کسی کی مخالفت گوارا نہ تھی۔ اُنھوں نے کہا کہ امیر المومنین میں

نہیں فیصلہ کرسکتا۔ وہ دونوں غذائیں جو باہم ترجیح کا دعویٰ کرتی ہیں سامنے لاکے رکھی جائیں اور میں انکو چکھوں تو کہوں کہ کس کو ترجیح ہے،، فوراً دونوں چیزیں سامنے لاکے رکھدی گئیں اور قاضی صاحب کہانے لگے اور آخر بالکل کھا گئے۔ ہارون الرشید نے کہا "جن دونوں میں جھگڑا تھا وہ نذارد ہو گئے مگر فیصلہ ابھی تک نہیں ہوا،، قاضی صاحب نے کہا، بات یہ ہے کہ ان دونوں میں کچھ ایسے لطف اور دلچسپیاں ہیں کہ جسکی صورت دیکھہ لیتا ہون اُسکی مخالفت کرنے کو جی نہیں چاہتا

آہ! یہ سب باتیں مظہر ہیں ان لغزشوں کی جن کے خوف سے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے خلیفہ ابوجعفر منصور کے عہد میں عہدۂ قضا سے صاف انکار کر دیا تھا اور بادشاہِ وقت کا عتاب گوارا کر لیا تھا۔ واقعی امام ابوحنیفہ رح عجب دل اور عجیب برکت کے امام تھے اُن کی احتیاط اور اُن کے زہد و ورع کو پہنچنا بہت دشوار ہے۔

اس کے ثبوت میں خود امام ابویوسف کا یہ واقعہ کافی ہے کہ ہارون الرشید کو جب قاضی صاحب سے بہت اُنس ہو گیا اور یہ اُس کے دربار میں اکثر رہنے لگے تو ایک بار ہارون الرشید اُن سے کہنے لگا۔ "قاضی صاحب آج یہیں ٹھیریئے۔ آپ کو ایک نئی چیز کھلائی جائے گی آج ایسی چیز بنوائی گئی ہے جو میرے باورچی خانے ہی بوجہ زیادہ تکلفات کے اتفاقاً کبھی کبھی بن جاتی ہے۔ قاضی صاحب نے دریافت کیا کہ امیر المومنین۔ ایسی وہ کونسی چیز ہے؟" ہارون الرشید نے کہا۔ فالودہ۔ جو روغن پستہ کے ساتھہ ملا ملا کے کھایا جائیگا،، یہ سنتے ہی قاضی ابویوسف کو ہنسی آ گئی۔ ہارون الرشید نے پوچھا تو اُنھوں نے اپنا تمام ابتدائی حال اور خاص وہ وقت جب اُن کی والدہ نے امام عالی مقام کی خدمت میں سرگزشت زبانی کہی تھی اور اُنھوں نے فرمایا تھا کہ تیرا لڑکا ظاہر میں تو میرے سامنے بیٹھا درس لے رہا ہے مگر اصل میں وہ فالودہ کو روغن پستہ کے ساتھہ ملا ملا کے کھا رہا ہے" بیان کر دیا۔ یہ سُن کے ہارون الرشید کو حیرت ہو گئی اور اسی صحبت میں سب نے صدق دل سے اعتراف کر لیا کہ واقعی امام ابوحنیفہ کی دل کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ اُسی روز اور اُسی صحبت میں ہارون الرشید کو امام ابویوسف کے اصلی حالات اور اُن کی ایام طفولیت کی سرگذشت سے اطلاع ہوئی اور کسنے

نہایت تعجب ہے امام ممدوح کی صورت دیکھی کہ واہ قسمت انسان کو کہاں سے کہاں لیجاتی ہے۔ اور علم اُسے کہاں سے کہاں پہونچاتا ہے۔

باوجود اِن سب باتوں کے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ امام ممدوح الشان نے کبھی طمع دنیاوی سے اصول اسلامیہ کے خلاف کیا۔ جو واقعات بیان کئے گئے ہیں اُنمیں صرف اُنکا اجتہاد تھا اور یقیناً مفتی صاحب اعلی اللہ مقامہ اُس پالسی کے لوگوں میں تھے جو دنیا کو شرع کے بے انتہا شکنجوں میں نہیں کسنا چاہتے۔ کسی نہ کسی طرح شرعی حجت پیدا کرکے وہ لوگوں پر آزادی کا دروازہ کھول دیا کرتے تھے اور شاید یہ وہ پالسی تھی جس کی ضرورت اب تیرہ سو برس کے بعد لوگوں کو معلوم ہوتی جاتی ہے۔ مگر باعتبار خدا ترسی اور حق جوئی کے اُنکا رتبہ بے شک اعلیٰ درجے کے لوگوں میں ہے چنانچہ مشہور ہے کہ ایک مرتبہ ہارون الرشید نے قاضی صاحب سے شکایت کی کہ میں نے سُنا ہے کہ آپ کہتے پھرتے ہیں جو کوئی آپ کے سامنے شہادت دینے آتا ہے وہ جھوٹا اور بنا بنایا ہوا گواہ ہوتا ہے "امام صاحب نے فرمایا" بیشک میں نے کہا اور اب بھی کہتا ہوں دنیا میں تین ہی طرح کے آدمی ہیں یا تو وہ لوگ جو بدکاری میں مشہور ہیں۔ یا وہ لوگ جو اعلیٰ درجے کے پاکباز اور خدا پرست اور عابد زاہد ہیں۔ یا وہ لوگ جو باطن میں بدکار و بدمعاش اور ظاہر میں نیکی اور صلاحکار ہیں پہلی قسم کے لوگ اپنی شہرت بدکاری کی وجہ سے میرے سامنے نہ آئینگے۔ دوسری قسم کے لوگ اپنے زہد و ورع کی وجہ کے باعث ہم سے دنیاداروں سے پرہیز کریں گے۔ صرف تیسری قسم کے لوگ رہ گئے۔ پھر وہ ظاہر میں چاہے کتنے بڑے نیکوکار ہوں باطن میں ضرور جھوٹے اور دغاباز ہوں گے۔ ہارون الرشید نے مسکرا کے کہا " بے شک آپ بجا فرماتے ہیں اور آپ کا اندازہ نہایت ہی ٹھیک ہے۔

بلکہ اس سے بھی زیادہ ثبوت اُس امام عالی مقام کی خدا ترسی کا اس روایت سے ہوتا ہے جو حسن بن سماعہ نے بیان کی ہے وہ کہتا ہے کہ امام ابو یوسف نے جس روز انتقال فرمایا ہے اُسی روز بار بار اُن کی زبان پر یہ کلمات جاری تھے اللھم انک تعلم انی لم اجر فی حکم حکمت بہ بین اثنین من عبادک تعمدا و لقد اجتھدت فی الحکم بما وافق کتابک و سنۃ نبیک و کلما اشکل علی جعلت ابا حنیفۃ بینی و بینک و کان عندی واللہ ممن یعرف امرک و لا یخرج عن الحق

وَهُوَ یَعۡلَمُہ " اس کا مطلب یہ ہوا کہ بار الہا تو تو خوب جانتا ہے کہ تیرے دو بندوں میں میں نے دیدہ و دانستہ کبھی خلاف حق اور ناجائز فیصلہ نہیں کیا اور میں نے جب فیصلہ کیا تو وہی جو موافق تیری کتاب مقدس اور تیرے رسول کے فرمانے کے بموجب ہوا اور مجھ جب کوئی مشکل آپڑی تو میں نے اپنے اور تیرے درمیان میں ابو حنیفہ کو قرار دیا۔ اور ابو حنیفہ قسم ہے خدا کی میرے نزدیک اُن لوگوں میں تھے جو تیرے حکم کو جانتے تھے اور دیدہ و دانستہ جادۂ حق سے قدم باہر نہیں نکالتے تھے۔

امام ابو یوسف آخر عمر تک بغداد کے قاضی القضاۃ یا چیف جسٹس رہے ایام قضاہی میں قضا الٰہی نے اُنھیں پیام مرگ سُنایا۔ اور جمعرات کے روز ماہ ربیع الثانی ۱۸۲ھ میں سفر آخرت کیا۔ خدا مغفرت کرے وہ ایسے شخص تھے جنکی برکتوں نے دنیا کو بہت اچھے اصول پر قائم کر دیا۔ اور ایسے اصول جو قیامت تک اُن کی یادگار کے طور پر باقی رہیں گے اُنکے صاحبزادے یوسف اُن کی زندگی ہی میں جانب غربی بغداد کے قاضی مقرر ہو گئے تھے۔ جنھوں نے دس برس بعد ۱۹۲ سنہ ہجری میں انتقال فرمایا۔

امام ابو یوسف اول شخص ہیں جس نے فقہ حنفیہ میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ قائم کیا۔ اُن کی کتاب امالی والنوادر مشہور ہے جسکی حنفیہ اپنا حرز جان سمجھ کے تعظیم کریں تو زیبا ہے چند اور بھی باتیں جنکی ابتدا امام مرحوم ہی کے زمانے سے شروع ہوئی اسلام میں پہلے پہل قاضی القضاۃ کا لفظ بہ حیثیت خطاب انہیں کے لئے ایجاد کیا گیا۔ نیز عوام اور علماء کے لباس میں ایک خاص امتیاز بھی انہیں کا پیدا کیا ہوا ہے۔ ان سے پہلے سب کی ایک ہی وضع تھی۔ انھوں نے علماء کے لئے طیلسان ایجاد کیا۔

امام ممدوح کے بعض جملے آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں فرماتے ہیں وَ صُحۡبَۃ مَن لَا یَسۡتَحۡیِیۡ عَارٌ یَوۡمَ الۡقِیَامَۃ۔ "جس میں شرم و حیا نہ ہو اُسکی صحبت پر قیامت کے روز ہر شخص کو شرم آئے گی۔ اور فرماتے ہیں رُؤُسُ النِّعَمِ ثَلٰثَۃٌ اَوَّلُهَا نِعۡمَۃُ الۡاِسۡلَامِ اَلَّتِیۡ لَا تَتِمُّ نِعۡمَۃٌ اِلَّا بِهَا وَالثَّانِیَۃُ نِعۡمَۃُ الۡعَافِیَۃِ اَلَّتِیۡ لَا تَطِیۡبُ الۡحَیٰوۃُ اِلَّا بِهَا وَالثَّالِثَۃُ نِعۡمَۃُ الۡغِنَی اَلَّتِیۡ لَا یَتِمُّ الۡعَیۡشُ اِلَّا بِهَا۔ یعنی سب سے بڑی تین نعمتیں ہیں پہلی نعمت اسلام کہ بغیر اس کے کوئی نعمت

پوری نہیں ہو سکتی۔ دوسری نعمت صحت کہ بغیر اس کے زندگی کا مزہ نہیں مل سکتا۔ تیسری نعمت دولت کہ بغیر اس کے کبھی پورا عیش نہیں حاصل ہو سکتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ امام ابو یوسف کا یہ جملہ اُن کی زندگی اور اُن کی پالسی کا سچا مظہر ہے۔ گویا اسی کو انھوں نے اپنا اصول قرار دے لیا تھا۔

ابتدائً امام مرحوم کی قبر کا پتا نہیں معلوم تھا مگر زہر الربیع میں لکھا ہے کہ شاہ سلیمان صفوی کے عہد میں روضۂ مطہرۂ امامین کاظمین علیہما السلام کے قریب کسی ضرورت سے زمین کھودی گئی تو ایک قبر نمایاں ہوئی جس پر ایک پتھر لگا تھا اور اس پتھر میں قاضی ابو یوسف کا نام و نشان کندہ تھا۔ اُس قبر پر ایک عمارت بنا دی گئی۔ اور وہی قبر اب امام محمدؒ کی خیال کی جاتی ہے۔

اسلامی دنیا میں یوں تو بہت بڑے بڑے صاحب ثروت و حکومت علما ہوئے ہیں مگر امام ابو یوسف میں یہ ایک ایسی بات ہے کہ اور علما میں کم نظر آئیگی یعنی باعتبار دولت وہ اپنے عصر کے تمام علما سے زیادہ صاحب ثروت تھے اور باعتبار حکومت خیال کیجئے تو ساری دنیائے اسلام اُن کے قبضہ میں تھی ابو یوسف کے ترکہ میں صرف چار ہزار جامے ایسے نکلے جنمیں ہر ایک کے بند پر ایک ایک اشرفی بندھی ہوئی تھی۔

خلاصہ یہ کہ وہ ایک ایسے عالم تھے جنکو خدا نے ہر طرح کامیاب کیا۔ اور واقعی امام اعظم علیہ الرحمتہ کے ایسے امام کے لئے ایسے ہی شاگرد کی ضرورت تھی۔

ابن صائغ اُندلسی

وہ ابن صائغ ابوبکر محمد بن صائغ الباجی التجیبی، اندلوسیہ عظمیٰ میں جسے فی الحال اسپین کہتے ہیں ایک صوبہ ہے جسکو انگریزی نقشوں میں تم ”سراگوسہ“ یا ”زراگوزا“ پڑھو گے اس کا صدر مقام شہر سراگوسہ ہے جو دریائے ہبرو کے شرقی ساحل سے ذرا ہٹ کے واقع ہے اور آج کل اُس ریلوے لائن کا پہلا اسٹیشن ہے جو سراگوسہ سے شروع ہوتی ہے اور ”لیدہ“ ہوتی ہوئی بندرگاہ برشلونہ تک چلی گئی ہے۔ لفظ سراگوسہ یورپین زبانوں کی خراد

پر نظر کے اس وضع پر آگیا ہے ورنہ اصل میں یہ سرقسطہ تھا۔ ایک مشہور نام جو عربی تاریخوں میں بکثرت نظر آئے گا۔ شہر یا صوبہ سرقسطہ اسپین کے مشرقی صوبجات میں ہے اور یہ پیرینیز اُن پہاڑوں کے گویا دامن ہی میں واقع ہے جو اسپین کو فرانس سے جدا کرتے ہیں اور جن کو فرانس والے کبھی مسلمانوں کی وجہ سے نہایت ہی خوف اور دہشت کی نگاہوں اور مرعوب دل سے دیکھا کرتے تھے۔ اُن پہاڑوں کو اہل عرب کی اصطلاح میں "البابؔ" کہتے ہیں۔

یہ صوبہ اب تو نہایت ہی ویران و تباہ پڑا ہے۔ مگر کسی زمانہ میں عجیب مردم خیز زمین رکھتا تھا۔ اس کے سوا اس سے خدا جانے کیسے کیسے لائق نکلے اور دنیا بھر میں مشہور ہو گئے۔ چوتھی صدی ہجری کے آخر زمانے میں یہاں ایک شخص پیدا ہوا۔ ابتداءً تو فلاکت زدگی نے اُسے عام ناموری کے اسٹیج پر نہ آنے دیا۔ لیکن آخر میں جب اُس نے اپنی علمی وقعت کا سکہ ہر دل پر بٹھا دیا تو ایسی نیک نامی حاصل ہوئی کہ آج تمام تاریخیں اور سب تذکرے اُس کے ذکر سے بھرے پڑے ہیں۔ یہ وہی شخص ہے ابوبکر محمد ابن صائغ جسکی وقعت نے اُس کے وطن سرقسطہ ہی نہیں بلکہ پورے ملک اسپین کو اُس پر فخر و ناز کرنیکا موقع دیا اور اُس کے نام کے ساتھ اُندلسی کا لفظ لکھا گیا۔

ابن صائغ کسی غریب گھرانے میں پیدا ہوا تھا۔ اور ایسے گمنامی کے گھر میں خدا نے اُس کی ولادت کی کہ مورخین کو اُسکے سنہ ولادت اور خاندان کا نام بھی نہیں معلوم ہاں اُس کے ابتدائی عہد کا پتہ اسی قدر چلتا ہے کہ پہلے تو نہایت پریشان حال تھا اور افلاس و فلاکت میں زندگی گزرتی تھی۔ امیر سرقسطہ ابوبکر صحراوی کی تعریف میں چند قصائد کہے اور اُس نے انعام و اکرام سے خبر لی۔ اور اس طریقے سے اس عالم متبحر کو تھوڑی بہت فارغ البالی نصیب ہوئی قطع نظر اس انعام و اکرام کے امیر ابوبکر خود بھی لائق تھا۔ ابن صائغ کے اشعار دیکھ کے سمجھ گیا کہ کوئی ہونہار شخص ہے۔ چند روز کے بعد ایک ایسا زمانہ آیا کہ امیر ابوبکر ابن صائغ کی ذہانت اور لیاقت کا معترف تھا اور بے اُس سے مشورہ لئے کوئی کام نہیں کرتا تھا

امیر ابوبکر ایک بڑے اولوالعزم فرمانروا کا نام ہے۔ اُسکو ملک مندی اور حملہ آوری کا نہایت شوق تھا مشرقی ممالک جو فرانس والوں کے قبضہ میں تھے وہ اُسکے دلچسپ

شکار گاہ تھے۔ آخر اُس نے تمام مشرقی اندلس کو فتح کر لیا۔ اور ایک صاحب ثروت بادشاہ کی حیثیت پیدا کر لی۔ اُس کی نظر میں ابن صائغ سے عمدہ مشیر کون ہو سکتا تھا لہذا اُس نے ابن صائغ کو وزارت کے جلیل القدر عہدے پر مامور کیا۔ یہ زمانہ ابن صائغ کی انتہائی کامیابی اور دولت مندی کا تھا۔ اور اسی عہد میں اُسے موقع ملا کہ اس نے اپنے شوق کے مطابق مختلف علوم کی عمدہ عمدہ تصنیفات فراہم کیں اور ایک اعلیٰ درجے کا فلاسفر بن گیا۔ زمانے کو ایک عالم و فاضل کی یہ فارغ البالی نہ پسند آئی۔ چند روز بعد امیر ابوبکر صحراوی نے انتقال کیا۔ اور ع

آن قدح بشکست و آن ساقی نہ ماند

کا مقولہ صادق آیا۔ ابن صائغ کو ایسے علم دوست اور قدر دان بادشاہ کے مر جانے کا نہایت ملال ہوا۔ چنانچہ امیر مغفور کے غم میں اُس نے ایک نہایت دردناک مرثیہ لکھا جس میں ایک بے مثل شعر بھی تھا۔

وسئلنا متی اللقاء فقیل ال حشر قلنا صبراً للہ وشکراً

یعنی ہم اُس کے جانے کے وقت میں نے دریافت کیا کہ پھر کب ملاقات ہو گی لوگوں نے کہا حشر کے روز بس اتنا سنتے ہی میں نے خدا کا شکر کیا اور صبر کر کے خاموش ہو رہا۔" اس ایک شعر ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن صائغ کو اپنے ولی نعمت کے مرنے کا کتنا بڑا صدمہ ہوا تھا۔ مگر خیر جس طرح بنا ابن صائغ نے وطن سے قدم باہر نہ نکالا وہیں رہا اور اپنے علمی مشاغل میں دل بہلاتا رہا۔

۵۱۲ھ میں اُس سرزمین پر سب سے بڑی اور بہت بڑی مصیبت نازل ہوئی وہ یہ کہ امیر ابوبکر کے جانشین سلطنت کا انتظام نہ سنبھال سکے اور اضلاع شرقی اندلس پر پھر اہل فرانس کا قبضہ ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ وہ آج کل کا زمانہ نہ تھا جب مسلمان اور عیسائی باہم ملے جلے رہتے ہیں۔ اور مسلمان تو بہ اکثر بلاد نصاریٰ کے حکمران بھی تھے مگر عیسائیوں میں اتنی صلاحیت کہاں تھی کہ اُن کی حکومت میں کوئی مسلمان امن و امان سے رہ سکے تمام مسلمان متوطنین شرقی اندلس پر آفت آ گئی۔ اور وطن چھوڑ چھوڑ کے بھاگنے لگے الغرض اسی مسلمان گردی

کے عہد میں بیچارے ابن صائغ نے بھی اپنا وہ پیارا وطن چھوڑا جسکو کسی طرح چھوڑنا پسند نہیں کرتا تھا۔ ابن صائغ کا یہ پہلا سفر ہے جب اس نے شرقی اسپین کو چھوڑ کے غربی اسپین کی راہ لی۔ اور عیسائیوں کی حکومت سے نکل کے مسلمان بادشاہوں کے ظل حمایت میں پناہ پائی۔

وہاں بھی اُن دنوں یحییٰ بن سعید بن تافنقین ایک فیاض اور علم دوست فرمانروا تھا ایسے بےمثل وبے نظیر عالم اور آزمودہ کار وزیر کا آجانا اپنی خوش قسمتی سمجھا۔ اُسنے ابن صائغ کو بلا کے خلعت وزارت عطا کیا۔ ابن صائغ نے بیس سال تک یحییٰ بن سعید کی وزارت کی اور ایام وزارت میں ایسا عام پسند اور ہر شخص کا مرجع وماوی رہا کہ لوگوں نے اس کی وزارت کے ایام تمام گذشتہ ایام سے غنیمت جانے سامہیر رکن الدین کا بیان ہے کہ صرف ابن صائغ کے حُسن سیرت اور اعلیٰ اخلاق کے اثر سے تمام لوگوں میں صلاحیت آگئی اور نیز اُن کی انصاف پسندی سے ملک کے تمام جھگڑے اور فساد فرو کردیئے۔

تمام لوگوں کا اتفاق ہے کہ ابن صائغ سرزمین اسپین کے بہت بڑے عالم بہت بڑے حکیم وفلسفی اور بہت بڑے طبیب اور اول درجے کے شاعر تھے سارے ملک اسپین میں اُن کی ذہانت۔ دقیقہ رسی۔ باریک بینی۔ عاقبت اندیشی اور قوت حافظہ کی شہرت تھی۔ جس خوبی سے اُنھوں نے فلسفہ اور حکمت طبعی کے بہت بڑے بڑے نازک ومشکل مسائل کو حل کردیا ہے اُس سے صاف ظاہر ہے کہ اُنکو دنیائے اسلام کے تمام فلسفیوں پر ترجیح تھی۔ ابن صائغ کے کمالات صرف گذشتہ فنون ہی تک محدود نہ تھے بلکہ علم جغرافیہ نجوم اور ادب میں بھی اہل کمال علمائے اُنہیں اپنا پیشوا اور امام مانا ہے اور لطف یہ کہ باوجود ان علمی کمالات کے وہ زاہد خشک نہ تھے موسیقی میں بھی اعلیٰ کمال حاصل تھا جو شاید موجودہ علمائے اسلام کے لئے موجب حیرت ہوگا۔

امام علی بن عبد العزیز جو مشاہیر اندلس ہیں اور جو امام غرناطہ کے لقب سے مشہور تھے اس فاضل یگانہ کی شان میں فرماتے ہیں۔ کان فی نقایۃ الذہن ولطف الغوص علی تلک المعانی الجلیلۃ الشریفۃ الدقیقۃ اعجوبۃ دہرہ ونادرۃ الفلک فی زمانہ فثبت انہ لم یکن بعد ابی نصر الفارابی مثلہ فی الفنون التی تکلم غایتہا یعنی ابن صائغ معانی جلیل ومسائل دقیق پر جس خوبی سے فکر کرتے تھے اور جیسے عمدہ معانی پیدا کرتے تھے اُس کی حیثیت سے اپنے زمانہ کے

حیرت انگیز نمونہ تھے اور ایسے تھے کہ آسمان نے ایسے لوگ کم دکھائے ہونگے۔ یہ امر ثابت ہو گیا ہے کہ جن علوم میں کہ ابن صائغ نے بحث کی ہے اُن میں بعد ابو نصر فارابی کے اسوقت تک اُن کا ایسا کوئی شخص پیدا نہیں ہوا۔ جن لوگوں نے اسلام کی کتب فلسفہ کو دیکھا ہے وہ جانتے ہونگے کہ ابو نصر کس پائے کا شخص تھا اور حکمت میں ابن صائغ کا اُس کے بعد قرار دیا جانا اُنکے لئے کتنی بڑی عزت کا مسند خالی کرتا ہے۔

حسان الدین خطیب نے اپنی کتاب احاطہ میں ابن صائغ پر اِن مختصر الفاظ سے ریویو کیا ہے ائمۃ آخر فلاسفۃ الاسلام بجزیرۃ الاندلس، یعنی ابن صائغ جزیرہ نمائے اسپین میں اسلام کے پچھلے فلسفی تھے۔ بہ نسبت اس کے علامہ قطب الدین لاہیجی نے اُن مرحوم پر زیادہ وضاحت کے ساتھ ریویو کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کان علامۃ وقتہ فی العلوم الحکمیۃ متمیزاً فی العربیۃ والادب حافظاً للقرآن متقناً فی صناعۃ الطب والموسیقی، یعنی امام ابن صائغ علوم حکمیہ و فلسفیہ میں اپنے عہد کے علامہ زبان عرب کے ادب و انشا پردازی میں ممتاز عصر حافظ قرآن مجید اور فن طب کے بہت بڑے ماہر اور موسیقی کے اول درجے کے استاد تھے۔ خاص فن طب میں ابن صائغ کی اعلیٰ منزلت کو اور لوگ بھی زیادہ زور دیکے بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ احمد بن ابی اصیبعہ کہتے ہیں کہ فن طب کے دونوں حصوں یعنی علم و عمل میں اُن کو کمال حاصل تھا۔ ابن ابی اصیبعہ اس امر کو زیادہ تفصیل سے بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بلاد اسپین میں ابن آگو فن طب کی بڑی ترقی تھی اور بہت بڑے بڑے باکمال اس فن شریف کے وہاں کی خاک سے پیدا ہوئے تھے لیکن ادہر دو تین صدیوں سے یہ فن وہاں بالکل مٹ گیا تھا اور کوئی نہ تھا جسکی نسبت سچے طور پر طبیب کا لفظ استعمال کیا جائے۔ اس پانچویں صدی کی ابتدا میں ابن صائغ نے ظہور کیا اور اس خوبی سے مردہ فن طب کو زندہ کیا کہ گویا قدرت کیطرف سے ملک کو گذشتہ کمی کا پورا عوض مل گیا۔ اصول طب کے متعلق فلسفہ آلہیہ سے ایسے ایسے نازک اور لطیف مسائل استنباط کئے کہ دنیا اُن کی دقت نظر آور تبحر پر عش عش کرنے لگی۔ علیٰ ہذا القیاس طبیعیات اور فن طب کے عملی برتاؤ میں بہت اچھی مہارت تھی اور اس بارہ میں اُن کی بعض تصانیف اُن کی اعلیٰ لیاقت ظاہر کر رہی ہیں۔

ہیأت اور ہندسہ میں بھی اُن کے چند رسائل ہیں جن میں سے ہر ایک بآواز بلند بتا رہا ہے کہ اُنکی
واقفیت اور معلومات کا درجہ کس قدر اعلیٰ تھا جس کسی نے اُن کی کتاب ''اتصال الانسان بالعقل
الفعال'' دیکھی ہو گی وہ صاف سمجھ جائیگا کہ ابن صائغ علوم فلسفہ الٰہیہ وغیرہ میں کس کمال کے
بزرگ تھے۔ یہ امر مشہور ہے کہ ارسطاطالیس کے نظام فلسفی اور نیز اُس کے نکات و رموز کو سمجھنا
اسلام میں صرف ابن صائغ ہی کا کام تھا۔ رئیس المتالہین شیخ الرئیس بن سینا اور امام غزالی
جنہوں نے ابو نصر فارابی کے بعد فلسفہ کے میدان میں توسن طبع کی جولانیاں دکھائی ہیں اُنکے
خیالات کو ابن صائغ کے نتائج دماغی کے برابر رکھ کے مقابلہ کیا جائے تو فوراً معلوم ہو جاتا ہے کہ
ابن صائغ کا پایہ فلسفہ میں کس قدر بلند ہے۔ قاضی محمد بن رشید اور امام غرناطہ ابوالحسن علی بن
عبدالعزیز کو اس اسلامی بے مثل و بے نظیر فلسفی کی شاگردی کا فخر حاصل ہے۔

ابن صائغ کے معاصر ایک اور مشہور بزرگ تھے جن کا نام ہے ابو نصر فتح بن خاقان
علامہ مقری اپنی تاریخ اسپین نفح الطیب فی غصن الاندلس الرطیب میں لکھتے ہیں کہ ان بزرگ نے
اپنی ایک تصنیف میں ابن صائغ کی بڑی تعریف کی۔ اور اس تعریف میں ایسی فصاحت و بلاغت
صرف کی کہ ابن صائغ کی تعریف کے ساتھ اُنھوں نے اپنے زور قلم کو بھی پورے طور سے دکھا دیا
تھا۔ اُس عبارت کا خلاصہ مطلب یہ تھا کہ ''کہ ابن صائغ جوہر علم کے نور روشن ہیں اور تمام زمانے
چاہتے ہیں کہ ابن صائغ کے زمانہ کو اپنا سرتاج بنائیں۔ تمام دنیا میں اُن کی نکہت پھیلی ہوئی ہے
اور اگر ایک چنگاری اُن کے آتش علم کی اُڑے تو سارا خرمن جہل خاک میں ملجاتے''۔ غرض اسی
طرح اور بھی بہت کچھ مدح سرائی کی ہے۔ اسکے چند روز کے بعد اُنھیں بزرگ ابن خاقان نے ایک
اور کتاب تصنیف کی جس کا نام رکھا ''قلائد العقیان''۔ اس میں ابن صائغ کی ایسی سخت توہین اور
ایسی بیہودہ ہجو کی ہے کہ دیکھتے شرم آتی ہے فرماتے ہیں ''ابن صائغ دین کی آنکھ کا رمد اور ہدایت
یافتہ لوگوں کے حق میں ایک مرض ہے''۔ اس ہجو میں بھی ابن خاقان نے اپنی انشاپردازی کے بڑے
بڑے جوہر دکھائے ہیں۔ لوگ حیرت میں ہیں کہ ابن خاقان نے اپنی رائے کو اس قدر کیوں بدل دیا۔
سوا کسی ذاتی فساد و رنجش کے اور کوئی سبب ایسے تغیر کا نہیں ہو سکتا۔ مگر علامہ مقری نے
اُس کی تصریح کر دی ہے اور ایک عجیب با مذاق واقعہ لکھا ہے وہ تحریر فرماتے ہیں کہ ابن خاقان کا

قاعدہ تھا کہ ہر مجلس اور ہر محفل میں اپنی ہی تعریف کے پل باندھ دیا کرتے تھے۔ اتفاقاً ایک روز ابن صائغ کے گھر میں آئے اور بیان میں وہی بلند پروازیاں اور خود ستائیاں رنگ جمانے لگیں بیان کرنے لگے کہ فلاں امیر نے وجد میں آکے ایسا گراں بہا موتی مرحمت کیا اور فلاں نے اتنا بڑا لعل گراں بہا میری نذر کیا۔ اور اُس وزیر کے وہاں سے مجھے ایسا مرصع زیور ملا۔ زکام کا عارضہ تھا یہ کہتے کہتے خود فراموشی جو طاری ہوئی تو خیال نہ رہا اور ناک سے سبز سبز رینٹھ ہونٹھ پر لٹک آیا۔ یہ دیکھتے ہی ابن صائغ بے تحاشا بول اُٹھے، "ہاں ہاں اُنھیں میں کا یہ ایک زمرد بھی ہے جو آپ کے ہونٹھ پر ہے"۔ اس جملے نے ابن خاقان کو ایسا شرمندہ کیا کہ فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے اور اسی روز سے ابن صائغ کی دشمنی پر کمر باندھی۔ مگر صاحب تاریخ الحکما نے اسکی دوسری وجہ بیان کی ہے۔ وہ یہ کہ ابن خاقان نے ابن صائغ سے اُن کا کچھ کلام مانگا کہ اپنی تصنیف کو اُن کے اشعار آبدار سے رونق دیں۔ ابن صائغ کو کسی وجہ سے یہ ناپسند ہوا اور اُنھوں نے نہایت بے مروتی سے اُن کے آدمی کو پھیر دیا اور جواب خشک دیا۔ ابن خاقان بس اسی امر پر ناراض ہوگئے اور گویا باہمی عداوت کی اسی سے بنا پڑی۔ بہر حال زمانہ نے اس امر میں ابن خاقان ہی کو ملزم ٹھیرایا۔ جنھوں نے ایک بار تو بہت تعریف کی اور دوبارہ مخالفت میں حد سے گزر گئے۔

ابن صائغ کے مذکورہ کمالات اگرچہ اُنکو علما و فضلا اور حکما و اطبا کی محفل میں اعلیٰ مسند پر جگہ دے رہے ہیں مگر یہ زیادہ حیرت کی بات ہے کہ اگر آپ محفل مشاعرہ میں دیکھیے گا تو میر مجلسی کی کرسی وہاں بھی اُنھیں کے قبضہ میں نظر آئے گی۔ ان کی شاعری نے عربی انشا پردازی میں جان ڈالدی تھی اور وہ اس قسم کے شاعر نہ تھے جیسے کہ اکثر موزون طبع علما ہوتے آئے ہیں۔ جن کے خشک ذوق کو طبیعت کبھی پسند نہیں کر سکتی ابن صائغ کی شاعری اُس اعلیٰ درجۂ کمال کو پہونچی ہوئی تھی جو کسی دریائے عشق میں ڈوبے ہوئے شاعر کے لیے ہونا چاہیئے دیکھیے یہ کس قیامت کے شعر ہیں جو اس علامۂ عصر شاعر کے ذہن سے نکلے تھے۔

اسکان نعمان الاراک تیقنوا | بانکم فی ربع قلبی سکان

اے وادی نعمان کے رہنے والو جہاں اراک کا جنگل ہے یقین جانو کہ تم میرے

دل کے مکان میں رہتے ہو۔

وودوموا علی حفظ الوداد فطالما　　بلینا باقوام اذا استحفظوا خانوا

اور دوستی کو ہمیشہ محفوظ رکھو اس لئے کہ بہت دن ہوئے ہیں ایسے لوگوں کی محبت میں مبتلا ہو گیا تھا جنھوں نے دوستی کی امانت داری میں خیانت کی۔

سلوا اللیل عنی اذ تنائت دیارکم　　هل اکتحلت لی فیه بالنوم اجفان

میری حالت رات سے پوچھو کہ جب سے تمہارے شہر سے آیا ہوں کبھی میری آنکھوں میں نیند کا بھی سرمہ لگا ہے؟۔

وهل جردت اسیاف برق سمائکم　　فکانت لها الا جفونی اجفان

یہ تمہارے آسمان کی بجلی کی کشیدہ تلواروں کے لئے میری پلکوں کے سوا اور بھی کوئی میان تھا!

ابن صائغ کے زندگی کے واقعات بتا رہے ہیں کہ شاعری صرف اکتسابا اُن کے مذاق میں نہیں پیدا ہوئی تھی بلکہ جوش عشق کے بہت جذبات بھی اُن کے دل میں موجود تھے کہتے ہیں کہ ابن صائغ کو کسی غلام کے ساتھ عشق تھا۔ اور اُس کی محبت نے علامہ ممدوح کے دل میں ایک بے صبری کا جوش پیدا کر دیا تھا۔ اتفاقاً وہ غلام بعض ظالموں کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا اور اُن لوگوں نے اُسے کسی ایسے شہر میں لیجا کے رکھا کہ ابن صائغ کو اُسکے حالات کی کل اطلاع نہ تھی اس غم میں اُنھوں نے جو اشعار کہے ہیں وہ اُن کے جذبات دل کے ساتھ اُنکے کمال شاعری کو نہایت خوش اسلوبی سے ظاہر کر رہے ہیں۔ چند روز کے بعد خبر آئی کہ وہ غلام مر گیا۔ اس کا ابن صائغ کو اور صدمہ ہوا اور مرثیہ کے طور پر اُنھوں نے جو اشعار فرمائے ہیں وہ اور بھی زیادہ ذوق عشق میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

ایک اور حیرت انگیز واقعہ ہے جسکو مورخین نہایت تعجب کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ اور واقعی وہ تعجب کی بات ہے۔ ابن صائغ ایک پُر جمال معشوق کے عارض زیبا اور زلف چلیپا کا دیوانہ تھا۔ تقدیر نے وہی پہلا سا معاملہ پھر ظاہر کیا یعنی اس معشوق نے بھی دنیا سے کوچ کیا۔ ابن صائغ نے اُس کی تعزیت اور عزاداری کا اپنی طبیعت داری اور علمی قوت سے یہ پہلو ایجاد کیا کہ اصول ہندسہ سے چاند گہن کا وقت ٹھیک ٹھیک دریافت

کر لیا اور ایک نہایت ہی دل خراش دہن میں دو شعر کہے جن میں چاند کیطرف خطاب کیا تھا یہ شعر کہہ کے رکھ چھوڑے۔ وقت معلومہ پر غرناطہ کے بہت سے امرا و اعیان کو لے کے اُس کی قبر پر گیا۔ چاندنی رات تھی۔ ہوائے خنک چل رہی تھی اور چاند اپنی نورانی چادر اُس نازنین مہ جبین کی قبر پر چڑھا رہا تھا تمام حاضرین پر اس دلفریب سین ہی نے ایک بیخودی کی کیفیت طاری کر دی تھی کہ ناگہاں ابن صائغ نے اُسوقت کے مناسب دُھن میں (جو ہمارے مذاق میں شاید سوہنی ہی ہوگی) یہ اشعار لہر دار تانوں اور ہینڈ وسکے ساتھ ماہتاب کیطرف خطاب کر کے صد دکیساتھ الاپنا شروع کئے۔

تشرق بالبدر من بعده وتغيب في بعده

فهلا كسفت فكان الكسوف حداداً لبست على فقده

یعنی اے چاند تیرا نصف نور جس کے پاس تھا وہ تو قبر میں چھپ گیا اور اُسکے بعد اے چاند تو چمکتا ہے؟ تجھ میں گہن نہ لگ گیا۔؟ اس لئے کہ گہن اُسکے غم میں تجھے سیاہ لباس پہناتا اور تجھے غمگین ثابت کرتا۔ ان شعروں کو عمدہ لحن میں گاتے دو ہی گھڑیاں گذری ہوں گی کہ چاند میں گہن لگ گیا۔ اور عالم تیرہ و تار ہو گیا۔ یہ واقعہ ابن صائغ کے عجیب و غریب واقعات میں لکھا گیا ہے اُسوقت جو جو اہل غرناطہ موجود تھے سب کو حیرت ہو گئی۔ اور سب کی آنکھوں نے ہمدردی کے آنسو جاری کر دیئے۔

ابن صائغ اندلسی کی شاعری کا کمال اُنھیں لوگوں کو معلوم ہو سکتا ہے جو عربی ادب میں ذوق سلیم رکھتے ہیں۔ اس لئے کہ اشعار عربی کے لطف اور عربی زبان کی خوبیوں کو ہم ہزار بار بتائیں مگر ممکن نہیں کہ جن لوگوں کو خود ذاتی بصیرت نہیں اُنھیں کچھ بھی مزہ آئے لہذا ہم اس فخر اندلس عظمیٰ فاضل کی شاعری کو چھوڑ کے اُس کے دیگر حالات سے بحث کرتے ہیں۔

ابن صائغ کے بعض کلمات نے کچھ ایسی مقبولیت کا رتبہ پایا کہ ضرب المثل کے طور پر تمام اسلامی دنیا میں رواج پا گئے۔ اُن کا قول ہے کہ دہ الاشياء التي ينتفع بعلمها بعد زمان طويل اذا الفصيح ہذکرہا۔ جن چیزوں کے جاننے سے ایک مدت دراز کے بعد نفع کی امید ہو اُنھیں

ذکر کر کے ضائع نہ کر دینا چاہیئے۔ اور فرماتے ہیں محسن عملک یجیر من اللہ سبحانہ بتر احسن عمل تجھے پروردگار عالم کے غضب سے پناہ میں رکھتا ہے۔

ابن صائغ کی زندگی غربی ہسپانیہ کی وزارت ہی میں گذری یہ اُن کا بہت بڑا کمال تھا کہ وزارت کے بار عظیم اور انتظام مملکت کی ذمہ داریوں کے ساتھ اپنی ذاتی کوششوں سے اُنھوں نے اپنا نام اسلام کے بہت بڑے فلسفیوں اور اعلیٰ درجہ کے علما و فضلا کی فہرست میں لکھوا دیا۔ اُن کا شمار امرا و وزرائے اسلام میں نہیں خیال کیا جاتا۔ وہ دنیائے علم کے بہت بڑے معظم بلکہ حکمران مانے جاتے ہیں۔

عماد الدولہ بن زہونے ایک بار کسی ذاتی عداوت کی وجہ سے ابن صائغ کے قتل کا ارادہ کیا۔ ابن صائغ نے اس موقعہ پر دو شعر موزون کئے جن کے ذریعے سے نا امیدی کے ساتھ اپنے استقلال کی تصویر کھینچ دی تھی۔ صرف اُن شعروں ہی کا اثر تھا کہ اُن مرحوم کو اُس مصیبت سے نجات مل گئی۔

انسان چاہے کتنے ہی کمالات سے آراستہ ہو اور چاہے کیسا ہی فیاض اور خوش وضع ہو مگر امارت و دولت اس کے لئے صدہا قسم کی مصیبتیں پیدا کر دیا کرتی ہے۔ دیکھو اسی کا نتیجہ تھا کہ عماد الدولہ بن زہو نے اُنکے قتل کا ارادہ کیا۔ اسی وزارت کا یہ بھی نتیجہ ہوا کہ دربار تیجیے کے تمام اطبا اور کل خوشنویس اُس فاضل گرانمایہ کے علم و دولت پر رشک کرنے لگے۔ ابن صائغ کی اعلیٰ ناموری اور اُن سب کی تنگ ظرفی نے اُنکے دل میں آتش حسد بھڑکائی آہ! اس حسد کا انجام اچھا نہ ہوا۔ ۵۲۳ھ ماہ مبارک رمضان میں لوگوں نے بینگن کے سالن میں زہر ملا کے ابن صائغ کو کسی فریب سے کھلا دیا۔ ابن صائغ اُسوقت اسپین کے شہر فارس میں تھے۔ زہر نے فوراً اثر کیا۔ آخر اسی مہینہ میں ابن صائغ اندلسی کے ایسے فاضل یگانہ اور بے مثل فلسفی سے دنیا خالی ہو گئی۔ خدا غریق رحمت کرے اُنھوں نے اپنے نام کو ناموری کے اُس انتہائی درجہ پر پہونچا دیا تھا کہ بیشک دنیا تو اُن سے خالی ہو گئی مگر نام کسی کے مٹائے نہ مٹ سکا ہاں اگر ضرر ہوا تو ملک کا جو اُنکے عمدہ نظم و نسق کو یاد کر کے سالہا سال زبان حال سے رو رہا ہوگا۔ یا اُس مغربی اندلوسیہ کے بادشاہ کو جسے پھر ایسا گراں پایہ وزیر نہ نصیب ہوا۔

بعض شعراء نے اُنکے مرثیہ میں طبع آزمائی کے جوہر دکھائے اور اُنکے دوستوں کے بھرے دلوں میں رقت کا جوش پیدا کیا۔ صاحب تاریخ الحکماء لکھتے ہیں کہ قاضی ابو مروان کہتے تھے کہ میں نے ان مرحوم کی قبر کی زیارت کی ہے۔ ابوبکر بن عربی کے مقبرے کے پاس مدفون ہیں۔

ابن صائغ کی تصانیف تقریباً چوبیس ہیں جن میں سے ہر ایک میں کسی نہ کسی فلسفہ مسئلہ فلسفیہ الٰہیہ یا طبیعیہ یا علم طب سے تفصیلات بحث کی ہے۔ اکثر کتب ارسطو و جالینوس پر بطور شرح و حاشیہ کے ہیں۔ افسوس یہ وہ کتابیں ہیں جو اسلامی کمالات علوم کی سرمایہ ناز تھیں مگر زمانے نے خدا جانے اُنھیں کس مخفی مقام میں چھپا کے رکھا ہے کہ اب اُن کی زیارت کو مشتاقوں کی آنکھیں ترس گئیں۔ شاید یورپ کے مشہور کتب خانوں میں ہوں تو ہوں مگر اسلامی دنیا میں کہیں پتہ نہیں۔

ابو علی فارسی

"حسن بن احمد بن عبد الغفار بن محمد سلیمان مشہور بہ ابو علی فارسی، قدمائے اسلام میں سے ہیں۔ علم نحو کو اُن کی ذات سے بہت کچھ ترقی ہوئی۔ اور مبارک فن حدیث کو انھوں نے خود اپنا سرمایہ افتخار بنایا۔ شیخ ابو علی طبرسی مجمع البیان میں ایک مقام پر بہت سے نحوی نازک مسائل بیان کر کے فرماتے ہیں "یہ سب باتیں ابو علی فارسی کے کلام سے مستنبط کر کے لکھی گئی ہیں۔ اور ابو علی ممدوح نحو کے میدان میں ایک بے مثل شہسوار تھے۔ اور ایسے بے مثل فاضل تھے کہ علم نحو کے نازک مسائل اور پوشیدہ نکات کے چہرے پر سے اُنہوں نے اپنی فکر کے ہاتھوں سے پوشیدگی اور دقت کا پردہ اُٹھا دیا۔"

خاک پاک شیراز کو تقدم کے یہ عزت ملی کہ اُسے اس گرانمایہ عالم پر فخر و ناز کرنے کا موقع ملا۔ قاضی ابن خلکان فرماتے ہیں "ابو علی فارسی ۲۸۸ھ میں شیراز کے متعلق ایک گاؤں فسا نامی میں پیدا ہوئے۔ اگرچہ ابتدائی زمانے میں علم کا شغلہ تھوڑا بہت ضرور چلا گیا مگر وہ تعلیم ایسی نہ تھی کہ اُس کی بدولت اُنہیں ایک گرانمایہ عالم کا رتبہ حاصل ہوتا۔ اُنیس برس کی عمر تک وطن ہی میں رہے۔ اور قصبہ فسا کی فضا نے اُنھیں اپنے دامن سے نہ نکلنے دیا۔ آخر علم کا شوق

پُرجوش قوت سے اُنکے دل میں پیدا ہوا۔ اور اس بیتابی و اضطرار کے ساتھ کہ وطن کی تمام کششیں مغلوب ہو گئیں اور علامۂ ابو علی نے فسا کیسا سواد شیراز کو بھی چھوڑا اور اس مشہور مرجع عالم کی راہ لی جدہر اُس عہد میں ہر ذوق علم رکھنے والے کا رُخ قدرتی طور پر پھر جایا کرتا تھا وہ جسے بغداد کہتے ہیں۔ ابو علی نے بغداد میں پہونچ کے اکثر اہل کمال کے آگے زانوے شاگردی تہ کیا اور وہاں کے اکثر مشاہیر کے تلمذ کی عزت حاصل کی۔ ابن سراج اور زجاج اس عصر کے مشہور نحویین تھے۔ جنہوں نے لغات عرب اور اُن کی نحوی ترتیب نحوی میں اعلیٰ کمال حاصل کیا تھا۔ ابو علی۔ اُن کی شاگردی کے ذریعہ سے اپنے آپ کو اس رتبہ کا زباندان بلکہ زبان عرب کا حاکم بنایا کہ پُرانے مشہور ائمہ نحو و صرف کی شہرت بھی اُنکے آگے مٹ گئی۔ چنانچہ خود اُنکے اکثر شاگردوں اور دیگر فاضل معاصرین نے خوب آزادی کے ساتھ آزمایا تو علم نحو و لغت میں اُنکے رتبہ کو مشہور امام نحو ابو العباس مبرد کے مقابل میں بہت زیادہ پایا۔ خود اُنکو بھی اس فن سے کچھ ذوق تھا اور اپنے دل میں جو وقعت اس فن کی سمجھتے تھے وہ اور کسی علم کی نہیں سمجھتے تھے۔ ابن جنی اُن کا شاگرد رشید کہتا ہے کہ میں نے ابو علی کو یہ کہتے سُنا کہ علوم قیاسیہ میں سے کسی مسئلہ میں مجھ سے غلطی نہیں ہوتی حالانکہ علم لغت کے صدہا مسئلہ میں غلطی کر جاتا ہوں۔ ابن جنی اور علی ابن عیسیٰ۔ دونوں ابو علی فارسی کے ایسے نامور شاگردوں میں ہیں جنھوں نے خود بہت بڑی کامیابی حاصل کی اور علمی دنیا میں اُستادی کا جھنڈا بلند کیا۔ ابن جوزی جو مشہور محدث ہیں اور جنکی شاگردی پر ہمارے زندہ دل ناصح سعدی شیرازی نے بھی فخر کیا ہے۔ وہ بہ حیثیت ایک محدث کے لکھتے ہیں کہ قدیم ائمہ جوہری اور تنوخی نے بھی ابو علی فارسی سے حدیثیں سُنی ہیں اور روایت کی ہے۔ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب طبقات النحات میں اُنکی کی نہایت تعریف کی ہے اور اُن کے ذہن رسا کو بہت اعلیٰ درجہ کا تسلیم کیا ہے۔

آخر زمانہ میں علم عروض کی طرف توجہ کی اور اپنے تئیں اس فن میں بھی اعلیٰ درجہ کے کمال پر ثابت کیا۔ ابو القاسم بن احمد اندلسی کہتے ہیں ایک مرتبہ میں ابو علی کی صحبت میں تھا شعر و سخن کا ذکر ہونے لگا ابو علی بولے یہ عجیب بات ہے کہ میں باوجودیکہ تمام اصول شعر اور کل مسائل عروض سے بخوبی واقف ہوں مگر نظم سے طبیعت کچھ ایسی نامناسب واقع ہوئی

ہے کہ اگر چاہوں تو چند شعر بھی نہیں موزون کر سکتا اور اصل یہ ہے کہ اس بارۂ خاص میں مجھے تم سب لوگوں پر رشک آتا ہے۔ حاضرین میں سے کسی نے پوچھا بھلا آپ نے کبھی کوئی شعر بھی کہا ہے۔ ابو علی نے جواب دیا مجھے تو نہیں یاد کہ کبھی کوئی شعر کہہ سکا ہوں۔ ہاں بڑھاپے اور سفید بالوں کی تعریف میں یہ تین شعر البتہ کسی زمانہ میں کہے تھے۔

خضبت الشیب لما کان عیبًا — وخضب الشیب اولی ان یعابا

ولم اخضب مخافۃ ہجر خل — ولا عیبًا خشیت ولا عتابا

ولکن المشیب بدا ذمیمًا — فصیرت الخضاب لہ عقابا

یعنی بالوں کی سفیدی میں چونکہ عیب نمایاں تھا لہٰذا میں نے خضاب لگا لیا حالانکہ خضاب لگانا عیب کی بات ہے میں نے مفارقت یار یا کسی کے عیب لگانے یا کسی کے لعنت ملامت کرنے کے خوف سے خضاب نہیں لگایا ہے۔ بات یہ تھی کہ بالوں کی سفیدی کچھ ایسے بُرے طریقے سے نمایاں ہوئی کہ صرف سفیدی کو سزا دینے کے لیے میں نے اُسکے چہرے پر کالک لگا دی۔

ابو علی نے جب بغداد میں ایک بہت بڑے نامور عالم کا رتبہ حاصل کر لیا تو دیگر بلاد اسلام میں جانے کا شوق ہوا۔ چنانچہ بغداد چھوڑ کے ارض شام کی راہ لی۔ ایک مدت تک شام کے مختلف شہروں میں پھرتے رہے ۳۴۱ھ میں پھرتے پھراتے شہر حلب میں پہنچے شہر حلب ان دنوں نہایت ترقی پر تھا۔ خصوص وہاں کے بادشاہ سیف الدولہ بن حمدان کی خوبیوں نے حلب کے کو نہایت رونق دے رکھی تھی یہ سیف الدولہ وہی نامور رئیس ہے جسکی تعریف میں متنبی نے بہت سے قصائد کہے ہیں۔ اور متنبی کا دیوان جس کی خوبیوں کی ایک دائمی یادگار رہے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سیف الدولہ جیسا بہادر تھا ویسا ہی علم دوست بھی تھا جس طرح اس نے متنبی کو اپنے دامن کرم میں لے لیا تھا اسی طرح اُسنے ابو علی فارسی کی بھی قدردانی کی۔ اور گوارا نہ کیا کہ ایک ایسا فاضل یگانہ اس کی قلمرو میں آئے اور بے نیل مرام چلا جائے۔ متنبی بھی ایک ایسا شاعر ہے جسکے کلام کو اس کے عہد ہی میں مقبولیت عامہ کا خلعت مل چکا تھا اور جس کا دیوان شاید دنیا کے آخری دور تک اہل مذاق و اہل علم کا ہاتھ

دلچسپ مشغلہ رہے گا۔ ابو علی کو بھی فن لغت اور زبان عرب کی تحقیق میں دعویٰ تھا ایسے دو ہمچشموں کے ایک جگہ رہنے سے جو نتیجہ اور بامزہ نوک جھوک اور مخالفت پیدا ہوتی ہے وہی متنبی اور ابو علی میں بھی پیدا ہوئی۔ ان دونوں بےمثل مدعیان ادب کے باہمی مناظرے تفصیلاً بیان کئے گئے ہیں لیکن اگر ہم اُن کو لکھ کے پیش کریں تو لوگوں کی بالکل دلچسپی نہ ہوگی جسے شوق ہو وہ خود دیکھ لے۔

ابو علی فارسی چند روز یہاں رہے تھے کہ دل کچھ ایسا اُچاٹ ہوا کہ حلب کو بھی خیرباد کہی۔ اور اس مرتبہ حلب سے کیا قدم نکالا ارض شام ہی کو چھوڑ دیا۔ شاید اتنے دنوں کے بعد انھیں وطن مالوف یاد آگیا کہ حلب سے روانہ ہوتے ہی ایران کو روانہ ہوئے اور ارض فارس کی راہ لی۔ ایران کا مغربی صوبہ دیلم پہلے ملا۔ وہیں ٹھہر گئے۔ اور عضد الدولہ دیلمی کی صحبت سے بہرہ یاب ہوئے۔ مگر عضد الدولہ کو ان کے ساتھ کچھ ایسا حسن عقیدت ہو گیا کہ علامۂ ممدوح کی تعظیم و تکریم میں اکثر وہ اپنے مرتبہ کو بھول جاتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ بےتکلفی کے جوش میں اُس کی زبان سے نکل گیا۔ "میں ابو علی کے غلاموں میں سے ایک ادنیٰ غلام ہوں"۔ لیکن باوجود اس قدردانی اور خود فراموشی کے ایک بات عجیب اتفاق ہوا۔ ابو علی فارسی نے ایک کتاب علم نحو میں عضد الدولہ کے نام پر تصنیف کی۔ اُس کتاب کا نام ایضاح رکھا تھا۔ عضد الدولہ نے وہ کتاب دیکھی تو اُس کی نظر میں نہایت حقیر ثابت ہوئی اور ابو علی کی طرف متوجہ ہو کے کہنے لگا "جناب اس کتاب سے تو مجھے کوئی نئی بات نہیں معلوم ہوئی معمولی باتیں ہیں۔ یہ تو اس قابل ہے کہ مکتب کے بچوں کو دی جائے"۔ یہ جملہ سُن کے ابو علی کو نہایت ندامت ہوئی۔ بادشاہ کے سامنے اور کوئی جملہ نہ کہہ سکا۔ دل کے خیالات دل ہی میں فرو گئے اور دیلم چھوڑ کے آگے کی راہ لی۔ دیلم سے جانے کے بعد شیخ ابو علی نے علم صرف میں ایک اور کتاب لکھی جس کا نام تکملہ ہے۔ یہ کتاب نہایت محنت اور جانفشانی سے لکھی تھی۔ صرف چوٹ کرنے کی غرض سے وہ کتاب بعد تکمیل عضد الدولہ کے پاس بھیجی کہ وہ اپنی گذشتہ گستاخی پر نادم ہو۔ عضد الدولہ نے اُس کے دو تین ہی جملے دیکھ کے اہل دربار کی طرف متوجہ ہو کے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے شیخ کو میرے

ابوحیان غرناطی

"ابوحیان محمد بن یوسف بن علی بن یوسف بن حیان" آٹھویں صدی ہجری کے اُن یگانۂ عصر یادگاروں میں ہیں جن پر زمانہ ہمیشہ فخر کریگا۔ یہ بھی اُن لوگوں میں ہیں جنھیں خاک یورپ نے مقدس و مبارک دین الٰہی اسلام کی خدمت کے لیے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔ وہی ملک اسپین جو سات آٹھ صدیوں تک اسلامی شوکت و وقعت کا مبدا و منشا اور اہل کمال مسلمانوں کا مرجع بنا رہا ہے۔ منجملہ اور سب علمی ترقیوں کے ابوحیان کے ایسے فرید عالم نامور پر بھی فخر کر رہا ہے۔ اسپین کا وہ دلفریب و دلربا سواد اور اُس کے وہ سبزہ در ترو تازہ سبزہ زار جن کی تعریف پہلی صدی ہجری میں موسیٰ بن نصیر والی افریقہ نے دارالخلافت دمشق میں لکھ کے بھیجی تھی اس امر پر ناز کر رہی ہیں کہ ابوحیان نے اُن کے دامن میں نشو و نما پائی۔

۶۵۴ھ میں شوال کا سراپا عشرت اور مبارک مہینہ تھا کہ اندلوسیۂ عظمیٰ کے سراپا جہرۃ دارالخلافت غرناطہ میں جسے انگریزی نقشوں میں تم "گرینڈا" پاؤ گے یہ اُستاد فنون طلبہ پیدا ہوا۔ ماں باپ نے اپنے دامن تربیت میں اتنا ذوق علم پیدا کر دیا تھا کہ سن تمیز کو پہونچتے ہی ابوحیان کے دل میں شوق کی ایک بے چینی پیدا ہو گئی ارض عرب یعنی ملک اسپین کے یگانۂ آفاق علما نے عمدہ عمدہ درسگاہیں کھول رکھی تھیں جن کے فیض تعلیم سے ایک اُس پایہ کا نامور نحوی پیدا ہو سکتا تھا جیسے کہ علامۂ ابوحیان ہونے والے تھے۔ ابوالحسن ابدی۔ ابوجعفر بن زبیر ابن صائغ۔ ابوجعفر لبلی۔ اُس عصر کے نامور صاحبان درس اور مستند نحوی تھے اور جن کے فیض تلمذ سے علامۂ ممدوح نے علم نحو میں کمال حاصل کیا۔ جب نحو سے فراغت ہوئی تو علم قرأت قرآن کی طرف توجہ کی قرأت ایک خاص علم ہے جسکو علمائے ہند نے خدا جانے کیوں چھوڑ دیا اُس کے ذریعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے مختلف قبائل نے کن کن مختلف طریقوں سے قرآن مجید کو پڑھا ہے۔ قدما اس فن کے متعلق بڑی محنتیں کرتے تھے۔ اور ان کی اصطلاح میں قرأت صرف اُس کا نام نہ تھا کہ

حروف معمولی طور پر مخارج سے ادا کر دیئے جائیں ان دنوں غرناطہ میں علم قرآت کے استاد خطیب ابو محمد عبدالحق تھے جن کی دور دور شہرت تھی۔ علامہ ابو حیان نے اُن کی شاگردی کی۔ اور تمام اختلافات قرآت اور گذشتہ قاریوں کے مذاہب مختلفہ کے ساتھ قرآن کے بیس دور خطیب صاحب کے سامنے تمام کیے۔

اس کے بعد مشہور خطیب غرناطہ حافظ ابو جعفر غرناطی کی جو ابن الطباع کے لقب سے مشہور تھے۔ اور علم قرآت میں یگانہ عصر تسلیم کیے جاتے تھے جا کے شاگردی کی اور اپنے تئیں درجہ کمال پر پہونچایا لیکن اب بھی اطمینان نہیں ہوا تھا خطیب حافظ ابوعلی حسین بن عبدالعزیز مشہور بہ ابن ابی الاحوص کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ابتدائے سورۂ فاتحہ سے آخر سورۂ حجر تک اُن کو قرآن سنایا۔ جب یقین آیا کہ اب مجھے ساتوں قرآتوں پر صحیح طور پر اور تحقیق کے ساتھ عبور ہو گیا ہے۔

قرآن کے متعلق تمام باتوں سے فراغت ہوئی تو علم حدیث کا شوق ہوا اس علمی فن کے شوق نے ایسا از خود رفتہ بنا دیا اور بیخود کر دیا کہ بارہا وطن مالوف چھوٹ گیا۔ جہاں اور جس سرزمین پر کسی حافظ حدیث کا نام سن لیا۔ سامان سفر کیا۔ اور اُس کی خدمت میں حاضر ہو کے احادیث حاصل کیں۔ حتیٰ کہ مورخین کا بیان ہے کہ ابو حیان نے صرف حدیث حاصل کرنے کے لیے ساڑھے چار سو ائمہ حدیث کی شاگردی کا فخر حاصل کیا۔ قرآن اور حدیث دونوں میں تبحر ہو گیا تو علم فقہ کیطرف توجہ کی۔ چنانچہ اس فن شریف دینی میں شیخ علم الدین عراقی کے مخر استاد شاگرد ہیں۔ پھر اصول فقہ۔ فن منطق اور نیز علم کلام کے کچھ مسائل استاد ابو جعفر بن زبیر سے حاصل کیے۔ چنانچہ غزالی کی کتاب مستصفی اور قدیم نامور علامہ مناجی کی کتاب اشارہ۔ دونوں اُسی یگانہ عصر کے حلقۂ درس میں حاصل کیں۔ اسکے بعد زیادہ حصہ علم منطق کا علامہ بدرالدین محمد بن سلطان انصاری کے فیض افادت سے حاصل کیا۔ ان اساتذہ کی خدمت میں تعلیم پانے کے وقت علامہ ابو حیان نے ایسی سرگرمی اور محنت و جانفشانی سے کام لیا تھا کہ اپنے اساتذہ ہی کے عہد میں اعلیٰ درجہ کا کمال اور تبحر پیدا ہو گئے۔ اور ایک بہت بڑے مدرس مشہور ہو گئے ادب قرآت۔ حدیث۔ تفسیر وغیرہ

علوم کے حاصل کرنے کیلئے شائقان علوم عموماً اطراف اسپین سے اور اکثر اہل افریقہ اور ایشیا اطراف عالم سے آآکے اُن کے حلقہ افادت میں شریک ہونے لگے۔ اُنکے شاگردوں میں سے اکثر لوگ مقبولیت عامہ کے درجے کو پہونچے۔ آخر ساتویں صدی کے اکثر مشاہیر اور علما اُنکے شاگرد ہیں۔ بلکہ جس طرح علامہ ابوحیان نے اپنے اساتذہ ہی کے عہد میں علمی ناموری حاصل کرلی تھی اسی طرح اُن کے اتنے ایک شاگردوں کو خود اُنھیں کے عہد میں شہرت اور ناموری حاصل ہوئی کہ مختصراً اُن کی فہرست بھی بخوف تطویل نہیں گنائی جاسکتی صلاح الدین صفوی جو دنیا کے مشہور امام ہیں اور جن کا نام غالباً تمام اہل علم کو معلوم ہوگا نہایت فخر و مباہات کے ساتھ علامہ ابوحیان کی شاگردی کا اعتراف کرتے ہیں اور اپنے اُستاد علامہ ابوحیان کی تعریف میں فرماتے ہیں۔ لم ارشیاخی اکثر اشتغال منہ لانی لم اره قط الایسمع۔ او یشتغل او یکتب لم اره علی غیر ذلک۔ یعنی میں نے اپنے اُستادوں میں ابوحیان سے زیادہ کسی کو فنون و علوم میں مشغول نہیں پایا اس لئے کہ اُن بزرگوار کو میں نے سوا اس کے کہ یا وہ مسائل علمیہ کو دیگر اساتذہ سے سُن رہے ہوں یا خود پڑھا رہے ہوں یا تصنیف و تالیف میں مشغول ہوں اور کسی کام میں مشغول کبھی دیکھا ہی نہیں۔ علامہ ابوحیان نے اپنے درس کو چند کتابوں پر محدود کردیا تھا۔ چنانچہ سیبویہ کی الکتاب اور ابن مالک کی تسہیل اور اپنی تصنیفات کے سوا اور کوئی کتاب نہیں پڑھاتے تھے۔ نحو کی مشہور کتاب مقدمہ ابن حاجب بالکل نہیں پسند کرتے تھے بلکہ اس کی شان میں اکثر کہا کرتے تھے "ہذہ نحو الفقہاء" یعنی یہ تو اہل فقہ کی نحو ہے۔

علامہ ابوحیان کی زبان میں کسی قدر لکنت تھی۔ ہمارے پنجابی احباب کی طرح اہل اسپین کے لہجہ میں بھی یہ نقصان تھا کہ قاف کو اُس کے مخرج سے نہیں ادا کرسکتے تھے بلکہ قاف کی جگہ کاف بول جاتے تھے۔ اس اثر سے اسپین کا ایک باشندہ گو وہ ناموری کے اعلیٰ درجہ پر پہونچ کے علامہ ابوحیان ہوگیا ہو کیونکہ بچ سکتا تھا۔ مگر باوجود اسکے یہ کمال بھی تھا کہ یہ نقصان صرف باعتبار معمولی گفتگو کے تھا۔ جب قرآن کی قرأت کرتے یا احادیث وغیرہ پڑھتے اُسوقت قاف اپنے اصلی مخرج سے ادا ہوتا تھا اور کوئی پہچان بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ

وہی بزرگ ہیں جو بات چیت کے وقت قاف کی جگہ کاف بولتے ہیں۔

ابو حیان کی لائف میں دو باتیں ایسی ہیں جن کے خیال سے اُن مرحوم کی وقعت اور عالی ظرفی پر حرف آسکتا ہے۔ ایک تو یہ کہ اُنھوں نے درجہ تکمیل اور مرجعیت پہونچنے کے خود اپنے بعض اساتذہ سے مخالفت کی۔ صرف مخالفت نہیں بلکہ اُنپر سخت الفاظ میں حملے کئے دوسرے یہ کہ اُن کے مزاج میں کسی اعتدال سے بہت زیادہ تھا بلکہ انسانی نیچر پر جو ہمیشہ غرباکے ساتھ ہمدردی کرنے کی طرف متوجہ کرتا ہے غالب آگیا تھا۔

اول یعنی ابو حیان جس طرح اپنے اساتذہ کے ساتھ پیش آئے اسکی تفصیل یہ ہے کہ عنفوان شباب ہی میں تمام علوم میں تبحر حاصل ہو جانے کیوجہ سے ابو حیان کو ایک دعویٰ پیدا ہوگیا۔ اور اس دعوے نے یہانتک ترقی کی کہ خود اپنے اساتذہ ابو جعفر بن طباع اور ابن زبیر سے بھڑ پڑے جسکی ابتدا یوں ہوئی کہ بعض صحبتوں اور محفلوں میں اُنھوں نے دونوں کی لغزشیں اور غلطیاں ثابت کیں۔ اس کی خبر جب ابن طباع اور ابن زبیر کو پہونچی تو اُنکو نہایت ملال ہوا۔ بلکہ اُنھوں نے ناعاقبت اندیشی یا بےصبری سے ابو حیان کو بہت کچھ بُرا بھلا کہا اُن کی بعض تصانیف پر اعتراض کیا اور اُن کی بعض روایات کو غلط ثابت کیا۔ جب اُن سن رسیدہ لوگوں سے ضبط نہ ہو سکا تو ابو حیان کی جوانی کا جوش کب مانتا تھا۔ فوراً مستعد ہوگئے اور ابن زبیر کی روایات کو غلط ثابت کرنے میں تصانیف کا سلسلہ شروع کردیا۔ ابن طباع کے رد میں بھی ایک کتاب لکھی جس کا نام ردالمدع رکھا۔ ان تصانیف نے دونوں اُستادوں کی آتش غضب کو نہایت مشتعل کردیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابن طباع امیر محمد بن نصر معروف بہ فقیہ کی خدمت میں دوڑے گئے۔ جو اس عہد کے صاحب اختیار روسا میں تھے اور ابو حیان کی شکایت کی۔ اُدھر ابن زبیر نے اس سے بھی زیادہ کارگزاری کی۔ وہ یہ کہ بادشاہ اسپین کی خدمت میں ایک عرضداشت اس مضمون کی بھیجدی کہ ابو حیان نے نالائقی سے اس طرح میرے حقوق تلف کردیئے۔ اور یوں میری عداوت پر آمادہ ہوگیا۔ بادشاہ کو ابن زبیر کی بہت کچھ مراعات منظور تھی۔ اور کیوں نہ ہوتی۔ ابن زبیر ملک کے قدیم نامورون میں تھے۔ الغرض اُس عرضداشت کے پہونچتے ہی حسب ضابطہ ابو حیان کی گرفتاری کے لیے سلطنت کی

کی جانب سے وارنٹ جاری ہوا۔ جب اس وارنٹ کی خبر ابو حیان نے سنی تو سوا لکھے اور کچھ نہ بن پڑا کہ وطن کو خیرباد کہی وہ سبزہ زار جن کا شوق عربونکو یورپ میں لے گیا تھا اور وہ عمارات جن کا حلیہ ہمیشہ تاریخوں کے صفحو نپر نظر آئے گا دل پر جبر کر کے سب کو رخصت کیا اور ملک مصر کی راہ لی۔ راستہ میں شہر فارس پڑا۔ وہاں تین روز قیام کر کے مشہور مقتدائے عصر ابو القاسم خرقانی کی صحبت سے بہرہ یاب ہوئے۔ چوتھے روز جہاز پر سوار ہوکے سواد مصر میں داخل ہوئے۔

اور اُن کے بخل کا یہ حال ہے کہ مجلسوں اور صحبتوں میں بیٹھکے خود ہی کفایت شعاری بلکہ بخل کی تعریف کیا کرتے تھے۔ درہم و دینار کی تعریف میں اُنکے اکثر اشعار بھی مشہور و معروف ہیں۔ جن میں کہیں تو فرماتے ہیں کہ ,, جو پیسہ میرے کیسہ میں گرفتار ہوا اُس کی مجھ سے امید رکھنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی کسی بانجھ عورت سے بچہ کی امید رکھے ،، شیخ کمال الدین اوفوی کہتے ہیں کہ خود علامہ ابو حیان کہتے تھے ,, میں جب مؤثر اور جذبات کو حرکت میں لانے والے اشعار سنتا ہوں تو اُن کا بہت زیادہ اثر میری طبیعت پر پڑ جاتا ہے۔ جس شعر میں عاشقانہ جوش ہوتا ہے وہ مجھے فوراً ایک بیتاب عاشق بنا دیتا ہے۔ جرأت۔ بہادری اور رجز کے اشعار سنتا ہوں تو میں فی الفور ایک بہادر شجاع اور جانباز سپاہی بن جاتا ہوں مگر خدا جانے کیا بات ہے کہ فیاض لوگوں کی سخاوت اور جود و کرم کے اشعار سن کے مجھ پر کچھ اثر نہیں ہوتا ممکن نہیں کہ ایسے اشعار سنکے اور ایسے پُر اثر تذکرے کر کے کوئی مجھ سے پیسہ بھی لے سکے۔

لیکن ان روایات کا چنداں اعتبار نہیں۔ اس لئے کہ کمال الدین اوفوی اول تو کوئی مستند شخص نہیں ہے۔ دوسرے اس کے خیالات بعض مذہبی وجوہ سے ابو حیان کی نسبت اچھے نہیں ہیں۔

اس بخل نے تو کوئی نقصان نہیں پہونچایا مگر اساتذہ کی مخالفت ایک ایسی چیز تھی کہ علامہ ابو حیان کو وطن چھوڑنا پڑا۔ اور ۶۷۹ھ میں انھوں نے ملک مصر کی راہ لی۔

علامہ مذکور نے ملک اسپین سے بادشاہ محمد ثانی بن ابن الاحمر شاہ غرناطہ کے عہد میں کوچ

کیا۔ بلکہ اُسی سال جب شاہ محمد نے شاہ کیسٹیل کو بہت بڑی فاش شکست دی ہے۔ اور عیسائیوں کو قتل و قمع کیا ہے۔

مگر علامہ جلال الدین سیوطی بیان کرتے ہیں کہ خود ابو حیان نے اپنی کتاب نضار میں اس سفر غربت کا کچھ اور ہی سبب بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں میں نے جو شہر غرناطہ کو چھوڑا اُسکی ایک قوی وجہ یہ تھی کہ سرزمین اسپین میں ایک بہت بڑا نامور اور مشہور فلسفی تھا۔ اُسکی زندگی امور حکمت کے دریافت کرنے ہی میں گزر گئی تھی جب اُس کے مرنے کا وقت قریب آیا اور اُسے یقین ہوا کہ میں بہت دنوں تک زندہ نہ رہوں گا تو وہ بادشاہ وقت محمد ثانی کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے اپنی زندگی حکمت و فلسفہ کے رموز و نکات دریافت کرنے میں بسر کر دی۔ اب میرا وقت آخر ہوا اور افسوس معلوم ہوتا ہے کہ جو رموز میں نے مدت العمر میں حاصل کئے ہیں وہ میرے ہی ساتھ تمام ہو جائیں گے۔ لہذا دربار شاہی کی طرف سے تمام اطراف اندلس میں اطلاع دیدی جائے کہ جو کوئی عالم ہو فوراً حاضر ہو تاکہ اُن لوگوں کو میں اپنے خیالات بے بدل اور اجتہادات فلسفیہ بتا دوں۔ اور اُن سب کو اپنا شاگرد بنا کے دنیا سے نامور اور نیک نام مر جاؤں۔ بادشاہ نے یہ رائے پسند کی اور تمام علمائے اسپین طلب کئے گئے میں خاص دار الخلافت غرناطہ میں تھا۔ سب سے پہلے میری طلبی ہوئی اور سلطنت کے دباؤ سے میں نے اُس کی شاگردی قبول کی۔ سلطان نے اس فرمانبرداری کے صلہ میں میری عزت افزائی کی اور مجھ ایک نہایت ہی بیش بہا قیمتی خلعت مرحمت فرمایا لیکن اپنے دل میں مجھے اُسکی شاگردی پر نہایت ندامت معلوم ہوئی۔ اور اس ندامت نے اس قدر مجھ پر غلبہ کیا کہ مجھے اپنی زندگی تنگ معلوم ہونے لگی۔ الغرض آزادی نے میرے دل میں جوش مارا اپنے وطن کو خیرباد کہی اور افریقہ کا راستہ لیا۔

بہر حال جس طرح ہوا ابو حیان نے اسپین کو چھوڑ دیا اور ایک مدت تک اسکندریہ میں رہے۔ وہاں شیخ عبد النصیر بن علی بن یحییٰ مربوطی موجود تھے جو دنیا بھر میں علم قرأت کے امام مانے جاتے تھے اور جنہوں نے اس امر خاص میں اپنے آپ کو تمام دنیائے اسلام کا مرجع بنا دیا تھا۔ ابو حیان کو یہ موقع غنیمت معلوم ہوا شیخ ممدوح کی خدمت میں حاضر

کی جانب سے وارنٹ جاری ہوا۔ جب اس وارنٹ کی خبر ابو حیان نے سنی تو سوا اسکے اور کچھ نہیں پڑا کہ وطن کو خیر باد کہی وہ سبزہ زار جن کا شوق عربونکو یورپ میں لے گیا تھا اور وہ عمارات جن کا حلیہ ہمیشہ تاریخوں کے صفحوں پر نظر آئے گا دل پر جبر کرکے سب کو رخصت کیا اور ملک مصر کی راہ لی۔ راستہ میں شہر فارس پڑا۔ وہاں تین روز قیام کرکے مشہور مقتدائے عصر ابو القاسم خرقانی کی صحبت سے بہرہ یاب ہوئے۔ چوتھے روز جہاز پر سوار ہو کے سواد مصر میں داخل ہوئے۔

اور اُن کے بخل کا یہ حال ہے کہ مجلسوں اور صحبتوں میں بیٹھ کے خود ہی کفایت شعاری بلکہ بخل کی تعریف کیا کرتے تھے۔ درہم و دینار کی تعریف میں اُنکے اکثر اشعار بھی مشہور و معروف ہیں۔ جن میں کہیں تو فرماتے ہیں کہ،، جو پیسہ میرے کیسہ میں گرفتار ہوا اُس کی مجھ سے امید رکھنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی کسی بانجھ عورت سے بچہ کی امید رکھے،، شیخ کمال الدین اوفوی کہتے ہیں کہ خود علامہ ابو حیان کہتے تھے،، میں جب مؤثر اور جذبات کو حرکت میں لانے والے اشعار سنتا ہوں تو اُن کا بہت زیادہ اثر میری طبیعت پر پڑ جاتا ہے۔ جس شعر میں عاشقانہ جوش ہوتا ہے وہ مجھے فوراً ایک بیتاب عاشق بنا دیتا ہے۔ جرأت۔ بہادری اور رجنگ کے اشعار سنتا ہوں تو میں فی الفور ایک بہادر شجاع اور جانباز سپاہی بن جاتا ہوں مگر خدا جانے کیا بات ہے کہ فیاض لوگوں کی سخاوت اور جود و کرم کے اشعار سُن کے مجھ پر کچھ اثر نہیں ہوتا ممکن نہیں کہ ایسے اشعار سُنکے اور ایسے پُر اثر تذکرے کرکے کوئی مجھ سے پیسہ بھی لے سکے۔

لیکن ان روایات کا چنداں اعتبار نہیں۔ اس لئے کہ کمال الدین اوفوی اول تو کوئی مستند شخص نہیں ہے۔ دوسرے اُس کے خیالات بعض مذہبی وجوہ سے ابو حیان کی نسبت اچھے نہیں ہیں۔

اس بخل نے تو کوئی نقصان نہیں پہونچایا مگر اساتذہ کی مخالفت ایک ایسی چیز تھی کہ علامہ ابو حیان کو وطن چھوڑنا پڑا۔ اور ۶۷۸ھ میں اُنھوں نے ملک مصر کی راہ لی۔

علامہ مذکور نے ملک اسپین سے بادشاہ محمد ثانی بن ابن الاحمر شاہ غرناطہ کے عہد میں کوچ

کیا۔ بلکہ اُسی سال جب شاہ محمد نے شاہ کیسٹل کو بہت بڑی فاش شکست دی ہے۔ اور عیسائیوں کو قتل و قمع کیا ہے۔

مگر علامۂ جلال الدین سیوطی بیان کرتے ہیں کہ خود ابو حیان نے اپنی کتاب نضار میں اس سفر غربت کا کچھ اور ہی سبب بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں میں نے جو شہر غرناطہ کو چھوڑا اُسکی ایک قوی وجہ یہ تھی کہ سرزمین اسپین میں ایک بہت بڑا نامور اور مشہور فلسفی تھا۔ اُسکی زندگی امور حکمت کے دریافت کرنے ہی میں گزر گئی تھی جب اُس کے مرنے کا وقت قریب آیا اور اُسے یقین ہوا کہ میں بہت دنوں تک زندہ نہ رہوں گا تو وہ بادشاہ وقت محمد ثانی کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے اپنی زندگی حکمت و فلسفہ کے رموز و نکات دریافت کرنے میں بسر کردی۔ اب میرا وقت آخر ہوا اور افسوس معلوم ہوتا ہے کہ جو رموز میں نے مدت العمر میں حاصل کئے ہیں وہ میرے ہی ساتھ تمام ہو جائیں گے۔ لہٰذا دربار شاہی کی طرف سے تمام اطراف اندلس میں اطلاع دیدیجائے کہ جو کوئی عالم ہو فوراً حاضر ہو تاکہ اُن لوگوں کو میں اپنے خیالات بے بدل اور اجتہادات فلسفیہ بتادوں۔ اور اُن سب کو اپنا شاگرد بنا کے دنیا سے نامور اور نیک نام مرجاؤں۔ بادشاہ نے یہ رائے پسند کی اور تمام علمائے اسپین طلب کئے گئے میں خاص دار الخلافت غرناطہ میں تھا۔ سب کے پہلے میری طلبی ہوئی اور سلطنت کے دباؤ سے میں نے اُس کی شاگردی قبول کی۔ سلطان نے اس فرمانبرداری کے صلہ میں میری عزت افزائی کی اور مجھے ایک نہایت ہی بیش بہا قیمتی خلعت مرحمت فرمایا۔ لیکن اپنے دل میں مجھے اُسکی شاگردی پر نہایت ندامت معلوم ہوئی۔ اور اس ندامت نے اس قدر مجھ پر غلبہ کیا کہ مجھے اپنی زندگی تنگ معلوم ہونے لگی۔ الغرض آزادی نے میرے دل میں جوش مارا اپنے وطن کو خیرباد کہی اور افریقہ کا راستہ لیا۔

بہرحال جس طرح ہوا ابوحیان نے اسپین کو چھوڑ دیا اور ایک مدت تک اسکندریہ میں رہے۔ وہاں شیخ عبد النصیر بن علی بن یحیی مریوطی موجود تھے جو دنیا بھر میں علم قرأت کے امام مانے جاتے تھے اور جنہوں نے اس امر خاص میں اپنے آپ کو تمام دنیائے اسلام کا مرجع بنا دیا تھا۔ ابوحیان کو یہ موقع غنیمت معلوم ہوا شیخ ممدوح کی خدمت میں حاضر

ہوئے اور از سرِ نو پھر قرأت کو حاصل کیا۔

اس مقام سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ علامۂ ابو حیان نے اساتذہ اندلس سے اگر مخالفت کی تو وہ ناجائز نہ ہو گی۔ اس لیئے کہ اگر اُن کو خود ستائی کا بے سبب دعویٰ تھا تو اسقدر پہونچ کے اُسی فن میں جس میں کیا کچھ کمال حاصل کر چکے تھے کیوں اپنے تئیں طفل مکتب بنا دیا اور شیخ عبدالنصیر کے آگے زانوئے شاگردی تہ کیا صرف شیخ عبدالنصیر ہی نہیں۔ علامۂ ابو حیان مصر کے ایک دوسرے اُستاد قرأت شیخ ابو طاہر اسمٰعیل بن ہبۃ اللہ ملیجی کی خدمت میں بھی گئے اور اُن کی شاگردی کو بھی فخر جہان کے اختیار کیا۔

اسکے بعد علامۂ ابو حیان ایک مدت دراز تک سفر ہی میں رہے مصر۔ عراق شام حجاز یمن۔ اور بلاد سوڈان اور بہت سے دیگر مقامات ایشیا کی سیر کی۔ یہ سفر بھی شوق علم میں تھا۔ جہاں کسی اُستاد فن۔ محدث فقیہ۔ قاری یا کسی اور فن کے اُستاد کا نام سُن لیا وہان دوڑے گئے اور اُس کا تلمذ اختیار کیا۔ ابو عبداللہ محمد بن سعید زعینی کہتے ہیں کہ خود ابو حیان کہتے تھے۔ جملۃ من سمعت منہم نحو من خمس مائۃ والمجیزون اکثر من الف،، یعنی وہ سب لوگ جن سے میں درس سُنا اُن کا شمار تقریباً پانسو ہے اور جن علما نے مجھے اجازت دی اُنکا شمار ہزار سے زیادہ ہے۔

اس سیر و سیاحت اور علمی ذوق و شوق سے ابو حیان کو اتنا بڑا فخر حاصل ہوا جسکی قدر اگر کسی محدث کے دل سے پوچھو تو معلوم ہو۔ ابو حیان کا شمار آٹھویں صدی کے علما میں ہے۔ مگر اُنکو تین حدیثیں ملیں جن کی روایت اُن سے حضرت رسالت پناہ تک صرف آٹھ واسطوں سے پہونچتی ہے۔ حقیقت میں یہ فخر اُن کے لیئے بہت بڑا تھا۔ اور اس پر وہ جس قدر ناز کرتے زیبا تھا ہم اپنے اہل حدیث دوستوں کے محظوظ کرنے کے لیے اس سند کو بھی نقل کیے دیتے ہیں۔ ابو حیان کہتے ہیں مجھ سے کہا محمد بن احمد بن مویہ ہمدانی اور مونسہ بنت ملک العادل ایوب بن شادی نے اُن دونوں نے سُنا ابو الفخر اسعد بن سعید بن روح سے اُنھوں نے روایت کی فاطمہ جوزجانیہ بنت عبداللہ بن احمد سے اُنہوں نے سُنا ابو بکر محمد بن زبدہ ضبی اصفہانی سے اُنھوں نے حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطر

لمی طبرانی سے انھوں نے عبداللہ بن ریاض قیسی سے سنہ بن رملہ میں ۲۷۴ھ میں انھوں نے روایت کی ابو عمر زیاد بن طارق تابعی سے اس وقت جبکہ اُن کی عمر ایک سو بیس برس کی ہو چکی تھی کہا مجھ سے بیان کیا۔ ابو جروَل زہیر بن صرد جشمی نے جو صحابی ہیں غزوۂ حنین میں جب مسلمانوں کو فتح ہوئی تو لوگ مجھے گرفتار کر کے رسول اللہ صلعم کے سامنے لے گئے۔ میں آگے بڑھا اور نہایت رقت قلب اور التجا و عاجزی کے لہجہ میں آنحضرت کی مدح میں ایک قصیدہ پڑھنے لگا (جو کتب تواریخ میں مندرج ہے) آنحضرت کے دل میں انتہا سے زیادہ رحم تھا وہ قصیدہ سن کے آپ کو مجھ پر رحم آگیا۔ دوسری سند ابو القاسم طبرانی تک تو اسی سلسلہ سے گئی ہے مگر طبرانی کے شیخ دوسرے ہیں یعنی طبرانی کہتے ہیں مجھے خبر دی جعفر بن حمید انصاری نے کہ میرے نانا عمر بن ابان مدنی نے مجھ سے بیان کیا کہ انس بن مالک نے مجھے رسول اللہ صلعم کے وضو کا طریقہ بتایا۔ تیسری سند بھی طبرانی تک پہونچتی ہے اور اس کے بعد یوں ہے کہ طبرانی نے روایت کی محمد بن احمد بن تزید بصری سے انھوں نے دینار بن عبداللہ انس بن مالک کے غلام سے اور انھوں نے اپنے مولیٰ انس بن مالک سے کہ انھوں نے کہا رسول اللہ صلعم نے فرمایا خوش خبری ہو اس شخص کو جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا یا جس نے کسی میرے دیکھنے والے کو دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا یا میرے دیکھنے والے کے دیکھنے والے کو دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا۔ یہ تین سلسلے ہیں جن کے ذریعے سے ابو حیان کو صرف آٹھ ذریعوں سے رسول اللہ کی احادیث پہونچ گئیں۔

اس کے علاوہ محدثین میں علامۂ ابو حیان کو ایک اور حیثیت سے تخصیص ہے۔ اکثر سندوں میں یوں طریقہ آیا ہے کہ بعض راوی اپنے آبا سے سلسلہ وار دو تین پشت تک روایت کر جاتے ہیں۔ جبکہ یوں کہتے ہیں کہ "عن ابیہ عن ابیہ عن ابیہ" اس قسم کا سلسلہ اور تمام سندوں میں تین ہی چار پشت تک گیا ہے لیکن ابو حیان کو دو سلسلوں سے یوں روایت پہونچی ہے کہ آبا و اجداد کا سلسلہ بہت دور تک چلا گیا ہے چنانچہ ان میں سے ایک سلسلہ جس میں ابو حیان کے استاد ابو الحسن بن نامہ ہیں اور وہ چند وسائط کے بعد شیخ رزق اللہ بن عبدالوہاب تمیمی سے روایت کرتے ہیں سند صرف بذریعہ آبا و اجداد ہی کے رسول اللہ صلعم تک

پہونچ گئی ہے۔ یعنی رزق اللہ کہتے ہیں میں نے اپنے پدر بزرگوار ابوالفرج عبدالوہاب سے سنا
اُنھوں نے اپنے والد ماجد ابوالحسن عبدالعزیز سے اُنھوں نے اپنے والد ماجد ابوبکر حرث سے
اُنھوں نے اپنے والد اسد سے اُنھوں نے اپنے باپ لیث سے اُنھوں نے اپنے باپ سلیمان
سے اُنھوں نے اپنے باپ ابوالاسود سے اُنھوں نے اپنے والد سفیان سے اُنھوں نے
اپنے والد یزید سے اُنھوں نے اپنے باپ اکینہ سے اُنھوں نے اپنے باپ ہثیم سے اُنھوں نے
اپنے باپ عبداللہ سے جو صحابی ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلعم کو سنا فرماتے
تھے مسلمان لوگوں میں کوئی ذکر نہیں چھوڑتا۔ مگر یہ کہ اُنپر ملائکہ سایہ کر لیتے ہیں اور رحمت
عام ہو جاتی ہے۔ اس سند میں بارہ راویوں نے اپنے آبا سے روایت کی۔ اس کے علاوہ
ایک اور سند ہے جس میں نو بیٹوں نے اپنے آبا سے روایت کی ہے۔ ایسی سندیں اور محدثین
کو کم نصیب ہوئی ہیں اور ابو حیان اُنپر جس قدر فخر و ناز کرتے زیبا تھا۔

علامۂ مقری مشہور مورخ اندلس فرماتے ہیں کہ اُستاد ابو حیان نے جس وقت
سرزمین اسپین سے کوچ کیا ہے اور مصر کی راہ لی ہے اگرچہ پوشیدہ طور پر وہ سلطنت
سے روپوش ہو کے گئے تھے۔ لیکن محبت وطن کے جوش نے اُنھیں اس امر پر آمادہ
کر دیا کہ ایک نصیحت نامہ اور دستور العمل لکھ کے اہل وطن کے سپرد کرتے گئے تاکہ لوگ اُسپر
عمل کریں اور ہر قسم کی لغزشوں سے محفوظ رہیں۔ علامۂ مقری فرماتے ہیں۔ یہ وصیت
نامہ ابوالطیب بن علوان تونسی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ملا جس نے اُستاد ابو حیان کے شاگردونکے
مدرسوں میں تعلیم پائی تھی وہ وصیت نامہ کتب تواریخ میں بلفظہ موجود ہے شائقین اگر
چاہیں تو نفح الطیب تاریخ اندلس میں دیکھ سکتے ہیں۔ اُسکا ہر لفظ ایک گران بہا جواہر
ہے۔ اور ہر دیکھنے والا اُس کی دو چار سطریں بھی دیکھ کے خیال کر سکتا ہے کہ اُستاد ابو حیان
کس پایہ کے شخص تھے۔ اور دیگر علما ایسا دستور العمل تیار کرنے سے کس حد تک عاجز ہیں۔
یہ عجیب بات ہے کہ خود ممدوح مورخ اندلس کی تصریح کے مطابق اُستاد ابو حیان کو مشائخ
صوفیہ سے حسن عقیدت نہ تھا۔ بلکہ بعض مشائخ پر اُنھوں نے بہت کچھ رد و قدح بھی کی۔
اور واقعی یہ شان اکثر محدثین میں پیدا ہو گئی۔ اور عموماً پیدا ہو جاتی ہے لیکن اس وصیت

نامہ میں اُنھوں نے جس اصرار و تاکید سے لوگوں کو مشائخ صوفیہ کیطرف متوجہ کیا ہے اُس سے
معلوم ہوتا ہے کہ ابوحیان سے زیادہ کرامات اولیا کا کوئی معتقد بھی نہیں ہے۔ ایک اور مقام پر
ابوحیان نے ابوتمام فقیہ سے روایت کی ہے کہ کہتے تھے ایک بار میں نے ابوالحسن بن جالوت کی
تربت کی زیارت کا ارادہ کیا۔ اہل اسلام کے قبرستان میں گیا۔ اس سے پیشتر چونکہ اور کبھی
مجھے اُس تربت پاک کی زیارت کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ اور نہیں پہچانتا تھا کہ اُن کی قبر کونسی
ہے۔ لہٰذا ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ سب قبریں ایک ہی طرح کی نظر آئیں۔ اور کسی طرح نہ معلوم ہو سکا
کہ قطب الآفاق ابن جالوت کا مزار کونسا ہے۔ کچھ دیر توقف کرکے میں مایوسی کے ساتھ پلٹا
دو ہی چار قدم چلا ہونگا کہ ایک قبر سے آواز آئی۔ "یاغالب اتمشی ماتزرنی؟" اے غالب (ابو
تمام کا نام ہے) کیا بے ہم سے ملاقات کئے چلے جاؤگے؟ ابوتمام کہتے ہیں یہ آواز سُن کے میں
پھر پھرا اور اس قبر کے پہلو میں جس سے آواز آئی تھی بیٹھ کے فاتحہ پڑھنے لگا۔ تھوڑی
ہی دیر میں شیخ مرحوم کے صاحبزادے آئے اور میں نے اُن سے پوچھا شیخ ابن جالوت کی قبر
کونسی ہے۔ اُنھوں نے بتایا کہ جس کے برابر تم بیٹھے ہو۔ یہ سُن کے مجھے یقین ہو گیا کہ وہ آواز
شیخ مرحوم ہی کی تھی۔

اُستاد ابوحیان نے جب اس قسم کی روایات حسن عقیدت کے ساتھ بیان کی
ہیں تو یقین کر لینا چاہیے کہ اُن کو صوفیہ کرام کیجانب سے کسی قسم کا سوءظن نہ تھا اور جو کچھ انھوں نے
مخالفت کی ہے اُس میں صرف وہ لوگ مخاطب ہیں جو ہمارے زمانہ کے اکثر پیرزادوں کیطرح فریب
اور مکر کے ساتھ دعویٰ ولایت و تصوف کیا کرتے ہیں۔ بلکہ ایک مخمس قطعہ ابوحیان کا صاف
بتا رہا ہے کہ اُن کو اپنے معاصر مکار و فریبی مدعیان تصوف ہی سے مخالفت تھی اور سخت مخالفت
تھی اسی قطعہ کے دو شعر جن سے اُن کی غرض ظاہر ہو گی ہم نقل کئے دیتے ہیں تاکہ ہمارے
دوستوں کو اُستاد ابوحیان کے خیالات بخوبی معلوم ہو جائیں۔

ومن یک یدعی منہم صلاحاً   فزندیق تغلغل فی الضلال
فینہب مالہم ویصیب منہم   نساءہم بمقبوح الفعال

یعنی اُن میں سے جو کوئی صلاحیت و تقوی کا مدعی ہے وہ ایک زندیق ہے کہ ...

ضلالت میں گمراہ ہو گیا ہے۔ وہ مریدوں کا مال لوٹتا ہے اور اُن کی عورتوں سے بُرے کام لیتا ہے۔

اُستاد ابو حیان کو زیادہ ناموری خاصکر علم نحو میں حاصل ہوئی اور ایسی ناموری کہ نحو کے وہ بہت بڑے امام تسلیم کئے جاتے ہیں۔ جلال الدین سیوطی نے نحو میں جو کتاب مجمع الجوامع لکھی ہے اُس کی نسبت خود اعتراف کرتے ہیں کہ میں نے اس میں جو کچھ لکھا ہے۔ علامۂ ابو حیان کی تصنیفات سے لیکے لکھا ہے اور مجمع الجوامع ایک ایسی کتاب ہے کہ اُسکے مثل نحو میں کم کوئی کتاب نظر آئے گی بخصوص جب یہ خیال کیا جائے کہ علامہ ابو حیان نے نحو میں متقدمین کی بالکل تقلید نہیں کی اور اپنی تحقیقات میں کل اساتذۂ ماسبق سے علیحدہ ہو گئے ہیں تو حیرت معلوم ہوتی ہے کہ نحو کے دائرہ میں اُس اُستاد یگانہ نے کیونکر اجتہاد کا جھنڈا بلند کیا۔

ابو حیان کی مدح وثنا میں مورخین نے جس زور قلم سے کام لیا ہے اور اُنکی وقعت ثابت کرنے میں جیسی قوت تحریر دکھائی ہے اُسکو دیکھ کے شاید عام لوگوں کو دھوکا ہو گا کہ وہ الفاظ صرف مبالغہ پر محمول ہیں۔ صلاح الدین صفوی نے بہت بڑی طولانی عبارت کے ضمن میں صاف لکھدیا ہے کہ "کان امیر المومنین فی النحو" اور اس جملے کے بعد اس شدومد سے تعریف کی ہے کہ تمام ائمۂ نحو کو اُستاد ابو حیان کے آگے ایک طفل مکتب ثابت کر دیا ہے سیبویہ اخفش۔ فرا۔ یزیدی۔ کسائی کسی کی کوئی اصل و حقیقت نہیں باقی رہی۔

علامۂ صفوی جو آخر عہد میں ابو حیان کے معاصر تھے اُنھوں نے ایک خط کے ذریعے سے اُستاد ابو حیان سے اُن کی تمام تصانیف اور تمام دیگر کتب کی روایت کرنے کی اجازت طلب کی تھی۔ یہ اگلے عہد میں دستور تھا کہ جب تک مستند شیخ جس کو سلسلہ در سلسلہ اجازت درس و روایت ملتی آئی ہو اجازت نہ دے اُسوقت تک کوئی شخص نہ روایت کرسکتا تھا اور نہ درس دے سکتا تھا الغرض علامۂ صفوی کے جواب میں اُستاد ابو حیان نے تمام مشہور مصنفوں کی معرکہ آرا کتابوں کی فہرست لکھی ہے اور علامہ ممدوح کو روایت کی اجازت دی ہے اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے اندلس۔ افریقہ۔ مصر۔ حجاز۔ وغیرہ دیگر بلاد اسلامیہ میں اپنے اساتذہ سے جو کچھ حاصل کیا۔ اس سب کی تمکو اجازت دیتا ہوں

میری روایتوں تصنیفوں وغیرہ سے جو کچھ ہوئے سب کی روایت تمہیں جائز ہے سب سے زیادہ جس چیز کی سند میں تم کو دے سکتا ہوں وہ قرآن کا ساتوں قرأتوں سے پڑھنا ہے۔ اور سب سے عمدہ میرے استاذ قرأت میں فخر الدین ابو طاہر ملیحی تھے۔ علاوہ ازیں صحاح ستہ۔ موطا مسند ابن حمید دارمی ان سب کتابوں کی میں تم کو اجازت دیتا ہوں،، اسکے بعد بتایا ہے کہ میرے اتنے استاد تھے۔ اور میں نے ان ان کوششوں سے یہ سندیں حاصل کی ہیں اور کہاں کہاں مارا مارا پھرا ہوں۔

علامۂ ابو حیان کے دلچسپ واقعات میں ایک یہ واقعہ ہے کہ اُن کی ایک صاحبزادی تھیں جن کا نام نضار تھا۔ نضار نے بھی اُس عہد کی عورتوں کی طرح علوم دینیہ اور ادبیہ میں کمال حاصل کیا تھا خصوص ایک ممتاز محدثہ خیال کیجاتی تھیں۔ تاریخ اسپین بتا رہی ہے کہ وہاں کے مسلمانوں میں تعلیم نسوان کا نہایت تکمیل کے ساتھ رواج تھا۔ چنانچہ جس طرح ہر عہد میں نامور علما اور شعرا مردوں میں سے پیش کرتا تھا اسی طرح عورتیں کمال حاصل کر کے ملک میں اعلیٰ کمال کا رتبہ حاصل کر لیا کرتی تھیں۔ اس باعصمت خاتون نے قرأت اور حدیث کو تو اپنے یگانۂ عصر باپ سے حاصل کیا تھا اور نحو کے اکثر فن ابن زبیر وغیرہ دیگر علمائے اندلس سے اجازت لیکے زبانی یاد کر لیے تھے۔ آخر اس علمی تعلیم نے نضار کے دل میں دین کا جوش پیدا کر دیا تھا اور وہ ارض اُندلس چھوڑ کے بغرض حج مکہ معظمہ گئیں۔ مکہ پہونچ کے نضار نے اپنی سند سے اکثر احادیث روایت کیں اور وہاں کے بعض لوگوں کو اپنا شاگرد بنایا۔ اور اسی طور پر نضار نے مکہ معظمہ میں ایک مشہور اُستاد کی حیثیت پیدا کر لی۔ علامۂ ابو حیان کو اپنی اُس بیٹی سے نہایت ہی الفت تھی اور جہاں تک ہو سکتا تھا اُس کی ناز برداری میں کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھتے تھے بیٹی کی محبت نے یہاں تک ترقی کی کہ اپنے بیٹے حیان سے بھی اُس قدر اُنس نہیں رہا۔ اکثر زبان سے یہ کلمہ نکل جاتا تھا کہ کاش اسکا (نضار کا) بھائی حیان اس سے اچھا نہیں تو اس کا ایسا ہوتا۔ علامۂ صفوی کہتے ہیں ابو حیان نے بارہا خود مجھ سے نضار کی تعریف کی اور فرمایا،، حدیث میں اُس کی ایک تصنیف موجود ہے زبان عرب کی ادب کے متعلق اُس کی لیاقت بے مثل ہے۔ اشعار بھی خوب

کہہ لیتی ہے اور طبیعت بہت اچھی پائی ہے،، آہ!! ابو حیان کو اس بیٹی کا بہت بڑا داغ طپر
اٹھانا پڑا جمادی الآخر ۷۳۰ھ میں نضار نے ملک عدم میں انتقال کیا۔ ابو حیان اس صدمہ سے
نہایت اندوہگین ہوئے۔ ملک ناصر ان دنوں خدیو مصر تھا۔ اسکی خدمت میں علامہ ابو حیان
نے عرضداشت بھیجی کہ جس میں پہلے تو اپنے رنج والم اور صدمہ جانکاہ کا حال لکھا تھا
اس کے بعد اجازت طلب کی تھی کہ اگرچہ عام طور پر شہر قاہرہ کے اندر کسی لاش کو دفن
کرنا ممنوع ہے مگر میں امیدوار ہوں کہ مجھے اجازت دی جائے گی کہ اپنی بیٹی نضار کی لاش
خاص شہر کے اندر دفن کروں۔ ملک ناصر کو عرضداشت دیکھ کے بڑا ترس آیا دستخط میں
بہت کچھ ہمدردی و دلدہی کے کلمات لکھے اور علامہ ابو حیان کی مرضی کے موافق اجازت
دی کہ نضار کی لاش خاص قاہرہ کے اندر مدفون ہو۔ اس اجازت کے بعد ابو حیان نے
اپنی بیٹی کو نہلا اور کفنا کے خاص اسی مکان میں دفن کیا جس میں رہتے تھے۔ یہ مکان قاہرہ
کے محلہ برقوقیہ میں واقع تھا۔ ابو حیان کو بیٹی کا اتنا بڑا غم ہوا تھا کہ دفن کرنے کے بعد پورے
ایک برس تک گوشہ نشینی کے عالم میں قبر ہی پر بیٹھے رہے، اور اس زمانے میں کسی شخص سے
نہیں ملے اور گویا خیال کر لیا تھا کہ سوا مراسم عزاداری اور سوگواری کے انہیں اور کچھ کرنا ہی نہ تھا
شیخ صلاح الدین کہتے ہیں کہ میں رحبہ میں تھا کہ مجھے نضار کے مرنے کی خبر پہنچی
لہذا مطابق تعزیت میں چند اشعار کہے اور شیخ ابو حیان کے پاس بھیج دیئے اس مرثیہ میں
واقعی بعض بعض اشعار نہایت زور کے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ صلاح الدین کو بھی
مرحومہ کے مرنے کا نہایت ہی قلق تھا۔

علامہ ابو حیان صرف ملا اور ایک مدرس ہی نہ تھے طبیعت موزون پائی تھی
اور اکثر شعر گوئی کا بھی مشغلہ رہتا تھا۔ ایک چھوٹا سا دیوان انکی شاعری کی یادگار میں موجود
ہے۔ اگر کوئی ان اشعار کو دیکھے تو معلوم ہو کہ خیال آفرینی میں اس فاضل یگانہ کی طبیعت
کیسی لڑتی تھی۔ ہر شعر صاف الفاظ میں بتا رہا ہے کہ میرا کہنے والا ایسا قادر الکلام ہے
کہ جدھر رخ کرے گا تمام مضمون بے سبقت لے جائیگا۔ عاشقانہ مضامین کو اس خوبی سے
اور ایسے پُر جوش اور دل پر اثر ڈالنے والے الفاظ میں ظاہر کرتے ہیں کہ معلوم ہی نہیں ہوتا

پر کسی عالم و فاضل اور مولوی کے اشعار ہیں۔ شاعری کا یہی کمال ہے کہ انسان جس خیال کی طرف توجہ کرے اپنی طبیعت کے دیگر جذبات سے بچا کے ادا کر جائے اور یہی سبب ہے کہ اہل علم کے اشعار شاعروں کی محفل میں بہت کم وقعت پیدا کر سکتے ہیں علامۂ ابو حیان میں یہ بڑا کمال تھا کہ صرف عاشقانہ جذبات ہی اُن میں نہ تھے۔ اکثر نصائح اور دنیاوی فوائد کی باتوں کو بھی اُنھوں نے نظم کیا ہے اور اس خوبصورتی سے نظم کیا ہے کہ شاید اُس سے زیادہ مؤثر طریقہ اُن نصائح کے ادا کرنے کا اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ پند و نصائح کے متعلق ابو حیان کے بہت اشعار ہیں کہیں دنیا کی مذمت میں طبیعت داری کے جوہر دکھائے ہیں کہیں وفادار دوستوں کے نہ ملنے کو عجب مؤثر طریقہ سے ادا کر گئے ہیں۔ غزلیت جو فارسی کی ایجاد ہے اُسکا مادہ بھی اُن کی طبیعت میں کمال کے ساتھ تھا۔ اُنکے اکثر نظم اُسی اسلوب پر ہیں مگر اصل یہ ہے کہ جو غزل کی شان ہے وہ اُن میں نہیں۔ لیکن ہاں کہتے تو خوب کہتے۔ مگر ہم تو یہ کہیں گے کہ خوب ہوا جو عربی میں غزل سرائی کی بنیاد نہیں ڈالی۔ ورنہ فارسی اور اردو کی طرح عربی شاعری بھی صرف خیال آفرینی پر محدود ہو جاتی۔ اور کلام کے مؤثر یا واقعہ کی تصویر دکھانے کی قوت بالکل سلب ہو جاتی۔

نظم

الغرض علامۂ ابو حیان جب تک زندہ رہے عربی زبان کو بے مثل ترقی دلاتے رہے یہاں تک کہ زمانہ نے اُنھیں تھکا دیا۔ اور پیام اجل نے ایسے گرانمایہ شخص کو اُس کے شاگردوں ہی سے نہیں۔ ساری دنیا کے آغوش محبت سے چھین لیا۔ اُستاد ابو حیان کی تاریخ وفات میں مورخین اسپین اور مورخین ایشیا میں اختلاف ہو گیا ہے اہل اسپین ۷۴۳ھ بتاتے ہیں اور اہل ایشیا ۷۴۵ھ لکھتے ہیں۔ مگر مشہور مورخ اندلس علامۂ مقری نے نہایت انصاف پسندی سے فیصلہ کیا ہے کہ مورخین ایشیا کا بیان زیادہ قابل قبول ہے اسلئے کہ استاد مرحوم نے انہیں کے پڑوس میں انتقال فرمایا۔

علامۂ صلاح الدین جو شام کے مشہور ادیب تھے اور جنکو ابو حیان کے ہم عصر ہونے کی عزت حاصل تھی۔ اور اپنے عصر کے مقتدائے زمانہ تھے لکھتے ہیں کہ علم نحو کے بادشاہ اور ہمارے استاد شیخ ابو حیان نے تقریباً اسی برس تک علم نحو کو فائدہ پہونچایا۔

یہاں تک کہ ضعیفی نے اُنکو بالکل تھکا دیا۔ اُنھوں نے شہر قاہرہ میں باب البحر کے باہر جس مکان میں رہتے تھے اُسی میں ہفتہ کے روز نماز عصر کے بعد صفر کی ۲۸ کو ۷۴۵ھ میں انتقال فرمایا۔ اور دوسرے روز مقبرۂ صوفیہ میں جو باب نصر کے باہر ہے دفن ہوئے۔ دمشق کی مشہور جامع مسجد بنی اُمیہ میں لوگوں نے اُن کے جنازے کی صلوٰۃ غائب پڑھی۔ صلاح الدین جو ہر طرح سے علامۂ ابو حیان کے معترف تھے اُنھوں نے ابو حیان کا ایک نہایت ہی پُردرد مرثیہ لکھا ہے۔ اُس مرثیہ میں نحو کی تمام اصطلاحوں کو شاعرانہ خوبصورتی سے کھپایا ہے۔ بلکہ بعض مورخین کا بیان ہے کہ وہ مرثیہ زبان عرب کے دیگر مرثیوں پر بہت ترجیح رکھتا ہے۔

علامۂ ابو حیان کی تصنیفات بہت ہیں تقریباً چالیس پینتالیس کتابیں جو اُستاذ ابو حیان کی برکتوں کی یادگار ہیں۔ اُن کی تصانیف کو زیادہ تعلق نحو و صرف اور خاص اُصول زبان عرب سے ہے۔ تمام وہ مصنفین جو اُستاد ابو حیان کے بعد ہوئے اُن سب پر ابو حیان کی تصانیف کا بہت بڑا احسان ہے۔

الغرض اُستاد ابو حیان ایک ایسے شخص تھے کہ سرزمین اسپین اور غرناطہ کو ہمیشہ اُن پر فخر رہے گا۔ آج وہاں اُن کے معترف اور اُن کے فاتحہ خواں بلکہ اُن کے نام کو عزت سے لینے والے بھی نہیں ہیں۔ لیکن زمانہ ہمیشہ یاد دلاتا رہے گا اور سرزمین اسپین کو کبھی نہ بھولے گا کہ اُستاد ابو حیان ایک ایسے مقتدائے عصر اور یگانۂ دہر کا نام ہے جسکی وجہ سے مغربی یورپ کا ایک ٹکڑا اپنے علم و فضل اور اپنی تہذیب کے اعتبار سے اُن دنوں ایشیا میں ناموری حاصل کر سکا جب کہ اُس کے برابر کے تمام اضلاع اور کل حصص مغربی یورپ وحشی اور بالکل غیر مہذب تصور کئے جاتے تھے۔

خدا غریق رحمت کرے ابو حیان کو جو باوجودیکہ عرب سے پانچ چھ ہزار میل فاصلہ پر تھے مگر زبان عرب کو اس سرگرمی سے ترقی دلا رہے تھے اور شاید اُسی کا اثر ہے کہ ہزار کوشش کی جائے مگر عربی الفاظ زبان اسپین سے نکالے نہیں نکلتے۔

کانڈی جو مشہور مورخ اسپین ہے اُس نے اپنی تاریخ میں صاف صاف لکھدیا ہے کہ اسپین کی موجودہ زبان جسکو چار پانچ سو برس ہوئے عربی سے کوئی تعلق نہیں اب تک

اُس میں نصف کے قریب عربی الفاظ موجود ہیں۔

اس کے بعد اس امر کا بھی خیال کرنا چاہیئے کہ عیسائیوں نے اپنے ملک سے عربی کا اثر مٹانے کے لئے کیسی کیسی کوششیں کیں۔ تمام وہ علمی کتب خانے جن کا تذکرہ اب صرف تاریخوں میں ہے۔ صرف اس خیال سے کہ وہ قرآنی زبان میں تھے جہازوں میں بھر بھر کے سمندر میں ڈبو دیئے گئے۔

ابن سمعون

در ابن سمعون محمد بن احمد بن اسماعیل ، دولت عباسیہ میں جہاں ہر فن کے اہل کمال گذرے ہیں وہاں بعض واعظ اور اسپیکر بھی بلا کے جادو بیان ہوئے ہیں جس امر کو بیان کرنا چاہیں اُس میں ایسے ایسے نکات اور رموز پیدا کرتے تھے کہ عقل حیرت میں رہجاتی تھی۔ خصوص سامع کے دل پر اثر ڈال دینے میں تو ایسا کمال حاصل تھا کہ ممکن کیا ہے کسی امر کو بیان کریں اور سننے والے اعتراف نہ کرلیں۔ اُن کی مؤثر زبان کے ایسے ایسے واقعات مشہور ہیں کہ لوگوں کو سُن کے حیرت ہوجائیگی۔ اپنی اُس معجز زبان سے اُنھوں نے دین اسلام کی بہت خدمت کی کہتے ہیں کہ جب ابن سمعون آیات واحادیث کا وعظ کیا کرتے تھے اور عذاب الٰہی کا نمونہ دکھلانے لگتے تھے اُسوقت لوگوں کی رقت قلب کا یہ عالم ہوتا تھا کہ وہ شخص جس کا دل سخت سے سخت ہوتا تھا وہ بھی زار و قطار روتا تھا۔ اور تمام دنیاوی دلچسپیاں اُسکی نظر میں ہیچ ہو جاتی تھیں۔

اُن کی تعریف میں اکثر مورخین نے بہت مبالغہ کیا ہے لیکن وہ صرف ہمارے خیال میں مبالغہ ہے اور اصل میں ابن سمعون کے سچے حالات بیان کئے ہیں۔ حافظ ابو بکر خطیب بغدادی کا ایسا مشہور و معروف نامور مورخ اپنی تاریخ بغداد میں اس آتش زبان فخر بغداد کی نسبت لکھتا ہے ”وکان واحد دہرہ وفرد عصرہ فی الکلام ولسان الواعظ ودوّن الناس حکمہ، وجمعوا کلامہ“۔ یعنی ابن سمعون بلحاظ زبان آوری اور پند و نصائح کے اپنے عہد کے یکتائے زمانہ تھے۔ لوگوں نے اُنکے کلمات حکمت آیات کو لکھا اور نقل کیا احمد

ابن عبد المومن تریسی نے اُن کی تعریف میں اور بہت سے کلمات لکھے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاید ابن سمعون کا ایسا کوئی شخص دنیا میں نہیں ہوا۔ جلال الدین جوزی نے ابن سمعون کی بہت کچھ تعریف کرکے لکھا ہے کہ اُن کو لوگوں نے الشیخ الناطق بالحکمت کا خطاب دے رکھا تھا یعنی ایسے بزرگ جو حکمت کی باتیں فرمایا کرتے ہیں۔

ان کی پیدائش کی صحیح تاریخ نہیں معلوم مگر اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ ایک ایسے وقت میں جب تیسری صدی ہجری تمام ہوئی اور چوتھی صدی شروع ہوئی تھی دارالسلام بغداد میں پیدا ہوئے اُسی مبارک اور مشہور شہر میں نشو و نما پایا اُس کی فضا میں کھیل کھیل کے سن تمیز کو پہونچے۔ مشہور ہے کہ بچپن ہی میں اُن کے بشرے سے لیاقت اور سعادت مندی کے آثار ظاہر تھے۔ اہل بصیرت اُن کی صورت دیکھتے ہی کہدیا کرتے تھے کہ یہ ہونہار بچہ کسی عہد میں اعلیٰ درجۂ کمال کو پہونچے گا۔

ابو بکر اصفہانی جو شیخ شبلی کے خادم خاص تھے کہتے ہیں ایک روز شیخ شبلی جامع بغداد میں بیٹھے تھے اور میں بھی موجود تھا کہ اتفاقاً ابن سمعون جن کا ابھی بچپن تھا سامنے آکے گذرے۔ ابن سمعون اُن دنوں اس قدر کم عمر تھے کہ بچوں کی ایسی ٹوپی سر پر تھی۔ اور شرارت اس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ شیخ شبلی کے سامنے سے ہو کے نکلے مگر سلام تک نہیں کیا۔ شبلی نے اُن کی صورت دیکھکے ذرا تامل کیا اور میری طرف متوجہ ہو کے کہنے لگے تمہیں کچھ معلوم بھی ہے کہ اس لڑکے میں کیسے کیسے اوصاف کا ذخیرہ جمع کر دیا گیا ہے؟ ابو بکر اصفہانی خود ہی بیان کرتے ہیں کہ شیخ شبلی کا یہ جملہ مجھے ہمیشہ یاد رہا یہاں تک کہ وہ زمانہ آگیا جب ابن سمعون کی شہرت و ناموری دنیا بھر میں مشہور تھی۔

ابن سمعون ایک ایسے شہر میں پیدا ہوئے تھے جہاں علم کے صدہا چشمے بہہ رہے تھے اور تمام شائقان علوم کو دور دور سے کھنچ کے وہاں سے آتے تھے۔ لہذا تقدیر نے اُن کے ساتھ اتنی ہمدردی کی کہ انہیں طلب علم میں کہیں دور کا سفر نہ کرنا پڑا۔ اُن کے طالبعلمانہ سفر اسی پر محدود رہے کہ ایک محلہ سے نکل کے دوسرے محلے میں چلے گئے۔ مگر بغداد میں بھی کسی خاص استاد کے دامن سے وابستہ نہیں رہے بلکہ ہر صاحب درس کے

آگے کتاب کھول کے بیٹھے اور ہر چشمے سے سیراب ہوئے فن حدیث میں عبداللہ ابن ابوداؤد سجستانی ابو عبداللہ بن محمد محفہ دوری۔ احمد بن محمد بن سلم مخزی سے باکمال حاملان احادیث نبوی کے شاگرد ہیں۔ ذوق تصوف بھی دل میں تھا۔ اگرچہ بچپن کی ناسمجھی نے کسی عہد میں شیخ شبلی کو سلام کرنے کی بھی اجازت نہیں دی تھی لیکن آخر ایک ایسا عہد آیا کہ تصفیہ باطن کے شوق نے انہیں بزرگ کی خدمت میں پہونچایا۔ انھوں نے شیخ شبلی کا آخری عہد پایا۔ لیکن طبیعت ایسی مناسب پائی تھی کہ تھوڑی ہی صحبت میں بہت کچھ فیض حاصل کر لیا تھا۔ علامہ ابن سمعون چونکہ ایک بہت بڑے واعظ او معجز بیان ہونے والے تھے۔ لہذا انکی طبیعت بچپن ہی سے اُدھر کا رُخ دکھا رہی تھی۔ وہ واعظ جنھوں نے دار الخلافہ بغداد کی اعلیٰ محفلوں اور صحبتوں میں پند و نصائح کے دروازے کھول رکھے تھے۔ اور جن کی شیوا بیانی کی دھوم ہو رہی تھی۔ اُن کی صحبتوں میں ہمیشہ اپنے طبعی میلان سے جاتے تھے اور اُن کی زبان سے جو جملے نکلتے تھے۔ اُن پر اس حیثیت سے غور کرتے تھے کہ یہ کیونکر مؤثر ہو گئے اور جو جو باریکیاں اور نکات اُن کی تقریر سے ظاہر ہوتے تھے اُن کو مستحضر کر لیا کرتے تھے۔ اور اسی کا نتیجہ تھا کہ اُنکی شیوا بیانی کی شہرت ایسی غالب ہوئی کہ کہ یہ باوجود تمام علوم میں کمال رکھنے کے ایک اعلیٰ درجے کے اسپیکر ہی مشہور ہوئے اور تقریر سے دلوں پر اثر ڈالدینے کی شہرت نے اور سب اوصاف کو دبا دیا۔ حتی کہ ابوالقاسم حریری نے رسے کے ایک واعظ کی تعریف میں ابن سمعون کا نام اس طرح لیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شیوا بیانی اور طلاقت لسانی میں ضرب المثل ہو گئے تھے۔

مراۃ الجنان میں ابن سمعون کا ایک عجیب واقعہ لکھا ہے۔ یعنی ابن سمعون ابتدائے عہد میں نہایت پریشان حال تھے۔ لہذا وہاں کے محتاج اور غربت زدہ فقرا میں انکا بھی شمار تھا لیکن اس پریشان حالی کے زمانے میں یہ لوگوں سے خیرات اور صدقات نہیں لیتے تھے بلکہ کتابت پر بسر اوقات کرتے تھے۔ اکثر کتابیں اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے اور اُن کو بغداد کے علمی بازاروں میں فروخت کر لیا کرتے تھے۔ ایک ضعیف اور فلاکت زدہ ماں زندہ تھی جنکی خدمت گزاری اس طرح کرتے تھے کہ گویا جو کچھ کماتے تھے صرف اُسی کے لئے

ورنہ اصل میں اپنا پیٹ وہ ہر طرح پال سکتے تھے اس کے علاوہ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ابن سمعون نے صرف ماں کی خدمت گزاری کے لئے اپنے بہت سے طبعی شوق فنون کو دبا رکھا تھا ذوق علم نے جو اُنکا قدم سفر کی منزلوں تک نہ پہونچنے دیا اس کی وجہ شاید وہی ضعیف ماں تھی۔ ایک دن بیٹھے ماں سے باتیں کر رہے تھے باتیں کرتے ہی کرتے کچھ دینی ذوق نے ایسا جوش پیدا کیا کہ ماں سے کہنے لگے "اماں جان مجھے حج اور زیارت بیت اللہ کا شوق ہے۔ اگر آپ اپنے اس ذلیل بیٹے کو سفر حج کی اجازت دیتیں تو مجھ سے جس طرح فقر و فاقہ سے بنتا مکہ معظمہ کا عازم ہوتا اور وعدہ کرتا ہوں کہ خانہ کعبہ میں اور نیز ہر مقام مقدس میں جس کی زیارت کی مجھے عزت حاصل ہوتی نہایت آپ کو یاد کرتا۔ اور آپ کی طرف سے مغفرت اور نجات کی دعائیں مانگتا" ماں نے یہ خیال سن کے شدت سے انکار کیا اور کہا "ابن سمعون بھلا یہ کیونکر ممکن ہے۔ اول تو اس مصیبت و افلاس میں تجھ سے سفر کیونکر کیا جائے گا۔ اور اگر بالفرض تو چلا ہی گیا تو بتا میری زندگی بسر ہونے کی کون صورت ہے جب تک تو آئے آئے میرا کام افلاس میں تمام ہو جائیگا" ماں کی زبان سے یہ جواب سُن کے ابن سمعون خاموش رہے اور ڈر گئے کہ ایسا نہ ہو اماں جان زیادہ خفا ہو جائیں۔ اتفاقاً اُسی وقت اور اُسی صحبت میں بیٹھے بیٹھے اُن کی ماں کی آنکھ لگ گئی۔ تھوڑی ہی دیر اس ضعیفہ پر عالم غنودگی طاری رہا ہو گا کہ یک بیک وہ چونک پڑی۔ اور اُٹھتے ہی جو پہلا جملہ اُس کی زبان سے نکلا یہ تھا کہ "بیٹا ابن سمعون سفر حج کا سامان کر میں ہرگز نہیں روکتی ہوں" ابن سمعون نے پوچھا "اماں جان کیوں؟ کیا ہوا جو آپ نے یوں یک بیک مجھے اجازت دیدی اور نہ میرے مصائب سفر کا خیال کیا اور نہ اپنی تنگ حالی کو دیکھا" ماں نے جواب دیا کہ "بیٹا۔ ابھی جو میری آنکھ لگ گئی تو میں نے خواب میں جناب رسول اللہ صلعم کے جمال پاک کی زیارت کی اُنھوں نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اے خدا کی بندی اپنے بیٹے کو ایسی دولت سرمدی اور ایسے ارادہ نیک سے کیوں روکتی ہے۔ اُسے فوراً اجازت دے۔ اس لئے کہ اس کے لئے دینی اور دنیاوی دونوں بھلائیاں اس سفر پر منحصر ہیں۔ بھلا اب رسول اللہ صلعم کی زبان مبارک سے سُن کے میں کیونکر تجھے

روک سکتی ہوں۔ بس اب تو سفر کے لئے آمادہ ہو۔ مجھ سے جس طرح بنے گا اپنی بسر کرونگی،
اماں کی زبان سے اس خواب کا حال سُن کے ابن سمعون پر عجب حالت طاری ہوئی۔
اور پھر اُس کے ساتھ نہایت درجہ خوش ہوئے کہ حضرت رسالت پناہ صلعم کے حکم سے
میں سفر حج کروں گا۔ الغرض جوش میں آکے اُسی وقت کھڑے ہوئے۔ دو چار کتابیں
جو لکھی رکھی تھیں اُن کو ہاتھ میں لیا اور بازار میں جا کے جس قیمت کو بکیں فوراً بیچ ڈالا اُنکی
قیمت لا کے ماں کو دی اور کہا جب تک بن سکے آپ اس تھوڑی سی رقم پر اپنی زندگی بسر
کیجئے میں۔ جاتا ہوں۔ یہ کہہ کے خیر باد کہی اور حاجیوں کا جو قافلہ مکہ معظمہ جاتا ہے اُسکے
ہمراہ پا پیادہ روانہ ہوئے۔ ابھی ظالم اور بُری قسمت نے ساتھ نہیں چھوڑا تھا اُن کی
شومی قسمت اور سب اہل قافلہ پر بھی اثر کر گئی وہ عظیم الشان اور لق ودق صحرا جو عراق سے
مغربی سواحل عرب تک چلا گیا ہے اُس میں دیگر شدائد عرب کے علاوہ یہ بہت بڑی
مصیبت پڑی کہ صحرائی بدوؤں نے قافلہ کو لوٹ لیا ہر مسافر کے پاس جو کچھ مال و اسباب
نکلا ہر ہر شی چھین لیا یہاں تک کہ سب اہل قافلہ سے کپڑے تک اتروا لئے۔ ابن سمعون
بیچارے کے پاس کیا تھا لیکن لٹیروں نے انہیں بھی نہیں چھوڑا۔ کپڑے اُتار لئے اور بالکل
برہنہ صحرا میں چھوڑ دیا۔ خود کہتے ہیں کہ میں وہاں ننگا مادرزاد پھر رہا تھا اور انگل بھی کپڑا نہ تھا
جس سے ستر عورت کرتا۔ قافلہ والے بھی سب اسی طرح لٹ گئے تھے۔ آنا فانا میں نے دیکھا
کہ ایک شخص ہاتھ میں ایک عبا لئے کھڑا ہے۔ میں اُس کے قریب گیا اور کہا "آپ میری حالت
ملاحظہ فرمائیے اور مجھ پر ترس کھائیے،، اُنھوں نے وہ عبا مجھکو دیدی۔ میں نے اسکو پھاڑ کے
دو حصوں پر تقسیم کیا۔ ایک کو کمر میں لپیٹ لیا اور ایک کو کندھے پر ڈال لیا۔ خیر لٹے مارے اہل
قافلہ آگے روانہ ہوئے۔ قافلہ میں اور لوگوں کو تو خیر کچھ کھانے پینے کو مل جاتا تھا مگر میرا یہ
عالم تھا کہ فاقہ پر فاقہ ہوتے تھے جب زیادہ شدت گرسنگی ہوتی تو اسوقت جبکہ قافلہ کے لوگ
کھانا کھانے کو بیٹھتے میں اُن کے سامنے جا کے کھڑا ہو جاتا۔ وہ ترس کھا کے ایک آدھ ٹکڑا روٹی
کا میری طرف پھینکدیتے۔ میں شکریہ ادا کر کے لے لیتا اور اُسی پر زندگی بسر کرتا اس فقیری کے
عالم میں بھیک مانگتا ہوا میں اُس مقام پر پہونچا جہاں سے اہل بغداد احرام باندھا کرتے

تھے۔ انہیں دونوں کپڑوں سے انہیں خوب دھوکے اور پاک و صاف کر کے میں نے احرام کا کام لیا۔ بہرحال جس طرح بنا میں نے حج کرکے خدا کا شکر ادا کیا کہ مجھے ایسے کار خیر کی توفیق دی۔ چند روز وہیں رہا بنی شیبہ میں سے ایک شخص جس کے قبضہ میں خانہ کعبہ کی کنجیاں تھیں ریں ایام قیام مکہ میں ایک روز اس کے پاس گیا اور اپنا حال بیان کیا۔ اسکو میرے حال پر بہت کچھ افسوس معلوم ہوا۔ اسکے متاثر ہونے پر مجھے اتنی جرأت ہوئی کہ میں نے کہا "آپ سے اتنی درخواست کرتا ہوں کہ چونکہ خانہ کعبہ آپ کے اختیار میں ہے۔ لہذا مجھے کوئی ایسا موقع دیجئے کہ تنہا میں ہی اندر جا کے خلوت میں خدا سے کچھ دعا مانگوں۔ اسنے وعدہ کیا اور ایک روز جب سب لوگ خانہ کعبہ سے نکل چکے تھے اس نے مجھے اندر داخل کرکے دروازہ بند کر لیا مجھے یہ نہایت عمدہ موقع ملا تھا میں نے نہایت خشوع و خضوع سے درگاہ باری تعالیٰ میں دعا مانگنا شروع کی اور اس عالم بیخودی میں میری زبان سے یہ کلمات نکلے "دبار آلہا تو میرے فقر و فاقہ اور افلاس کا حال بخوبی جانتا ہے کچھ اس کی ضرورت نہیں کہ میں اپنی زبان سے عرض کروں مجھے اپنے خوان کرم سے ایسا کچھ مرحمت کر کہ سوا تیرے اور کسی کا محتاج نہ رہوں" ادھر یہ کلمات میری زبان سے نکلے ادھر سنا کہ کوئی اور شخص کہہ رہا ہے "یا اللہ یہ شخص دعا میں غلطی کرتا ہے۔ اس کو ایسی ہی زندگی ملے کہ کبھی معاش کی طرف سے اطمینان نہ ہو"۔ یہ آواز سن کے میں چاروں طرف حیرت سے دیکھنے لگا۔ مگر کوئی شخص نظر نہ آیا۔ میں پھر خدا کی طرف متوجہ ہوا اور دعا میں وہی الفاظ کہے اور پھر وہی آواز آئی۔ دیکھا تو کوئی نہ تھا۔ تین دفعہ ایسا ہی اتفاق ہوا۔ خیر میں نے چنداں خیال نہ کیا اور خانہ کعبہ سے باہر نکل آیا اور مکہ معظمہ چھوڑ کے میں نے عراق کی راہ لی۔

طائع لللہ خاندان حضرت عباس سے خلیفہ بغداد تھا۔ اس نے اتفاقاً اسی زمانہ میں اپنی ایک بڑی جمال لونڈی کو کسی سبب سے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا لیکن اسے خوف ہوا کہ اگر لونڈی یونہیں گھر سے نکالدی جائے گی تو خوف ہے کہ بے عصمت ہو جائے۔ لہذا مشیروں سے صلاح پوچھی۔ ایک مشیر نے کہا ابن سمعون واعظ عنقریب حج سے واپس آیا چاہتا ہے۔ بہتر ہوگا کہ امیر المومنین اس لونڈی کو اس کے سپرد کر دیں اور شرط کر لیں کہ ابن سمعون اس کے ساتھ

نکاح پڑھا دے۔ اس صورت میں لونڈی بھی باعصمت رہے گی اور ابن سمعون بھی خوش ہو جائیگا
خلیفہ بغداد نے اس رائے کو پسند کیا۔ الغرض میرے بغداد میں داخل ہوتے ہی آستان خلافت
میں چند صلاح کار لوگ جمع کئے گئے۔ جنھوں نے میرے ساتھ اُس لونڈی کا عقد کر دیا۔
اور بہت سے مال واسباب اور دولت وسامان کے ساتھ اُسے میرے گھر پر بھیجدیا۔

یہی زمانہ ہے جس وقت سے ابن سمعون دولت مند ہو گئے۔ اُن کا اعتقاد تھا کہ
یہ اُن کی والدہ محترمہ کے اُس خواب کی تعبیر ہے۔ واعظ کی صحبتوں اور پند ونصائح کی محفلوں میں
ہمیشہ اس واقعہ کو موثر الفاظ سے بیان کر کے خدا کا شکر ادا کیا کرتے تھے اور لوگوں کو بتایا کرتے
تھے کہ خداوند تعالیٰ کیوں کر اپنے بندوں کے ساتھ بلطف ومحبت پیش آیا کرتا ہے آخر عہد میں
ابن سمعون کے زہد وتقدس نے انہیں اس مرتبہ کمال پر پہونچا دیا تھا کہ یافعی کا بیان ہے
اُس عصر کے مشہور علماء قاضی ابو بکر اور شیخ ابو بکر حامد جو خود بھی رؤسائے اسلام میں سے
تھے اور نامورانِ بغداد میں تھے ابن سمعون کی خدمت میں بکمال ادب حاضر ہوتے تھے اُن کے
ہاتھوں کو چومتے تھے اور اس کو اپنی اعلیٰ سعادت خیال کرتے تھے۔ بلکہ بعض بعض اس زمانہ
کے نامور زاہدوں نے اُن کے مقابل میں ایسے ایسے واقعات بیان کئے ہیں کہ صاف ظاہر
ہوتا ہے کہ ابن سمعون اسلامی پبلک میں اپنے تمام ہم عصروں سے زیادہ مقبول تھے اور بعض وقائع
جو اُن کے فضائل میں لوگوں نے بیان کئے ہیں اُن میں مبالغہ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس میں شک
نہیں کہ علامہ ابن سمعون جتنے بڑے واعظ تھے اتنے ہی بڑے ولی اللہ اور عالم بے بدل
بھی تھے۔ ان کی بہت سی کرامتیں بھی عوام میں مشہور ہیں۔ جن کو اُن کی لائف سے آج کل کے مذاق
میں بہت کم تعلق ہے۔ لہذا ہم اُنسے درگذر کرتے ہیں۔

لیکن اس میں شک نہیں کہ انھوں نے اپنی زبان کو اس قدر موثر بنا لیا تھا کہ بعض
موقعوں پر اُنکے بیان کی تاثیر خرق عادت کا دھوکا دے جاتی تھی۔

ابو علی ہاشمی کہتے ہیں طائع للہ کا غصہ خاندان عباس کے سب لوگوں سے بڑھا
ہوا تھا۔ اور اُس کے غصے سے کوئی شخص مشکل نجات پا سکتا تھا۔ ایک مرتبہ اُس نے مجھے حکم
دیا کہ ابن سمعون کو لاکے ابھی حاضر کرو۔ چہرے سے غصہ کے آثار ظاہر ہوتے تھے جس سے مجھے

خوف ہوگیا کہ دیکھئے ابن سمعون پر کیسی گذرتی ہے۔ میں ابن سمعون کے پاس گیا اور اُنہیں اپنے ہمراہ آستانہ خلافت میں لے گیا۔ اور خلیفہ سے عرض کیا کہ ابن سمعون حاضر ہیں۔ خلیفہ نے اپنے سامنے بلا لیا۔ ابن سمعون جاتے ہی آداب شاہی بجا لائے۔ اور پند و نصائح کا سلسلہ شروع کر دیا۔ زبان کھولتے ہی اُنہوں نے کہا روی عن امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، یعنی حضرت علی سے روایت ہے۔ ایک روایت تمام ہوئی تو دوسری روایت بھی حضرت علی ہی کی سند سے شروع کی۔ آخر تک جتنی روایتیں بیان کیں سب کی سند حضرت علی ہی تک پہونچتی تھی اور اُن کے مضامین سے دل پر ایسی رقت طاری ہوتی تھی کہ بیان سے باہر ہے۔ طائع للہ کا دل موم ہو گیا۔ اور اُس نے رونا شروع کیا۔ یہاں تک کہ رومال جو خلیفہ کے ہاتھ میں تھا بالکل تر ہو گیا اس کے بعد ابن سمعون نے زبان روکی اور خاموش ہو گئے۔ اور ایک مشک کا ڈبہ مجھے دیا۔ اور اشارہ کیا کہ خلیفہ کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کرو۔ میں نے اُس ہدیہ کو خلیفہ کے سامنے رکھدیا۔ اب ابن سمعون سلام کرکے جانے لگے میں محل خلافت کے دروازے تک اُنہیں پہونچانے گیا۔ اور نہایت حسن عقیدت سے دروازے پر میں اُن کو رخصت کرکے خلیفہ کے حضور میں واپس آیا۔ اب تنہائی میں میں نے خلیفہ سے دریافت کیا کہ یا امیر المومنین ابن سمعون کے آنے سے پہلے حضور کے چشم و ابرو سے آثار غیظ و غضب نمایاں تھے لیکن اُن کے آتے ہی سب باتیں جاتی رہیں اور حضور نہایت مہربانی اور رحم دلی سے پیش آئے۔" خلیفہ نے جواب میں فرمایا کہ رونالائق اور چغل خوروں نے مجھ سے کہا تھا کہ ابن سمعون جناب علی مرتضٰی کی شان میں بے ادبی کے کلمات کہا کرتا ہے۔ اسی وجہ سے غضبناک ہو کے میں نے اُسے بلا بھیجا تھا۔ مگر اسوقت جو وہ آیا تو اُس نے ابتدا سے آخر تک جتنی روایتیں بیان کیں سب جناب علی مرتضٰے سے اور ہر موقع پر اُن کا نام اس تعظیم سے لیا کہ مجھے معلوم ہو گیا لوگوں نے جو کچھ کہا جھوٹ تھا اور حسد پر مبنی تھا۔ اور ابن سمعون کے عقائد میں کسی قسم کا فرق نہیں ہے۔"

۳۶۶ھ میں عضد الدولہ دیلمی نے ایک لشکر جرار ہمراہ لے کے ارادہ کیا کہ ملک عراق پر قبضہ کرکے اور بغداد کی جانب روانہ ہو۔ عز الدولہ بختیار ابن معز الدولہ کو جب یہ خبر پہونچی تو اُس کو اپنی نجات اسی میں نظر آئی کہ بغداد کو چھوڑ کر موصل کی راہ لی۔ عضد الدولہ نے جب

بغداد میں داخل ہوکے سُنا کہ عزالدولہ نے بھاگ کے موصل کی پناہ لی ہے تو اُس طرف کا قصد کیا۔ اور فوراً چل کھڑا ہوا۔ بختیار نے موصل میں اپنی فوجیں بھی آراستہ کیں اور مقابلہ کو میدان میں آیا۔ حوالی موصل میں دونوں فوجوں کا سامنا ہوا۔ بختیار نے اگرچہ بڑی کوششیں کیں مگر اسکو کیا کرتا کہ تقدیر برسر خلاف تھی۔ جس نے پہلے ہی سے دل کو بودا بنا دیا تھا۔ لڑائی میں انجام کار عضدالدولہ کے بڑھتے ہوئے حوصلے کام آئے اور عزالدولہ بختیار اُس کے ہاتھ میں گرفتار ہوکے جان سے مارا گیا۔

عضدالدولہ نے اس کامیابی کے بعد تمام ملک عراق پر قبضہ کرلیا۔ بغداد پہونچا تو خلیفہ بغداد نے اُس کی نہایت تعظیم و تکریم کی۔ جڑاؤ طوق اس کی گردن میں ڈالا اور سونے کے کڑے ہاتھوں میں پہنا دیے۔ جو شاہی عزت افزائی کا طریقہ تھا۔ اور اُسکو وہ نشان مرحمت ہوا جو سوا ولیعہدوں کے اور کسی کو مل ہی نہیں سکتا تھا۔ خیر جب عضدالدولہ شان و شوکت کے ساتھ تخت عراق پر جلوہ افروز ہوا اُسوقت حکم دیا کہ بغداد کے تمام گلی کوچوں میں ڈھنڈورا پٹوا دیا جائے کہ آئندہ سے کوئی واعظ صحابہ اور یاران رسُولِ خدا کے فضائل علی الاعلان نہ بیان کیا کرے جو کوئی بغرض حصول ثواب بیان کیا کرتا ہو اُسکو ثواب حاصل کرنے کا اور طریقہ اختیار کرنا چاہیئے وہ قرآن مجید کی تلاوت کرے۔ اور اُس بے ریا عبادت کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلعم کی رضامندی حاصل کرے تعریف صحابہ سے تعصب بڑھتا ہے اور آتش فساد بھڑک اُٹھتی ہے۔ اور جو کوئی اس حکم کی تعمیل نہ کرے گا وہ قتل کر ڈالا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عضدالدولہ کی فتح مندی سے پہلے ملک عراق میں مابین شیعہ اور سُنیوں کے صرف مذہبی بنا پر جھگڑا پیدا ہو گیا تھا۔ در اصل یہانتک طول کھینچا تھا کہ دونوں طرف کے صدہا آدمی جان سے مارے گئے۔ جوار بغداد کے بہتیرے گاؤں میں آگ لگا دی گئی۔ اور رعایا کا اس قدر مال و اسباب لٹ گیا کہ بیان سے باہر ہے۔ عضدالدولہ نے اس جھگڑے کا سبب دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ ساری خونریزی اور بربادی صرف واعظوں کی بدولت ہوئی جو مسجدوں کے ممبر و منبر پر بیٹھ کے لوگوں میں اشتعال طبع اور جوش و خروش پیدا کراتے تھے۔ اور نیز ان داستان گویوں کی وجہ سے جو سڑکوں پر اور گلی کوچوں میں

مذہبی فساد کو تیز کرتے تھے۔ اس دور میں اور قدیم عرب سے داستان گوئی کا زیادہ رواج تھا۔ اور داستان گو اپنی فصیح و بلیغ تقریروں سے جس مسئلہ کو چاہتے تھے نہایت جوش کے ساتھ ملک میں پھیلا دیا کرتے تھے۔ ہمارے داستان کہنے والوں کی طرح اُن کی غرض صرف افیونیوں کا خوش کرنا نہیں ہوتی تھی۔ اُن قصہ خوانوں اور اُس عہد کے واعظوں ہی کی یہ کارروائی تھی کہ صحابۂ کرام کے مناقب اور فضائل بیان کر کے اُنھوں نے تمام عراق میں ایسی برہمی پیدا کر دی کہ ملک میں امن و امان قائم رکھنا سلطنت کے اختیار سے باہر ہو گیا۔ عضدالدولہ نے اسی وجہ سے ممانعت کر دی کہ ایسے خلاف قانون مجمع آیندہ مسجدوں اور نیز سڑکوں اور گلی کوچوں میں نہ ہونے پائیں۔ اتفاقاً ابن سمعون نے اس سرکاری حکم کی مخالفت کر کے جامع بغداد میں نہایت آزادی سے واعظ میں بہت کچھ فضائل صحابہ کرام بھی بیان کیے۔ یہ خبر عضدالدولہ کو پہونچی تو نہایت برہم ہوا اور اپنے مقربان دولت میں سے ابوالثنار کو حکم دیا کہ ابن سمعون کو لا کے حاضر کرے۔ خود ابوالثنار کا بیان ہے کہ عضدالدولہ کے حکم کے بموجب میں نے علامہ ابن سمعون کو آدمی بھیج کے اپنے مکان میں بُلایا۔ وہ آئے تو مجھے اُن کی صورت پر کچھ ایسا جلال اور ایسی ہیبت نظر آئی کہ بے اختیار اُنکی تعظیم و تکریم کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا اور اُن کو اپنے برابر بلا کے بٹھایا۔ رسم مزاج پُرسی کے بعد میں نے کہا "جناب والا بادشاہ عضدالدولہ کو لوگوں نے آپ کی شکایتیں کر کے نہایت برہم کر دیا ہے۔ اور آپکو معلوم ہے کہ وہ کیسا سخت گیر اور کتنا بڑا سخت دل بادشاہ ہے آپ اُسکے دربار میں تشریف لیجائیں تو پہلے جاتے ہی نہایت عاجزی اور ادب سے آستان بوسی فرمائیے۔ اور شاہی تعظیم و تکریم میں کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھیئے گا۔ اور پورے حضور دل سے خدا کیطرف متوجہ ہو کے نجات اور عفو کی دعا مانگیئے گا۔ شاید خداوند تعالیٰ جل شانہ آپ کو ایسے شیر غضب آلود کے پنجہ ستم سے نجات دلا دے"۔ یہ سُن کے ابن سمعون نے کہا "والخلق والامر کلہ للہ"۔ یعنی سب اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ یہ جواب پا کے میں نے ابن سمعون کو اپنے ہمراہ لیا اور دربار کو روانہ ہوا۔ در دولت پر پہونچ کے میں نے اُن سے کہا آپ دم بھر یہاں ٹھہریئے میں آپ کی اطلاع کر کے حاضری کی اجازت لے آؤں لیکن ہاں دیکھیے میں نے جو کچھ کہا ہے اس کا خیال ضرور رکھیئے گا۔ اس سے

میری غرض یہ تھی کہ ایسے فاضل گراں پایہ اور عالم بے بدل کو عضدالدولہ کے ہاتھ سے کوئی صدمہ نہ پہونچ جائے۔ غرض تمام باتیں علامہ ممدوح کے ذہن نشین کرکے میں چھپا ہوا اندر گیا۔ وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ ابن سمعون میرے برابر کھڑے ہوئے ہیں اور جو کچھ میں نے کہا تھا گویا ان سب باتوں کو انہوں نے یا تو لغو خیال کیا یا بھول گئے کیونکہ نہ تو آستانہ بوسی کی نہ کوئی شاہی تعظیم و تکریم بجا لائے۔ بلکہ بختیار جس کو عضدولہ نے قتل کرکے حکومت عراق حاصل کی تھی اُس مکان کی طرف اشارہ کرکے یہ آیت پڑھی وَکَذٰلِکَ اَخْذُ رَبِّکَ اِذَا اَخَذَ الْقُرٰی وَهِیَ ظَالِمَةٌ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ۔ یعنی وہ گاؤں جن میں ظلم ہوتا تھا جب اُن کو خدا کا غضب لے لیتا ہے تو ایسا ہی کرتا ہے۔ خدا کا مواخذہ کیا دردناک اور سخت ہے۔ اس کے بعد عضدالدولہ کی طرف متوجہ ہو کے کہا ثُمَّ جَعَلْنٰکُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ اس کے بعد ہم نے اُن کی جگہ تم کو وارث تاج و تخت کیا تاکہ دیکھیں تم کیا کارروائی کرتے ہو۔ اُسکے بعد ابن سمعون نے جو پند و نصائح کا دروازہ کھولا۔ اور اپنی زبان معجز بیان کے جوہر دکھانا شروع کئے تو یہ عالم تھا کہ کل اہل دربار اور خود عضدالدولہ پر ایک بیہوشی اور ازخود رفتگی کا عالم طاری ہو گیا میں نے عضدالدولہ کو کبھی رحم سے کام لیتے نہیں دیکھا تھا اور گویا رقت قلب کہیں چھو بھی نہیں گئی تھی لیکن ابن سمعون کے بیان نے یہ اثر کیا کہ اُسنے رومال اپنی آنکھوں پر رکھ لیا اور زار و قطار رونے لگا۔ ابن سمعون دیر تک سب کو اسی عالم میں چھوڑ کے یکایک ہم لوگوں کے درمیان سے غائب ہو گئے۔ وہ سارے دربار کو بیخودی کی حالت میں چھوڑ کے بغیر اجازت لئے نکل چلے گئے اور ہم کو خبر بھی نہ ہوئی کہاں سے چلے گئے میرے مکان میں بیٹھ رہے کچھ دیر کے بعد جب عضدالدولہ اپنے ہوش میں آیا تو اُس نے میری طرف متوجہ ہو کے حکم دیا کہ جاؤ خزانے سے تین ہزار درہم اور دس جوڑے خلعت گراں بہا لو اور ابن سمعون کو میری طرف سے دو۔ اگر وہ لے لیں تو فوراً قتل کر ڈالنا اور اگر انکار کریں تو کہنا اچھا یہ ان کو اپنے احباب اور غرباے اسلام پر تقسیم کر دیجئے۔ ابو النصر کہتے ہیں کہ اس حکم نے مجھے نہایت ہی تشویش میں ڈالدیا اس لئے کہ مجھے خوف معلوم ہوا کہیں ایسا نہ ہو ابن سمعون ان چیزوں کو اپنے نام سے قبول کر لیں اور مجھے ایسے علامہ عصر کے قتل کا مرتکب ہونا پڑے۔ الغرض میں درہم اور

جناب امیر المومنین علی مرتضے رضی اللہ عنہ کے کلام ہدایت نظام میں بھی یہی کلمات موجود ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس معجز نما خیال کو ان بزرگ نے حضرت علی ہی سے لیا۔ آخر زمانے نے اپنے معمول کے موافق چاہا کہ اس دور کا ورق اُلٹ دے جس میں ابن سمعون کا ایسا نامور واعظ موجود تھا۔ ابن سمعون کے مرنے کا غم شاید دنیا کو مدتوں رہا ہوگا۔ اسلئے کہ وہ اُن علماء میں نہ تھے جو گھر میں بیٹھ کے صرف اتقا کے ذریعہ سے خلق اللہ کو نیک راہ بتاتے تھے۔ وہ ایک ایسے باکمال شخص تھے کہ اُن کی آتش زبانی نے ہر دل میں ایک آگ لگا دی تھی ساری دنیائے اسلام اُنکی معتقد تھی۔ وہ روزانہ پبلک کے اسٹیج پر نظر آیا کرتے تھے اور اُن کے جوہر علم کے کمالات عام لوگوں پر ہمیشہ ظاہر ہوتے رہتے تھے۔ آہ! کیا ہوا ہوگا جب یک بیک پند و نصائح کا دروازہ بند ہو گیا ہوگا۔ اور وہ ممبر جو اُن کا معمولی جلوہ گاہ تھا خالی نظر آیا ہوگا۔

لیکن زمانے کو ان خیالات سے کیا تعلق۔ چاہے کچھ ہو جائے مگر وہ وہی کرتا ہے جو ہمیشہ سے کرتا آیا ہے ۳۸۷ھ میں ذیقعدہ کا نصف ہی مہینہ گزرنے پایا تھا کہ ابن سمعون نے انتقال کیا۔ یہ سانحہ خاص شہر بغداد میں واقع ہوا۔ جامع منصور میں اُنکے جنازے پر نماز پڑھی گئی اور نعش اُسی مکان میں دفن کر دی گئی جس میں وہ سکونت پذیر تھے لیکن خدا جانے کس ضرورت سے اُس کے چالیس برس بعد پنجشنبہ ۱۱ رجب ۴۲۶ھ میں لوگوں نے اُن کی لاش کو وہاں سے کھود کے نکال لیا اور باب الحرب میں امام احمد بن حنبل کے مقبرہ کے نزدیک لیجا کے دفن کر دیا۔ یہ امر بہت زور دے دے کے اُنکے فضائل میں بیان کیا جاتا ہے کہ چالیس برس کے بعد جب اُنکی لاش کھود کے نکالی گئی تو اُس میں کسی قسم کا تغیر نہیں ہوا تھا۔ جسم درکنار کفن کا کپڑا تک ویسا ہی ستھرا اور صاف تھا۔ سڑنا اور گلنا کیسا۔ بہر حال چالیس برس کے بعد اُنکی تربت بدل دی گئی اور اس دنیا نے انہیں انتظار قیامت میں بھی ایک حالت پر نہ پڑنے دیا۔

اُن کی تصانیف میں صرف کتاب المجالس کا پتہ لگتا ہے۔ اس کتاب کے ذریعے سے اُنہوں نے اپنی اصلی شان یعنی وعظ و نصائح کی کیفیت دکھائی ہے لیکن افسوس یہ

خیال اکثر اہل علم میں مشہور ہے کہ وعظ ونصیحت کرنیوالے روایت کو بیان کر دیتے ہیں لیکن اُنکو اُسکے عیوب اور صحت واصلیت سے کوئی بحث نہیں رہتی۔ بس اسی غفلت نے شاید اُن کی کتاب مجالس میں بھی نقصان پیدا کر دیئے۔ اس لئے کہ کہا جاتا ہے اُس میں کوئی حدیث اور کوئی روایت صحیح نہیں ہے۔ افسوس کہ واعظوں کی یہ شان آج تک باقی ہے اور گویا وہ اس امر کے مکلف ہی نہیں ہیں کہ روایات کی جانچ پڑتال کریں۔

وعظ کہنے والوں کو اُسوقت نہیں معلوم ہوتا کہ ان ضعیف یا موضوع روایات کے بیان کرنے سے کیا نقصان ہوا۔ لیکن چند روز کے بعد وہ روایات عام پبلک میں ایک مضبوط قدم پکڑ لیتی ہیں اور پھر اُن سے عملی نتائج پیدا ہونے لگتے ہیں اور وہی اعمال ایسے ہیں جن کا نام عرف میں بدعت رکھا گیا ہے۔ شاید لفظ بدعت سے بہت لوگ چونک پڑینگے۔ اور انھیں خوف ہو جائیگا کہیں وہابی بدعتی کی بحث تو نہیں چھیڑ دی گئی نہیں وہ بحث نہیں چھیڑی گئی ہے ہمیں اس مقام پر کوئی خاص مذہبی پارٹ لینا نہیں منظور ہے لیکن دنیاوی حیثیت سے اور نیز اخلاقی معاملات میں دیکھئے تو وہاں بھی ایسی ہی خرابیاں مجرد اسوجہ سے پیدا ہو گئیں کہ ہر گروہان ملک اور ریفارمروں نے بے احتیاطی سے اور بے سوچے سمجھے گذشتہ ناموروں کے واقعات بیان کر دیئے۔ آپ غور کرکے دیکھئے تو آپکو معلوم ہو کہ عام دنیا کیا بہ لحاظ اخلاق اور کیا بہ لحاظ مذاہب اسی قسم کی ضعیف الاعتقادیوں میں مبتلا ہے۔ ہم کسی قدر آزادی سے کام لے کے صاف بیان کر دینا چاہئے کہ باوجود سخت احتیاطوں اور بکثرت قیود کے ایسی ہی ضعیف روایتوں کی وجہ سے نہ کوئی مذہب اپنی اُسی حالت پر باقی رہا جس پر کہ بانی مذہب نے اُس کی بنا ڈالی تھی۔ اور نہ کوئی اخلاقی اصول قائم رہ سکا جو بہ لحاظ مناسبت زمانہ کے مخدوش نہ نظر آتا ہو۔

لیکن اس سے یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ وہ لوگ جنھوں نے ابتداءً ممبر پر بیٹھ کے ایسی روایتیں بیان کیں اُن کی غرض اس بیان سے کسی قسم کی بدنیتی تھی۔ وہ صرف اسقدر چاہتے تھے کہ لوگوں کے دل میں دینی ذوق وشوق پیدا کرنے کے لئے جس قدر زیادہ موثر اور نئی روایت ملے اُسی قدر بہتر اور مناسب ہوگا۔ اُنھیں یہ خبر نہ تھی کہ نتائج

میں ایسے امور ظاہر ہوں گے۔ اگرچہ سلف سے لیکے آج تک طبقہ محدثین کے تمام لوگوں نے پوری احتیاط سے کام لیا۔ لیکن اُن کی کوششیں محدود رہیں۔

ابو بکر خطیب بغدادی

ابو بکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد بن مہدی بن ثابت بغدادی مشہور مورخ بغداد خدا تعالیٰ رحمت کرے عجیب و غریب فضل وکمال کے بزرگ تھے اُن کے تبحر کو زمانے ہی نے نہیں تسلیم کر لیا بلکہ اس نے ہر شخص کو تسلیم کرا دیا کہ وہ حافظ الحدیث تھے۔ اور روایتوں کے نقل کرنے اور وسعت نظر کے اعتبار سے وہ اپنے ہی عہد میں نہیں ہر عہد کے لوگوں کی نظر میں اعجوبۂ روزگار اور بے مثل و بے بدل شخص تھے۔ راویوں کی جانچ پڑتال اور نقد رجال میں اُن کا رتبہ اس پایہ پر ہے کہ متاخرین ہر امر میں اُن کے فیصلوں پر اعتبار کرتے ہیں۔

ابن سمعانی نے اُن کی تعریف میں فرمایا ہے کہ وہ اپنے عہد میں یا متاخرین میں اُس مرتبہ کے فاضل و علامہ تھے جس مرتبہ کو فقہائے قدیم اور ائمہ سلف نے حاصل کر لیا تھا وہ بہت بڑے صاحب خلق اور صاحب رعب تھے۔ سچائی اور راستبازی میں اس آزادی سے کام لیتے تھے کہ اُنھوں نے جو کچھ اپنی تصانیف میں تحریر فرمایا وہ علی الاتفاق سب کے لئے حجت ہو گیا۔ ایک محدث تھے کہ نیز باعتبار نقل روایات نیز بلحاظ خوبی خط اور نیز بکیفیت قوت حافظہ اور یادداشت زمانہ میں نامور تھے جو کچھ بیان کرتے تھے اُسکو نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ بیان کرتے تھے۔ خدا نے خلق و مروت اور خوبصورتی و زیبائی صورت دونوں باتوں میں اُنہیں کمال بخشا تھا۔ علم حدیث کا اُن پر خاتمہ ہوا اور حفاظ حدیث کا سلسلہ اُن پر منقطع ہو گیا۔"

۲۴ ربیع جمادی الثانی ۳۹۲ھ میں جمعرات کے روز دارالسلام بغداد میں پیدا ہوئے اور اسی مبارک و مشہور شہر کے سواد میں نشو و نما پائی۔ جب کھیل کود کا ابتدائی زمانہ اور بچپن کی آزاد اور دلچسپ زندگی گذر گئی اور کچھ رشد و تمیز کے سن میں قدم رکھا تو مکتب میں آئے اور عام مسلمان لڑکوں کی طرح سعادت دارین سمجھ کے قرآن مجید پڑھنے لگے۔ قرأت

کے تمام اصول کے ساتھ کلام پاک آلہی کو پڑھ کے نحو صرف اور زبان عرب میں لیاقت حاصل کرنے کیطرف متوجہ ہوئے۔ شیخ ابو اسحق ابراہیم بن عقیل قرشی جنکو عام پبلک نے "مکبر نحوی،، کا خطاب دے رکھا تھا۔ اُنکے شاگردوں میں شامل ہوئے۔ نحو و صرف کے قاعدے اُن سے حاصل کئے اور علم فقہ میں بصیرت پیدا کرنے کے لئے قاضی ابوالطیب طبری اور شیخ ابوالحسن محاملی اور دیگر فقہائے معروف کی خدمت میں حاضر ہو کے زانوئے شاگردی تہ کیا ۴۰۳ھ میں جب کہ ہنوز گیارہ ہی برس کی عمر تھی علم حدیث نے اُس نو عمر اور ہونہار بچے کو اپنی خوبیوں کا فریفتہ کر لیا۔ علم حدیث ایک ایسا علم تھا جس پر تمام کمالات علم منحصر خیال کئے جاتے تھے۔ اور جمہور فضلائے اسلام نے اپنی لیاقت کا اظہار اسی فن شریف میں معرکہ آرائیاں کر کے کیا ہے۔ علم حدیث میں خطیب بغدادی کو اُس کم سنی ہی کی عمر میں کچھ ایسی لذت حاصل ہوئی کہ وہ عہد جب کہ انسان کو سوا کھیل کود کے کچھ نہیں سوجھتا اُس کی ساری دلچسپیاں انھیں بھول گئیں۔ کلام پاک رسول اللہ صلعم کے ذوق نے گیارہ بارہ برس ہی کی عمر میں خطیب بغدادی کو دنیا کی تمام لذتوں اور راحتوں کا مزہ بھلا دیا تھا۔ کبھی شب و روز میں ایسی گھڑی نہ آتی تھی جس کو وہ نو عمر عاشق قول رسول سوا حدیث کے کسی اور کام میں صرف کرتا ہو حتی کہ کہتے ہیں اگر کسی خانگی اور ضروری کام کے لئے انہیں مجبوراً گھر سے نکلنا بھی پڑتا تھا تو کتب احادیث کا کوئی جزو ہاتھ میں لیتے چلتے تھے تاکہ راستہ میں اُسے یاد کرتے جائیں۔

مشہور محدث ابن جوزی خطیب بغدادی کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس ذوق و شوق کا یہ نتیجہ ہوا کہ خطیب ممدوح تمام علمائے بغداد کے فیض افادت سے تھوڑے ہی دنوں میں بے پروا ہو گئے۔ اور اس مرکز دار الخلافت بنو عباس کے علمی خزانوں میں جو کچھ تھا سب حاصل کر لیا۔ آخر شوق علم اور اُس کی بے چینی نے بغداد چھڑا دیا۔ وطن مالوف کا چھوٹنا تھا کہ یہ عالم ہو گیا جہاں اور جس شہر میں کسی نامی عالم اور حافظ حدیث کا نام سنتے اُس کی صحبت سے فائدہ حاصل کرنیکے لئے

روانہ ہوتے مدت تک خاک بصرہ پر مقیم رہے اور ایک عرصہ تک سواد نیشاپور کی ہوا کھاتے رہے۔ کچھ دنوں اصفہان میں قیام کیا۔ حتیٰ کہ مختلف اُستادوں اور شیوخ سے حاصل کرکے اپنی روایتوں اور سندوں کو نہایت ہی مضبوط کر لیا جب اس امر میں اطمینان حاصل ہو لیا تو کشش وطن نے اُنھیں کھینچ کے پھر بغداد پہنچایا کچھ دنوں وطن میں قیام رہا۔ اعزہ واقارب صحبت سے تھوڑا ہی لطف اُٹھانے پائے تھے اور یار و آشنا کو اُن کی دوستی سے زیادہ نفع حاصل کرنے کا موقع نہ ملا تھا کہ شوق علم کا جوش پھر دماغ میں پیدا ہوا۔ اور سفر کی تیاریاں کر دیں وہ ممالک جو بغداد سے مشرق کی جانب واقع ہیں اُن کی آب و ہوا کا تو پہلے سفر میں امتحان کیا تھا اس مرتبہ جو وطن سے قدم نکالا تو مغرب کی طرف روانہ ہوئے اطراف شام کو دنیائے علم میں بہت کچھ شہرت حاصل تھی۔ عراق سے ملک کے پہلا ملک شام ہے جو وہاں سے مغرب کی جانب واقع ہے۔ لہٰذا خطیب بغدادی سرزمین شام میں پہونچے کچھ دنوں دمشق میں رہے۔ کچھ دنوں شہر صور کے لوگوں نے لطف صحبت اُٹھایا

عمر نسوی کہتے ہیں جن دنوں خطیب بغدادی شہر صور میں تھے اتفاقاً وہاں کی جامع مسجد میں ایک روز مجھ سے اُن سے ملاقات ہوئی۔ میں اُن کی صحبت میں بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں ایک علوی شخص آیا۔ اُس کی آستین[1] میں کچھ دینار تھے جن کو لا کے اس نے خطیب ممدوح کے سامنے رکھدیا اور عرض کرنے لگا کہ دو شہر کے فلاں رئیس نے یہ دینار بطور نذر آپ کی خدمت میں بھیجے ہیں اور عرض کیا ہے کہ ان کو آپ اپنے حوائج ضروریہ میں صرف کیجیے۔" ابو بکر خطیب نے لاپروائی سے جواب دیا "مجھے ان کی کچھ ضرورت نہیں،، اُس علوی نے یہ جواب سُن کے کہا،، شاید آپ ان دیناروں کو تھوڑا خیال کرکے نہیں قبول فرماتے۔ بہتر تو لیجیے اور بھی حاضر ہیں" یہ کہکے اُس نے آستین جو جھاڑی تو چھنا چھن بہت سے دینار گر پڑے اور اس جانماز پر پھیل گئے جو

[1] ہمارے ہاں جو کام جیب سے لیا جاتا ہے اُن ممالک میں آستین سے لیا جاتا ہے۔ ہمیشہ اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ آستین عرب و شام و عراق وغیرہ کی جیب ہے

خطیب صاحب کے نیچے بچھی ہوئی تھی۔ اور اُن دیناروں کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا لیجیے یہ تین سو دینار ہیں۔ ان کو قبول فرما کے اپنے امورِ ضروریہ میں صرف کیجیے۔"
اتنا سننا تھا کہ ابوبکر خطیب کو غصہ آگیا۔ جھلا کے اُٹھ کھڑے ہوئے اپنی جانماز اُٹھا کے جھاڑ دی۔ وہ تمام دینار مسجد کی چٹائی پر اِدھر اُدھر بکھر گئے۔ اور خود مسجد سے نکل کے اپنے فرودگاہ کا راستہ لیا۔ وہ علوی ذلیل ہو کے رہ گیا۔ نسوی کہتے ہیں کہ میں نے اپنی زندگی میں نہ کسی کو اتنا برہم اور مستغنی دیکھا جس قدر کہ اُس وقت مجھے خطیب بغدادی نظر آئے اور نہ میں نے کسی کو اتنا نادم اور ذلیل دیکھا جس قدر کہ اُس وقت وہ علوی تھا۔ اُس بیچارے نے آخر بیٹھ کے وہ دینار چٹائی کے تنکوں سے نکالے اور اپنے دل میں خود اپنے اوپر نفرین کرتا ہوا چلا گیا۔

جس زمانہ میں ابوبکر کا صور میں قیام تھا بیت المقدس کی زیارت کے لئے اکثر چلے جایا کرتے تھے۔ اور وہاں عبادتِ آلہی اور وظائف مسنونہ میں زیادہ سرگرمی دکھاتے تھے۔ اُنھیں دنوں اتفاق سے اُس قافلہ کا صور میں ہو کے گذر ہوا جو سرزمین شام سے حاجیوں کو مکہ معظمہ لئے جاتا تھا۔ علامہ ممدوح کا ایسا پرجوش دیندار اور آزاد منش شخص کیونکر اُس مقدس و مبارک قافلہ کا ساتھ چھوڑ سکتا تھا۔ اُن کے دل میں بھی زیارت بیت اللہ کا شوق ہوا اُس قافلے کے ہمراہ عازم زیارت بیت اللہ شریف ہوئے۔ مدینہ سے احرام حج باندھا اور شرف حج سے ممتاز ہوئے۔ مناسکِ حج سے فراغت کرنے کے بعد ایک روز اتفاقاً چاہ زمزم پر گذر ہوا۔ اُس کی صورت دیکھتے ہی یاد آیا کہ رسول اللہ صلعم نے اس پانی کی نسبت فرمایا ہے "ماءُ زمزم لما شرب له"، یعنی زمزم کا پانی جس غرض کے لئے انسان پیئے اللہ جل شانہ اُس غرض کو پورا کر دے گا۔ پیغمبر صلعم کے اس وعدہ حق کا یاد آنا تھا کہ دل کی ساری آرزوئیں اور تمنائیں یک بیک اُبھر پڑیں۔ یہی مقام اس راستباز اور دیندار عالم کی نفسانی حالتوں کے اندازہ کرنے کا ہے۔ اگر اس مقام پر اور کوئی شخص ہوتا تو اُسکی خواہش ہمارے عام خیال کی بنا پر یا تو دولتمندی سے متعلق ہوتی یا کسی حورِوش کے وصال کی تمنا ہوتی اور خاص حالتوں میں بھی کسی نہ کسی دنیاوی ہی

امر کی آرزو کرتا۔ لیکن ابو بکر بغدادی نے اس موقع پر کھڑے ہوکے تین چلو آب زمزم کے پئے اور ہر چلو پی کے ایک دعا کی۔ اوّل یہ کہ میں ایک نہایت ہی مکمل اور مسلم الثبوت تاریخ بغداد لکھ سکوں۔ دوسری میں بغداد کی سب سے اعلیٰ درجہ کی اور مشہور جامع مسجد جامع منصور میں احادیث و روایات کا درس دوں۔ تیسری میرے مرنے کے بعد مجھے دفن ہونے کے مقبرہ بشر حافی میں جگہ ملے۔ خدا اپنے پاک بندوں کی دعا قبول ہی کرتا ہے۔ چنانچہ خطیب بغدادی کی یہ تینوں دعائیں قبول ہوئیں جس زمانہ میں ابوبکر بغدادی بیت اللہ شریف کی زیارت کو تشریف لے گئے تھے اُسی زمانے میں مشہور زمانہ محدث ابو عبد اللہ محمد بن سلامہ جن کی طرف ساری دنیا کا مرجع تھا وہ بھی بغرض حج تشریف لائے ابو بکر بغدادی کو یہ موقع غنیمت معلوم ہوا اُن کے سامنے ادب سے جا کے بیٹھے اور شاگردی کی درخواست کی اُنہوں نے قبول کیا اور بہت سی روایات احادیث اُنکو سنائیں اور اجازت دی۔

تعلیم نسوان اُس عہد میں ترقی پر تھی اور جس طرح مردوں میں اساتذہ فن اور اہل کمال موجود تھے۔ اُسی طرح بڑی بڑی باکمال عورتیں بھی موجود تھیں چنانچہ کریمہ بنت احمد بن ابی حاتم اس عصر کی مشہور محدثہ اور مدرسہ تھیں۔ اور اس کمال کی محدثہ کی خطیب بغدادی کے ایسے تنبیہی اور اعلیٰ درجہ کے طالب علم کو اُن سے درس لینے کا شوق ہوا۔ کریمہ ممدوحہ نے بھی تمام دنیاوی تعلقات چھوڑ کے مجاورت حرم محترم اختیار کر لی تھی اور جن دنوں خطیب بغدادی مکہ معظمہ میں تھے اُنھیں دنوں وہ بھی وہاں موجود تھیں۔ ابو بکر بغدادی اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صحیح محمد بن اسماعیل بخاری علیہ الرحمۃ جو صحیح بخاری کے نام سے مشہور ہے اُسکو اول سے آخر تک کریمہ کی خدمت میں پڑھ کے سند حاصل کی۔

اس تکمیل کے بعد ابو بکر بغدادی نے مکہ معظمہ سے سفر کر کے وطن مالوف دار السلام بغداد کی راہ لی۔ اب جو بغداد میں پہنچے تو اُن کے تبحر اور وسعت کا یہ عالم تھا کہ جمہور محدثین میں سے کوئی شخص اُن کی برابری کا دعوٰی نہیں کر سکتا تھا ابن ماکولا جو خود بھی بہت بڑا مستند و معروف محدث ہے کہتا ہے دار السلام بغداد کو دارقطنی کے بعد پھر خطیب کا ایسا کوئی محدث نہیں نصیب ہوا۔ ابن ماکولا ہی پر کیا منحصر ہے۔ تمامی علمائے اسلام جو بعد گذرے

سب خطیب بغدادی کی مدح سرائی میں انتہا سے زیادہ زور قلم دکھا رہے ہیں۔

ابوبکر بغدادی اس دفعہ جو اپنے وطن مالوف دارالسلام بغداد میں آئے تو خوب جم کے رہے اور بے شک اُنھیں اپنے وطن سے بڑی محبت تھی۔ اِس سے زیادہ کیا ہوگا کہ اُسکی ایک مکمل تاریخ لکھنے کے لئے اُنھوں نے ماءِ زمزم پی کے حضرت رب العزت میں دعا کی تھی۔ اُس کے علاوہ اِس مرتبہ اہل بغداد نے انہیں گذشتہ ایام کی طرح ایک طالب علم نہیں پایا بلکہ اب وہ ایک علامۂ زمان اور محدثِ دوران تھے۔ بغداد میں ابوبکر کو جو اطمینان کے ساتھ رہنے کا موقع ملا تو اُنھوں نے تاریخ بغداد لکھنا شروع کردی۔ اسلامی تواریخ میں یہ کتاب نادرِ بے مثل اور نہایت ہی مستند و معتمد ہے اس تاریخ میں ابتدائے اسلام سے اُس عہد تک جب کہ خطیب ممدوح نے اپنی کتاب لکھی۔ تمام حالات بغداد و اطراف بغداد درج ہیں۔ کل علماء۔ مشاہیر۔ اہل دول اور دیگر اقسام کے باکمال لوگوں کے حالات نہایت تفصیل سے لکھے ہیں۔ احادیث کے سلسلہ میں جن رجال کے نام آئے ہیں اُن کا بھی بخوبی پتہ لگایا ہے۔ فقہاء اور محدثین میں سے ہر ایک کے نام و نسب کو خوب واضح طور پر بتایا ہے۔ پھر اُن لوگوں کے حالات سے بحث کی ہے جو دیگر اطراف عالم سے آکے بغداد میں سکونت پذیر ہو گئے اُن کی زندگی کے واقعات کو بھی خوب عمدگی سے بتایا ہے۔ اُن لوگوں کی تصنیفات کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ یہ تاریخ دس جلدوں میں ہے اس تاریخ کو اُنھوں نے اپنی زندگی ہی میں پھیلا دیا تھا۔ اور اپنے عہد کے مشہور ائمہ فن کو دکھا کے ثابت کر دیا ہے کہ گویا تمام پبلک نے اُس کتاب پر اعتبار کر لیا۔ اور واقعی تاریخ خطیب بغدادی ایسی مقبول ہوئی کہ اسلامی عہد کے تصنیفات میں سے بہت کم کتابوں کو وہ مقبولیت عامہ نصیب ہوئی ہوگی۔ ابوسعید سمعانی اور محب الدین ابن بخار وغیرہ کے ایسے مشہور زمانہ علمائے اسلام نے اُس تاریخ پر اضافہ کر کے ضمیمہ اور ذیل بڑھائے۔

یاقوت حموی کا بیان ہے کہ اتفاقاً خطیب بغدادی کو چند اوراق ہاتھ لگے جن میں وہ روایات لکھی ہوئی تھیں جو خلیفۂ وقت بامر اللہ عباسی کو دیگر اساتذہ سے پہونچی تھیں۔ اُن اوراق کو ہاتھ میں لیکر خطیب ممدوح دارالخلافت کے دروازے پر گئے

اور خلیفہ کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ "ابوبکر آستانِ دولت پر حاضر ہے اور علم حدیث کو حضور سے حاصل کرنا چاہتا ہے" حاجب نے جب خلیفہ کی خدمت میں یہ پیغام عرض کیا تو خلیفہ نہایت ہی متحیر ہوا اور خطیب صاحب کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ "آج آپ تمام عراق و شام بلکہ ساری دنیائے اسلام میں باعتبار نقل روایات و تبحر علمی کے مشہور ہی نہیں بے مثل مانے جاتے ہیں مجھ سے آپ کی کوئی ایسی غرض نہیں متعلق ہو سکتی۔ آپ کا جو کام ہو اُسکو صحیح صحیح بلا تامل ارشاد فرمایئے" یہ سُن کے ابوبکر بغدادی نے کہا "ہاں اس تمہید سے میری اور غرض تھی حضور کو معلوم ہے کہ میں نے اپنی ساری عمر علم حدیث پڑھنے پڑھانے میں صرف کی ہے اور اسی کے متعلق میں نے مشہور اور مستند اُستادوں کے سُن سُن کے بہت سے فوائد اور نکات اپنے ذہن کے خزانے میں فراہم کر رکھے ہیں۔ اب اُنکے رواج دینے اور پھیلانے کی ضرورت ہے۔ میں امیرالمومنین سے صرف اس قدر چاہتا ہوں کہ مجھے جامع منصور میں حدیث کا درس دینے کی اجازت دی جائے تاکہ وہاں ایک نہایت ہی عمدہ علمی محفل مرتب کر کے میں قول رسول کو اُس کے سچے مستحقوں تک پہونچاؤں۔ ابوبکر کی اس درخواست کو خلیفہ قائم بامر اللہ نے قبول کیا اور اُنہوں نے جامع منصور میں ایک اتنی بڑی محفل علمی مرتب کی جس کی شہرت دُور دُور تھی اور جسکو زمانہ اور شائقان علم ہمیشہ یاد کرتے رہیں گے۔ ابوبکر بغدادی کی دو دعائیں تو پوری ہو چکیں۔ تیسری دعا باقی ہے۔ اگرچہ اُن کا کوئی دوست اُس دعا کی مقبولیت سے ڈرتا ہو گا مگر خدا اپنے اُس مقبول بندے کی دعا کو قبول کرے گا۔

بغداد میں ابوبکر کو اس قدر شہرت ہوئی کہ آخر میں وہ خطیب بغداد مقرر ہوئے جو اُن دنوں ایک بہت بڑا اعلیٰ عہدہ تھا۔ اس منصب پر ممتاز ہونے کی یہ وجہ تھی کہ اُن سے اور وزیر رئیس الرؤسا علی بن حسین بن محمد سے نہایت دوستی تھی۔ وہ ان کی بہت زیادہ قدر و منزلت کرتا تھا۔ جو اعتماد وزیر مذکور کو اس نامور اُستاد اکمل اور سند الوقت عالم کے ساتھ تھا اس کا آخر میں یہ نتیجہ ہوا کہ وزیر نے عام طور پر حکم دیدیا کہ کوئی قصہ خوان اور کوئی واعظ کسی روایت و واقعہ کو نہ بیان کرے جب تک اُسکو علامہ

ابو بکر بغدادیؒ کے سامنے پیش کرکے سند نہ لے لے۔ اتفاقاً اسی عہد میں ایک یہودی صاحب پیدا ہوئے جنھوں نے ایک کاغذ وزیر مذکور کے سامنے لاکے پیش کیا۔ اسکی عبارت سے معلوم ہوتا تھا کہ خاص رسول اللہ صلعم کے سامنے وہ کاغذ لکھا گیا۔ اسمیں لکھا تھا کہ آنحضرت علیہ السلام نے خیبر کے یہودیوں کو جزیہ معاف کردیا۔ اور اس پر بہت سے جلیل القدر صحابہ کے دستخط تھے۔ اُس یہودی کا دعوےٰ تھا کہ یہ ایک عہدنامہ ہے جو رسول اللہ صلعم نے یہود خیبر کے ساتھ کیا تھا اور جناب علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس دعوے نے تمام علمائے بغداد میں ایک تشویش پیدا کردی اس لئے کہ سلطنت پر اس کا بہت بُرا اثر پڑتا ہے اور یہود سے جزیہ اور محاصل معاف ہوئے جاتے ہیں اور اسوقت تک اسلامی دنیا کیا باعتبار سلطنت اور کیا باعتبار رعایا اسلام کی مطیع و منقاد تھی۔ الغرض رئیس الرؤسا نے گھبرا کے خطیب بغدادی کو لکھا یہ ایک ایسا خیال تھا کہ جس کی وجہ سے تمام دنیائے اسلام کو ایک حرکت ہوگئی تھی۔ اور اگر خطیب بغدادی غور کرکے اُس کی اصلاح نہ کرتے تو کوئی شک نہیں کہ شرع اسلامی میں ایک بہت بڑا رخنہ پڑ جاتا۔

وہ کاغذ جب خطیب بغدادی کے پاس پہونچا تو اُنھوں نے کسی قدر غور کرکے فرمایا وہ رئیس الرؤسا کا زور افزوں ہو۔ اور یہ کاغذ جعلی ہے اور یہ یہودی بے ایمان اور دغا باز ہے۔ اس نے حضرت رسول اور یاران رسول پر تہمت باندھی ہے۔ وہی صحابہ جنکی شہادت اس کاغذ پر لکھی ہے اُن میں سے دو کے مقدس نام کاغذ کے جعلی ہونیکا ثبوت دے رہے ہیں۔ اول تو معاویہ رضؓ بن ابی سفیان کی شہادت لکھی ہے لیکن خیال کرنے کی بات ہے کہ غزوہ خیبر ۷ھ میں ہوا ہے۔ حالانکہ اسوقت تک معاویہ کا شمار مشرکین میں تھا۔ اور ۸ھ میں جب کہ مکہ فتح ہوا اُسوقت ایمان لائے۔ دوسری شہادت سعد بن معاذ کی ہے جنھوں نے غزوہ خندق کے زمانے میں یعنی ۵ھ میں انتقال فرمایا۔ پھر وہ غزوہ خیبر کے وقت جو ۷ھ میں ہوا کیونکر موجود ہو گئے۔ ان دو باتوں سے صاف ظاہر ہے کہ یہ کاغذ جعلی ہے۔ اور بنایا ہوا ہے" یہ تقریر سن کے وزیر کو

نہایت ہی مسرت ہوئی اور بے اختیار چلا کے کہہ اُٹھا واہ رے ابوبکر تم پر ہزار آفریں کہ مجھے اس جعلساز دغاباز کے فریب سے بچالیا۔ اس کے بعد وزیر رئیس الرؤسا کو ابوبکر خطیب کی نسبت حسن اعتقاد بڑھتا ہی گیا۔ اور اُس کے ساتھ روز بروز دونوں میں ربط ضبط اور اُنس ومحبت کو بھی ترقی ہوتی گئی ایک ایسے بااختیار رئیس کے معتقد ہوجانے کی وجہ سے اُنکی مرجعیت بھی زیادہ ہونے لگی اور اُن کا مرتبہ بھی عام پبلک کی نظر میں بہت باوقعت ہو گیا اور آخر اُسی نے اُن کے نام خطابت بغداد کا فرمان جاری کیا۔ اور خطاب خطیب جو اُنکے نام کے ساتھ قیامت تک چلا جائے گا اُس کی بنا رہی وزیر رئیس الرؤسا تھا۔

ابوبکر بغدادی نے چونکہ علم کو بڑے مصائب اور بے انتہا مشقتوں کے ساتھ حاصل کیا تھا۔ لہذا اُن کے دل میں علم اور طالبان علم کی بڑی قدر تھی مشہور ہے کہ اکثر اپنے تلامذہ اور عموماً طلبا کے بسر اوقات کا نہایت خیال رکھا کرتا تھا۔ اور کوئی شاید امرائے شہر سے سفارش کر دیتا ہو مگر وہ اپنی جیب خاص سے طالب علموں کی خبرگیری کرتے رہتے تھے۔ مگر یہ تمام باتیں نہایت مخفی طور پر عمل میں آتی تھیں۔

ابوزکریا تبریزی جو مشہور لغوی ہے اُس کا بیان ہے کہ جن دلون خطیب بغدادی کے تبحر اور کمالات کا شہرہ تمام اطراف عالم میں پھیلا ہوا تھا میں دارالسلام بغداد میں بطور طالب علمی کے داخل ہوا۔ اور اُنکی درسگاہ میں گیا۔ چونکہ جیسے اُستاد کو میں ڈھونڈھتا تھا۔ خطیب ممدوح مجھے ویسے ہی بلکہ اُس سے بدرجہا بڑھ کے نظر آئے۔ لہذا میں نے اُن کا دامن اس مضبوطی سے پکڑا کہ ہزار جو زمانہ ہوئے مگر نہ چھوڑا۔ روز اُن کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا اور اُن کی تعلیم وتقریر سے فائدہ حاصل کرتا تھا۔ اُس زمانے میں جامع بغداد کے مینار کے نیچے ایک حجرہ میں رہا کرتا تھا۔ ایک دن اُسی حجرہ میں بیٹھا مطالعہ دیکھ رہا تھا کہ کیا دیکھتا ہوں کہ جناب اُستاد حضرت خطیب تشریف لاتے ہیں کھڑے ہو کے میں نے تعظیم کی اور نہایت عزت سے بٹھایا۔ فرمانے لگے "میں تم سے ملنے کا نہایت مشتاق تھا ہمیشہ آنے کا ارادہ کرتا تھا۔ مکروہات زمانے سے مہلت نہ ملتی تھی" اس کے بعد ادھر اُدھر کی

باتیں ہوتی رہیں۔ آخر فرمانے لگے دو بھائیوں اور دوستوں کی خدمت میں ہدیہ اور تحفہ لیجانا شریعت اسلامیہ میں نہایت ہی عمدہ کام ہے۔ اور اس امر میں بہت سی احادیث اور خبریں مروی ہیں۔ صرف اُن حدیثوں کی تعمیل کرنے کے لئے میں کچھ تھوڑی سی رقم آپ کو ہدیۃً وتحفۃً دینے کے لئے لیتا آیا ہوں تاکہ آپ اُسے اپنے مصارف قلم ودوات وغیرہ کے میں صرف کریں،، یہ کہہ کے کاغذ کی ایک بہت بڑی پڑیا میرے سامنے رکھدی اور اُٹھ کے چلے گئے۔ اُن کے جانے کے بعد میں نے کھول کے دیکھا تو اس کاغذ میں پانسو درہم لپٹے ہوئے تھے۔ اسی طرح ابوزکریا لغوی کہتے ہیں کہ ہو نہیں ایک مرتبہ اور میں اپنے حجرہ میں تھا کہ خطیب ممدوح تشریف لائے اور ایک کاغذ لپٹا ہوا رکھ کے فرمانے لگے،، اس رقم کو تم قبول کرو۔ احادیث رسول اللہ لکھنے کیلئے تمکو کاغذ کی ضرورت خواہمخواہ ہوگی اسی رقم سے کاغذ منگوانا،،

ابوبکر بغدادی کی خطابت اور شہرت وناموری کے عہد میں بغداد ایک بہت بڑے فتنہ وفساد کا مرکز بنگیا تھا۔ ایک اسلامی شہر میں جہاں کسی غیر مذہب کی حکومت کا کسی قسم کا اثر نہیں پہونچ سکتا تھا وہاں سوا سُنی اور شیعہ کے تنازعات کے اور کون فساد ہو سکتا ہے ہم اُس ہنگامہ روح فرسا کے مختصر حالات بھی نقل کئے دیتے ہیں تاکہ ہمارے شہر کے سُنی اور شیعہ اس ہنگامہ کو دیکھ کے عبرت پکڑیں۔ ایران کے تاجروں میں سے کسی سوداگر کے پاس ایک ہوشیار اور لائق غلام تھا۔ ابوالحارث ارسلان بساسیری اُس سوداگر سے اس غلام کو بہاؤالدولہ بن عضدالدولہ دیلمی نے خرید کرلیا۔ چونکہ ترکی ہوشیار چالاک۔ اور خوش سلیقہ تھا لہذا شاہی مہربانی اُس کی نسبت روز بروز بڑھتی گئی۔

ہوتے ہوتے اتنا بڑا شخص ہوگیا کہ تمام امور ملکی اور کل پولیٹکل معاملات میں سے کوئی امر بے اُس کے مشورے کے اجرا نہ پاتا تھا۔ آخرالامر وہ بغداد کا ایک بہت بڑا رکن اور صاحب اثر شخص ہوگیا۔ لیکن یہ ظاہر ہو کہ اگر ایک غلام کو بہت بڑی ترقی ہو جائیگی تو وہ خواہمخواہ جامۂ انسانیت سے گذر جائے گا۔ اس مرتبہ پر پہونچ جانے کا یہ نتیجہ ہوا کہ القائم بامراللہ خلیفہ عباسی کے ناموروزیر رئیس الرؤسا سے حسد کرنے لگا اور انکی خرابی

کے درپے ہو گیا۔ رئیس الرؤسا نے اُسے دبانا چاہا تو وہ اور اُبھرتا گیا حتیٰ کہ خود خلیفہ کی اطاعت چھوڑ کے بغاوت پر آمادہ ہو گیا اور بغداد چھوڑ کے علاقہ سواد کی راہ لی۔ اور اہل بغی کی طرح اطراف و جوانب میں فساد کی آگ بھڑکانے لگا بہت سے گاؤں میں آگ لگادی اور اکثر مقامات تباہ و برباد کر دیئے۔ خلیفہ نے بڑی چاہا کہ وہ راضی ہو کے بغداد چلا آئے اور ان ہتھکنڈوں سے دست بردار ہو مگر اُس نے ایک نہ مانی۔ بلکہ اپنے پاس بہت سی فوجیں مرتب کر لیں اور قزاقی سے ملک گیری کی حیثیت میں آگیا اور اب یہاں تک نوبت پہونچی کہ بلاد عراق کے اکثر ممبر و منبر خطبہ میں خلیفہ کے نام کے بعد اُس کا نام پڑھا جانے لگا۔

خلافت کی فوج اس فتنہ کے فرو کرنے کیلئے کافی نہ معلوم ہوئی اور یہ بھی یقین تھا کہ عربوں سے اس امر میں کچھ مدد نہ مل سکے گی۔ لہذا خلیفہ نے چاہا کہ سلطان طغرل بیگ سلجوقی کے ذریعے اس فتنہ کو دفع کرائے۔ دارالخلافت بغداد کے فرمان کے بموجب سلطان طغرل بیگ بغداد میں آپہونچا۔

طغرل بیگ کا نام سُنتے ہی بساسیری کے دل میں لرزہ پڑ گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ میں ایسے قوی سلطان کا مقابلہ ہرگز نہیں کر سکتا۔ اب اُسنے اور منصوبہ ٹھہرایا۔ وہ یہ کہ مصر میں خلفائے بنی فاطمہ کا دور دورہ ہے۔ اُنکی قوت بھی ترقی پر ہے اور وہ بنی عباس کے پورے حریف ہیں۔ اُن سے اس امر میں اعانت لی جائے۔ لہذا عراق سے مصر میں گیا۔ اور رحبہ میں ٹھہر کے ایک عرضداشت خلیفہ المستنصر باللہ عبیدی کی خدمت میں روانہ کی۔ مستنصر باللہ اُس کی عرضداشت دیکھ کے نہایت خوش ہوا اُس کے نام رحبہ کی گورنری اور اپنی نیابت کا ایک فرمان بھیجکر بنو عباس سے مقابلہ کرنے کی تاکید کی۔ اور خلافت بغداد کے تباہ کرنے پر اسکو بہت کچھ آمادہ کیا اور مدد کا وعدہ کیا۔

اُدھر طغرل بیگ کا حال یہ ہے کہ اُس نے بہت سی جرار فوج کے ساتھ شرقی بغداد میں منزل کی۔ اور جمعہ کی نماز میں خطیب بغدادی نے خلیفہ بغداد کے حکم کے بموجب خطبہ میں خلیفہ القائم بامراللہ کے نام کے بعد طغرل بیگ کی ثنا وصفت بیان کی اور اُس کے بعد دولت دیالمہ کے پچھلے بادشاہ ملک رحیم کا نام لیا۔ اتفاقاً اُسی زمانہ

میں عوام بغداد اور طغرل بیگ کے ہمراہی ترکوں میں ایک ایسا سخت فساد ہو گیا کہ بہت سے ترک قتل ہو گئے۔ اور سلطان طغرل بیگ کی فوج کو بہت بڑا صدمہ پہونچگیا۔ اور بیشک اس کی وجہ صرف شیعوں کی زیادتی تھی۔ اس لئے کہ سلطان طغرل کے ہمراہی سُنی تھے۔ اور خاندان دیالمہ کے لوگ اور متعلقین عموماً شیعہ تھے جنکو طغرل بیگ کا آنا ناگوار گذرا اور یہی خیال خود سلطان کو بھی ہوا کہ خود ملک رحیم کے اشارہ سے یہ ساری خرابیاں ہوئیں اُس نے حکم دیدیا کہ دیلمی لوگوں میں جو کوئی ملے بے تامل قتل کر ڈالا جائے اور خلیفہ سے خود ملک رحیم کو طلب کیا۔ خلیفہ نے ملک رحیم کو بچانا چاہا۔ مگر طغرل بیگ کا ایسا غصہ نہ تھا کہ یونہیں فرو ہو جاتا۔ مجبوراً خلیفہ نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ ملک رحیم کو طغرل بیگ کے پاس بھیجا۔ ترکمانون کی نظر جیسے ہی ملک رحیم پر پڑی اُنھوں نے کسی کا بھی خیال نہ کیا اور فوراً ملک رحیم اور نیز ہمراہیان خلیفہ کو لوٹ لیا اور ملک رحیم کو قید کر لیا۔ اُسی وقت سے خاندان دیالمہ تباہ ہو کے گمنامی کے پردے میں غائب ہو گیا۔

ترکمانون اور بغداد کے عوام اہل سنت کو یہ موقع اُن کے جوش تعصب کے موافق ہاتھ لگا۔ اُنھوں نے تمام شیعوں پر دست ستم دراز کیا۔ بغداد کا محلہ کرخ جس میں عموماً دیالمہ اور شیعہ رہا کرتے تھے اُسکی چھتوں پر سے دیالمہ کا علم سبز گرا دیا اور بنو عباس کے عام معرکہ کے موافق سیاہ پھریرے اُڑا دیئے۔ قصہ خوانوں اور نقیبوں کو حکم دیا گیا کہ تمام کرخ میں فضائل خلفاء ثلثہ علی الاعلان بیان کریں الغرض شیعوں پر اس مرتبہ سخت ظلم وجور ہوا۔ اور اُن کی تباہی میں کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا گیا۔ ابو عبداللہ بن جلاب جو شیعوں کے بہت بڑے عالم اور مقتدا تھے اور باب الطاق واقع محلہ کرخ میں رہتے تھے قتل کر ڈالے گئے شیخ ابو جعفر طوسی صاحب استبصار جو اس فتنہ کے خوف سے بھاگ کے جزائر میں پناہ گزین ہوئے تھے اُن کے گھر میں آگ لگا دی گئی۔ اور اُن کا بیش قیمت کتب خانہ جلا کے خاک کر دیا گیا۔ جس کرسی پر بیٹھ کے وہ درس دیا کرتے تھے۔ اُس میں خاص آگ لگائی گئی یہ فتنہ اس حد سے بھی گذر گیا۔ حتی کہ کاظمین شریفین بھی لوٹ لئے گئے۔ اور اُن مقبروں میں بھی آگ لگ گئی جو خاندان دیالمہ

کے قدیم ناموروں کی قبریں کھدوا ڈالی گئیں۔ کہ سڑی گلی ہڈیاں بھی مل جائیں تو اُن سے انتقام لیا جائے۔ اُس کے ساتھ آل عباس سے قدیم نامور خلفا اور زبیدہ خاتون مقبروں کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا گیا۔ اگرچہ سنیوں کی اتنی زیادتی تھی مگر شیعہ بھی خاموش نہ تھے۔ اُنسے بنائے جو کچھ بنا بلا تامل وہ بھی کر گذرے۔ اُنہوں نے بھی علمائے اہل سنت کی اکثر قبروں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا۔ اور اکثر قبریں کھود ڈالیں۔

مگر واہ! اتفاقات زمانہ بھی عجیب چیز ہیں۔ ہمیشہ ایک نیا امر ایک نئے پہلو سے ظاہر ہوا کرتا ہے۔ اتفاقاً سلطان طغرل کو خبر پہونچی کہ اُسکے بھائی ابراہیم نیال نے بغاوت کی۔ اتنا سنتے ہی اُس نے سرزمین عراق کو چھوڑ کے ہمدان کی راہ لی سلطان طغرل بیگ اُدھر گیا کہ بساسیری گویا منتظر ہی بیٹھا تھا۔ وہ اپنی فوجوں کے ساتھ بغداد میں آ دھمکا۔ خلیفہ کو تو پناہ مل گئی مگر وزیر رئیس الرؤسا بساسیری کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا۔ بساسیری کو پورا گمان اُن گذشتہ مظالم کا رئیس الرؤسا ہی کی طرف تھا۔ اور عداوت تو تھی ہی۔ اُس نے نہایت ظلم کے ساتھ رئیس الرؤسا کو کوڑوں سے پٹوایا اور پھر اہل کرخ کے سپرد کر دیا کہ طرح طرح کے عذابوں کے ساتھ قید رکھیں۔ اُس کے ساتھ ہی حکم دیا کہ تمام دار الخلافت بغداد لوٹ لیا جائے۔ بغداد کی دولت کی کوئی انتہا نہ تھی۔ روپیہ۔ اشرفی۔ جواہرات۔ سونے۔ چاندی کے برتن لوٹ کے اسقدر جمع کئے گئے کہ اُن کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اسکے بعد بیچارہ وزیر رئیس الرؤسا پھر عذاب دینے کے لئے قید خانہ سے نکالا گیا۔ ذلت کے کپڑے پہنا کے اور اونٹ پر اُلٹا سوار کر کے وہ تمام شہر بغداد میں پھرایا گیا۔ تمام شیعہ جو سڑکوں پر تاخت و تاراج کرتے پھرتے تھے اُسکی صورت دیکھ دیکھ کے اُسے گالیاں دیتے تھے۔ اور وہ اسی ذلت کی حالت میں بیٹھا نہایت رضا و تسلیم کے لہجے میں یہ آیت بار بار پڑھتا تھا۔ قُلِ اللّٰھُمَّ مَالِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَاءُ الخ بعد ایک بیل کی کھال اُسکو پہنائی گئی۔ اور اُسی وضع سے اُسکو سولی دیدی گئی۔ تمام علمائے بغداد جو اہل سنت تھے اُنپر سخت آفت نازل ہو گئی۔ قاضی القضاۃ ابو عبد اللہ دامغانی پر تین ہزار دینار جرمانہ کیا گیا۔ اور زبردستی مستنصر باللہ فاطمی کی بیعت

لی گئی۔ علاوہ بریں بغداد کے تمام مشاہیر اور کل فقہا کی ذلت میں کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا گیا۔ ابو منصور بن یوسف اور ابو الحسین بن الغرلق اور دیگر اعیان دار الخلافت خصوصی شرفائے خاندان عباسیہ سے جبراً وقہراً مستنصر علوی کی بیعت لی گئی۔

خلیفہ بغداد القائم بامر اللہ گرفتار کر کے مہارش عجلی کے حوالہ کر دیا گیا تھا۔ اگرچہ اُس پر اُسی قید میں طرح طرح کی زیادتیاں تھیں۔ مگر اتنا موقع اُسے مل گیا کہ دو سطریں متضمن حالات تباہی بغداد لکھ کے پوشیدہ طور پر کسی شخص کے ذریعہ سے سلطان طغرل بیگ کے پاس بھیج دیں۔ جواب میں طغرل بیگ نے ایک آیت قرآنی لکھی جسکا مفہوم یہ تھا کہ ہم فوجیں لے کے آئیں گے اور انہیں ذلیل و خوار کر کے نکالدیں گے۔ اور اس خط کے ساتھ ہی خود بھی روانہ ہوا سلطان کے آتے ہی مہارش عجلی نے حاضر دربار ہو کے خلیفہ کو اُسکی خدمت میں پیش کیا۔ خلیفہ پھر مسند عزت پر بٹھایا گیا اور شیعوں سے گذشتہ مظالم کی بازپرس ہونے لگی۔ بساسیری سلطان کی آمد کی خبر سُنتے ہی بھاگ گیا تھا لیکن براہ ہوشیاری طغرل بیگ نے اپنے ایک فوجی افسر کو کچھ فوج کے ساتھ ارض شام کی طرف روانہ کیا کہ اگر بساسیری اُدھر جائے تو مقابلہ کر کے فوراً گرفتار کر لینا۔ آخر حوالی کوفہ میں بساسیری کا پتہ لگا اور خود سلطان طغرل نے جا کے اُس کا سر کاٹ لیا۔

یہ ایک ہنگامہ تھا جو شیعہ و سُنی میں ہوا۔ جس نے اسلامی وقعت کو خود اپنے ہاتھ سے کھو دیا۔ کاش دونوں متحد رہتے تو خلافت بغداد خواہ کسی کے ہاتھ میں ہوتی مگر آج ہمیں کسی قدر مضبوط نظر آتی۔ لیکن وہ عزت کی زندگی درکنار اب اس نکبت و فلاکت کی زندگی میں بھی ہمارے ہی شہر کے شیعہ و سُنی اُسی طرح لڑ رہے ہیں۔

خطیب بغدادی نے فتنۂ بساسیری کے وقت دیکھا کہ مجھے بھی وہی دقتیں نصیب ہوں گی جو دیگر اہل بغداد کو نصیب ہوئیں بلکہ میرا مرتبہ کسی قدر بڑا ہی ہو گا اس خیال سے سوا ترک وطن کے ان سے کچھ نہ بن پڑا بیچارے نے نہایت خموشی کے ساتھ بغداد کو چھوڑا اور سرزمین شام کی راہ لی۔ اُن کا یہ سفر ایسا خوف و اضطراب کا تھا کہ بیچارے کو پھر بہت دنوں تک پھر گھر آنے کا موقع نہ ملا۔ کچھ دنوں دمشق میں رہے۔

پھر وہانسے شہر صور میں پہونچے۔ شہر صور سے نکل کے طرابلس شام میں داخل ہوئے وہانسے حلب میں گئے۔ الغرض خدا جانے کہاں کہاں کی خاک اُڑائی۔ اور بارہ برس یونہیں خانماں بربادی و سرگردانی میں گذر لیے تو بغداد آنا نصیب ہوا۔

خطیب بغدادی کی عمر یونہیں اب آخر ہو چلی تھی۔ اس سفر نے اور توانائی و قوت سلب کردی۔ فرشتۂ اجل جو جوارِ حق میں پہونچانے کے لئے مدت سے انتظار دیکھ رہا تھا اُس نے پیمانۂ عمر لبریز پایا۔ اس لیے کہ اب جو بغداد میں آئے تو عمر ستر برس سے زیادہ ہو چکی تھی۔ بہر حال بغداد میں ایک ہی سال رہے تھے کہ وسط ماہ رمضان المبارک ۴۶۳ھ میں بیمار ہوئے۔

ابوبکر خطیب کو دار السلام بغداد کی موجودگی اور مرجعیت عامہ نے نہایت دولت مند اور مالدار بنادیا تھا۔ اور خدا نے اولاد کیطرف سے بالکل مایوس رکھا تھا جب انتقال کا وقت قریب ہوا تو اپنی لاولدی اور اُس دولت کثیر کا خیال کرکے بہت پریشان ہوئے۔ آخر اس مضمون کی ایک عرضداشت خلیفہ بغداد کی خدمت میں بھیجی "خدا امیر المومنین کو ہمیشہ زندہ و سالم رکھے۔ ہمارا وقت قریب آگیا۔ دنیا میں کوشش و جد و جہد کرکے میں نے کچھ رقم فراہم کرلی ہے۔ اب مجھے سفر آخرت درپیش ہے اور حیران ہوں کہ کیا کروں نہ کوئی اولاد ہے اور نہ کوئی اور وارث ہے۔ خواہ مخواہ میرے بعد یہ سب جائداد بیت المال میں داخل ہو جائے گی لہذا میں خواستگار ہوں کہ مجھے اپنے مال پر اختیار دیا جائے کہ اُسے جس طرح اور جس کام کے لئے چاہوں خرچ کروں اور جس امر خیر پر چاہوں وقف کردوں" خلیفہ نے یہ درخواست قبول کی۔ اور خطیب نے فوراً اپنا تمام روپیہ پیسا فقہا اور محدثین کو دیدیا۔ اپنی کتابیں طلبائے اسلام پر وقف کردیں۔ ابو الفضل بن خیرون کو اپنے کتب خانہ کا متولی مقرر کیا۔ وصیت کی کہ مجھے بشر حافی کے مقبرہ میں دفن کرنا۔ ان سب کاموں سے فراغت کرکے روز دوشنبہ ۷ ذی الحجہ ۴۶۳ھ میں انتقال کیا۔ اور وہ وعدہ وفا کیا جو ہر جاندار بلکہ ہر مخلوق کے لئے موعود ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

قاضی ابن خلکان نے اپنی تاریخ میں جیرت کیساتھ لکھا ہے کہ ایک ہی عہد میں دو مشہور و معروف حافظ حدیث تھے۔ جنہوں نے دین کو فیض پہونچانے کے لئے آپس میں بانٹ لیا تھا خطیب بغدادی حافظ ارض مشرق میں تھے اور ابن عبدالبر صاحب استیعاب حافظ مغرب تھے۔ ان دونوں نے ایک ہی سال میں انتقال فرمایا۔

خیر جب خطیب نے انتقال فرمایا تھا تو مدرسہ نظامیہ کے قریب سے جہاں وہ سکونت پذیر تھے اُن کا جنازہ اُٹھایا گیا تمام محدثین اور فقہا اور عموماً کل اہل بغداد کا بہت بڑا گروہ جنازے کے ہمراہ تھا جو مشہور اور بابرکت لوگ جنازے کو اپنے کندھوں پر اُٹھائے ہوئے تھے اُن میں ایک علامہ ابو اسحٰق شیرازی بھی تھے جنکا حال ہم لکھ چکے ہیں۔ اور جنازے کے آگے اہل علم پکار پکار کے یہ الفاظ کہتے جاتے تھے "ھذا الذی کان یذب عن حدیث رسول اللہ ھذا الذی کان ینفی الکذب عن حدیث رسول اللہ" یہ وہ شخص ہے جو رسول خدا صلعم پر جو تہمتیں باندھی گیئں تھیں اُن کو مٹاتا تھا۔ یہ وہ شخص ہے جو رسول اللہ صلعم سے جھوٹ کو دفع کرتا تھا۔

الغرض جنازہ محلہ کرخ سے گذر کر جامع منصور میں زمین پر رکھا گیا قاضی ابوالحسن مہتدی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور وہاں سے اُٹھا کے باب الحرب میں لے گئے جہاں بشر حافی کا مقبرہ تھا۔ اب یہ وہ موقع ہے جب کہ خطیب بغدادی کی تیسری دعا کی مقبولیت ظاہر ہونا چاہیئے۔ اتفاقاً احمد بن علی طریثیثی نے بشر حافی کی قبر کے برابر اپنے لئے ایک قبر پہلے سے کھدوا رکھی تھی اور وہاں روز دن بھر میں ایک دفع جا کے تلاوت قرآن مجید کیا کرتے تھے۔ لوگوں نے چاہا کہ خطیب کو اسی قبر میں دفن کردیں۔ احمد نے روکا اور کہا مدتیں ہوگئیں کہ میں نے اس قبر کو اپنے لئے کھود رکھا ہے۔ اور روز یہاں بیٹھ کے تلاوت قرآن مجید کیا کرتا ہوں۔ اور بہت سے ختم کلام اللہ کرچکا ہوں۔ میں کسی کو یہاں نہ دفن ہونے دونگا۔ ابوالبرکات اسمٰعیل ابن ابو سعید صوفی کا بیان ہے کہ جب اس نزاع کی خبر میرے والد ابو سعید کو پہونچی تو انہوں نے احمد کو بلایا اور کہا صاحب! اگر

خود بشر حافی زندہ ہوتے اور تم اور خطیب بغدادی دونوں اُن کے پاس جاتے تو تم دونوں میں سے کس کا اپنے پاس اور برابر بیٹھنا پسند اور گوارا کرتے" احمد نے کہا "نہیں نہیں میری کیا مجال تھی کہ خطیب سے تقدم کی جرأت کرتا۔ اور اُن کے ہوتے بشر کے پاس جا کے بیٹھ جاتا" ابو سعید نے یہ جواب سن کے فرمایا "تو سے احمد۔ یہ یقین جانو کہ اولیاء اللہ کی زندگی اور موت دونوں یکساں ہیں۔ جس پاس ادب کو تم اُن کی زندگی میں مرعی رکھتے اب بھی اُس کے مطابق عمل کرو" اس جملہ نے احمد پر ایسا اثر کیا کہ سکوت کر گئے۔ لوگوں کی درخواست قبول کی۔ اور یوں خطیب بغدادی کی آخری دعا پایۂ اجابت کو پہونچی۔ تمام لوگوں نے خطیب کو اُسی قبر میں دفن کیا۔

خطیب بغدادی کے انتقال سے اہل علم اور تمام عامۂ اہل اسلام کو بہت بڑا صدمہ ہوا۔ اکثر شعراء نے اُن کے مرثیہ میں طبع آزمائیاں کر کے اپنی حسرت و اندوہ کے جوش کو ظاہر کیا۔ خصوص اُسی عہد کے کسی شاعر نے یہ شعر کیا خوب کہا ہے جو واقعی آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔

"ولازلت تداب فی التاریخ مجتہداً حتی رایتک فی التاریخ مکتوباً"

یعنی تو نے ہمیشہ اپنے اوپر رنج و غم اور مصیبتیں اُٹھا کے تاریخ میں کوششیں کیں یہاں تک کہ کیا دیکھتا ہوں کہ خود تیرا نام صفحات تواریخ پر لکھا ہوا ہے۔ خطیب کی تصانیف کو اسلام اور دنیا نے ہمیشہ وقعت اور فخر کی نگاہوں سے دیکھا۔ ابن جوزی اُنکی چھپن تصانیف بتلاتے ہیں۔ اور اکثر وں کا نام بھی لکھا ہے اُن کی تاریخ بغداد کا حال تو ہم بیان کر چکے ہیں۔ باقی تصانیف صرف اصول و فنون حدیث سے متعلق ہیں۔ جنکی فہرست بتانا شاید عام ناظرین کو دلچسپ نہ معلوم ہوگا۔ لہذا اُس یگانۂ عصر اور مرجع و مقتدائے دہر کی سوانح عمری کو ہم یہیں پر ختم کرتے ہیں۔

ابوالفرج بن جوزی

وہ ابوالفرج عبدالرحمان بن ابوالحسن علی بن محمد بن علی بن عبیداللہ بن عبداللہ

بن حادی بن احمد بن محمد بن جعفر الجوزی رحمہ اللہ،، اُن کا لقب جمال الدین تھا گو کہ اُن کا شمار فقہائے حنابلہ میں ہے اور فقہ امام احمد بن حنبل کو نہایت حُسن عقیدت سے دیگر مجتہدین کی فقہ کے مقابلہ میں ترجیح دیتے تھے۔ مگر اس میں شک نہیں کہ محدثین کے گروہ میں وہ ایک بہت بڑے امام ہیں اور متاخرین اہل حدیث نے ان کو اپنا زبردست مستند علیہ قرار دے لیا ہے۔ علامہ ابن خلکان اُنکے اوصاف میں تحریر فرماتے ہیں دو کان علامۃ عصرہ وامام وقتہ فی الحدیث وصناعۃ الوعظ،، یعنی باعتبار حدیث اور اصول وعظ کے ابن جوزی علامۂ عصر اور امام وقت تھے۔ امام یافعی فرماتے ہیں دو کان علامۃ عصرہ وامام وقتہ فی انواع العلوم من التفسیر والحدیث والفقہ والوعظ والسیر والتواریخ والطب،، یعنی تفسیر حدیث فقہ۔ وعظ۔ سیر۔ تواریخ اور طب ان جملہ فنون میں امام ابن جوزی علامۂ عصر اور امام وقت تھے۔

ان کی ولادت ونشوونما کا مرکز بھی بغداد ہی رہا۔ آہ! اے خاک بغداد تجھ میں کیا بات تھی کہ تو نے ایسے ایسے کملائے عصر پیدا کر دیئے۔ اور اب تجھ پر کیا ادبار آ گیا کہ آج ہر طرف تجھ میں سناٹا چھایا ہوا ہے۔ ابن جوزی نے اپنے کمال اور مرجعیت کے عہد میں خاندان بنی عباس میں سے پانچ خلفا کا زمانہ دیکھا۔ المسترشد باللہ۔ الراشد باللہ المقتفی بامر اللہ۔ المستنجد باللہ۔ المستضی بانوار اللہ۔ اور اسکے علاوہ کچھ زمانہ الناصر الدین اللہ کا بھی پایا۔ اُن کی ولادت تقریباً ۵۱۰ھ یا ۵۰۸ھ میں ہوئی۔ اور اس تشکک کی وجہ یہ تھی کہ خود ابن جوزی کو اپنی تاریخ ولادت بخوبی یاد نہ تھی۔ مورخ بغداد محمود الدین نجار خود ابن جوزی ہی کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ کہتے تھے کہ میری ولادت کا صحیح سنہ مجھے نہیں یاد ہے۔ مگر میری والدہ فرماتی تھیں کہ تمہارے والد نے جب ۵۱۴ھ میں انتقال کیا اُسوقت تمہاری عمر تین برس کی تھی بہر حال اُسی قرب میں وہ علامۂ دہر اور امام عصر پیدا ہوا۔ ابھی مادر مشفقہ کے دامن ہی میں تھے۔ تھوڑی ہی عمر تھی اور مرتبہ رشد کو نہ پہونچنے پائے تھے کہ دل میں شوق علم پیدا ہوا اور جو اُس عصر میں مرجع طلبہ اور اہل علم نظر آئے اُن کی درس گاہوں میں حاضر ہونے لگے۔ ابو عبد اللہ خیلا۔ اور عبد اللہ مقری۔ اور ابراہیم بن دینار

نہروانی۔ اُن لوگوں میں مشہور تھے جو قرآن مجید کا درس دیا کرتے تھے اور رموز قرأت کو بخوبی سمجھتے تھے۔ انہیں کی خدمت میں جاکے قرآن مجید پڑھا۔ علامہ ابوالمنصور جوالیقی کی تمام کتابیں خود ابو منصور کی خدمت میں حاضر ہو کے پڑھیں۔ ابوبکر دینوری احمد بن ابوالمعالی حربی۔ حسن بن عبداللہ بن نصر اور دیگر اساتذہ وقت سے علم فقہ کو حاصل کیا۔ اسکے محمد بن ناصر جو حدیث کے عمدہ مدرس تھے اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے اور امام احمد حنبل کا مسند تمام وکمال اول سے آخر تک پڑھا۔ اس کے بعد جامع ترمذی اور مناقب احمد بن حنبل پڑھنے کیواسطے ملک بن عبداللہ بن ابی ہیں کی شاگردی کی۔ ابراہیم حربی کی کتاب ذم الغیبۃ کو ابوالفضل بن ناصر اُس عہد کی مشہور و معروف مدرسہ فاطمہ بنت حسین بن حسن فضلویہ رازیہ کیخدمت میں پڑھتے تھے۔ ابن جوزی نے بہ موقع غنیمت جانا اور اس معصومہ کی درسگاہ میں حاضر ہو کر بہ سماعت شریک ہو گئے۔ اسکے علاوہ اور بھی اُسوقت کے اساتذہ تھے جن کی خدمت میں حاضر ہو کر ابن جوزی نے تحصیل علم کی۔ وعظ گوئی میں ابن جوزی کو ایسا ملکہ حاصل ہو گیا تھا کہ تمام دنیا میں شہرت ہو گئی تھی۔ مشرق سے مغرب تک اسلامی دنیا کا ہر شخص ان کی زبان سے کلمات پند و نصائح سُننے کا شائق تہا۔ اور ضرور ایسا ہونا چاہیئے تہا۔ اسلئے کہ ابن جوزی کو وعظ کے ساتھ ایک طبعی مناسبت تھی۔ مشہور ہے کہ ابتدائے لڑکپن سے آخر تک انکا یہ قاعدہ رہا کہ جہاں کسی کے وعظ کہنے کی خبر سُنتے شوق دل بے اختیار کر دیتا اور اُس کی صحبت میں شریک ہونے کے لئے دوڑے جاتے۔ ان کے اس جوش و خروش طبعی کا یہ کھلی نتیجہ تھا کہ دنیا ان کو ایک اعلیٰ درجہ کا بے مثل واعظ ثابت کرتی۔ اور ایسا ہی ہوا۔ زمانہ نے اُن کو سب سے اعلیٰ شہ نشین پر بٹھایا اور لوگوں کو اُن کی وعظ سُنوائی۔ خود فرماتے ہیں ۲۰ھ میں ابوالقاسم علی بن لیلی ہروی جو اپنے عہد کے مشہور واعظ تھے بغداد میں آئے۔ میں اس عہد میں اس قدر کم عمر تھا کہ اپنے پاؤں سے اُن کی خدمت میں نہیں جا سکتا تھا۔ لوگ مجھے گود میں اُٹھا کے اُن کے پاس لے گئے۔ شیخ ابوالقاسم نے میری طرف بہت توجہ کی۔ اپنا ملبوس خاص مجھے پہنایا۔ اور چند امور از قسم وعظ و نصائح مجھ سے ارشاد فرمائے۔ مجھے وعظ گوئی کا

اس قدر شوق تھا کہ ان سب باتوں کو میں نے زبانی یاد کر لیا شیخ ابوالقاسم اس کے بعد عرصہ تک بغداد میں مقیم رہے۔ اور میں اُن کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا۔ یہانتک کہ بہت دنوں بعد انہوں نے بغداد سے جانے کا قصد کیا۔ جس روز جانے والے تھے عام اہل بغداد کو رخصت کرنے کے لئے ایک مجلس منعقد کی۔ اہل بغداد کو اُن سے کچھ ایسی محبت ہو گئی تھی کہ اس رخصتی کے جلسہ میں تقریباً پچاس ہزار آدمی کا مجمع ہو گیا۔ اتنے بڑے مجمع عام میں اُنہوں نے مجھے ممبر پر چڑھ کے کچھ بیان کرنے کا حکم دیا۔ میں ممبر پر گیا اور ایسے شائستہ و مناسب الفاظ میں میں نے تقریر کی کہ کل اہل بغداد نے اور خصوص حضرت شیخ نے میری بہت ہی تعریف کی۔ اس کے بعد ابن جوزی کو وعظ گوئی کا کچھ ایسا چسکا پڑ گیا کہ جہاں کہیں مجلس وعظ ہوتی سو کام کا ہرج کر کے وہاں ضرور پہونچتے۔ ابوالحسن زاغونی جو مشہور نامور واعظ اور خطیب تھے اُن کے پاس جا کے آداب وعظ و خطابت سیکھتے اُن کی خدمت میں ابن جوزی مدتہائے دراز تک حاضر ہوتے رہے۔ اور اسپیکری اور وعظ گوئی میں جو کچھ ناموری ابن جوزی کو حاصل ہوئی وہ اصل میں اُنہیں کا فیض اور اُنہیں کی برکت تھی۔ خود ابن جوزی تاریخ منتظم میں تحریر فرماتے ہیں کہ ابوالحسن زاغونی کا قاعدہ تھا کہ اوقات نماز کے پہلے جامع منصور میں بیٹھتے تھے اور درس دیتے تھے۔ اُس وقت پند و نصائح کے ذریعے بھی لوگوں کو فائدہ پہونچاتے تھے۔ اور نماز جمعہ کے پہلے چلے جاتے تھے۔ ہمیشہ ہفتہ کے روز باب نصر میں حضرت معروف کرخی کے مزار کے قریب رونق افروز ہوتے تھے۔ اور وعظ فرماتے تھے۔ آخر تک اُن کا یہی معمول رہا۔ یہانتک کہ ۵۲۷ھ میں اُنہوں نے انتقال فرمایا۔ تمام فضلاء و علمائے شہر نے اُن کے بعد خلق اللہ کو فائدہ پہونچانے کے لئے اُن کے مقام پر ابوعلی راذانی کو معین کیا۔ تاکہ اب اُن کے ذریعہ سے وہی سلسلۂ فیض جاری ہو۔ چونکہ ہنوز میرا ابو عمروں میں شمار تھا۔ لہٰذا سن رسیدہ اور مستند لوگوں نے میرا معین کیا جانا نامنظور کیا۔ چند روز بعد اتفاقاً ایک دن وزیر شرف الدین ابو شیروان بن خالد کاشانی کی محفل میں میرا گذر ہوا۔ میں نے وہاں کچھ نصائح بطور وعظ کے بیان کئے۔

اُنہوں نے میری بہت تعریف کی اور مجھے اجازت دی کہ جامع منصور میں ممبر پر بیٹھ کے وعظ بیان کروں۔ پہلے پہل جس روز میں نے اُس عالیشان دنیا کی نامی مسجد جامع میں واعظ کہی بغداد کے بہت بڑے بڑے علما و فضلا اور فقہائے عصر موجود تھے۔ اُس کے بعد میں باب بصرہ اور نہر معلی میں حضرت معروف کرخی کے مزار کے قریب بھی وعظ کہنے لگا۔ میری زبان سے وعظ سُننے کے لئے جوق جوق اور بکثرت آتے تھے۔ اور بہت بڑا ہجوم ہوتا تھا۔ حاصل کلام یہ کہ مسترشد باللہ المقتفی بامر اللہ کے عہد تک میں ایک معمولی شخص تھا۔ اور میرا نام گمنامی کے پردے میں چھپا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ زمانہ نے مقتفی بامر اللہ کا ورق بھی اُلٹا۔ اُس خلیفۂ مرحوم کے ولی عہد المستنجد باللہ نے تخت خلافت پر بیٹھ کے پہلے حسب معمول تین روز تک خلیفہ مرحوم کی تعزیت اور ماتم داری کی تین دن تک روز بزم ماتم مرتب ہوتی تھی۔ اور تمام ارکان دولت اور علما و فضلائے بغداد اُس محفل غم میں شریک ہوتے تھے۔ نئے خلیفہ نے حکم دیا کہ اس بزم ماتم میں میرا ممبر لا کے رکھا جائے اور مجھے بلا کے حکم دیا کہ میں لوگوں میں کچھ بیان کروں تینوں دن میں نے ممبر پر بیٹھ کے اُس شاہی صحبت میں نہایت مناسب کلمات تسلی و تشفی کے بیان کئے۔ جب ماتم داری کے تین روز پورے ہو گئے تو مستنجد باللہ نے خلعت گراں بہا سے میری عزت افزائی کی اور حکم دیا کہ جامع منصور میں بیٹھ کے میں ہمیشہ وعظ کہا کروں۔ اور ہفتہ ۲۸ ربیع الثانی سے میں وہاں بیٹھ کے وعظ کہنے لگا۔ دو ہی چار روز میں میری وعظ گوئی کا ایسا شہرہ ہو گیا کہ چند ہی روز کے بعد میں نے اندازہ کر کے دیکھا تو تخمیناً پندرہ سولہ ہزار آدمی روزانہ وعظ سُننے کے لئے آیا کرتے تھے۔ اتفاقاً اُسی عہد میں اہل بدعت کا ایک فرقہ پیدا ہوا جس نے دین میں خلل ڈالنے کی بہت کچھ کوشش کی۔ میں چونکہ دین نبوی کا سچا حامی تھا لہٰذا خدا نے میری مدد کی۔ اور مجھے اُن دشمن اسلام بدعتیوں پر غلبہ حاصل ہوا۔ انہیں دنوں ایک اتوار کی رات کو جس روز جمادی الآخر کی ۱۲ ار تاریخ تھی اور ۵۶۲ھ تھا اپنے دوستوں کے ساتھ میں اپنے کوٹھے کی چھت پر سویا۔

خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ میں وزیر عون الدین یحییٰ ابن ہبیرہ بن محمد حنبلی کے پاس ہوں اور اُن سے باتیں ہو رہی ہیں۔ ناگہاں کوئی شخص ایک چھوٹا سا حربہ ہاتھ میں لئے ہوئے نمودار ہوا۔ اور بے تکلف محفل وزیر میں چلا آیا اور آتے ہی اُس نے وزیر بانشین کے پاس ایک کاری وار کیا۔ فوراً خون کا فوارہ جاری ہو گیا۔ اُسی اضطراب میں نے دیکھا کہ زمین پر ایک سونے کی انگوٹھی گری میں نے اُسکو اُٹھا لیا۔ اور منتظر رہا کہ وزیر کا غلام آئے تو اُس کے سپرد کر دوں۔ اسی اثنا میں میری آنکھ کھل گئی یہ تمام واقعہ میں نے اپنے احباب سے بیان کیا۔ ہنوز خواب کا حال پورا بیان بھی نہ کر چکا تھا کہ ایک شخص گھبرایا ہوا آیا اور کہنے لگا وزیر صاحب نے انتقال کیا۔ چند لوگ جو وہاں بیٹھے تھے انہوں نے اُس شخص کی تکذیب کی اور کہا ودکل تو ہم وزیر صاحب سے مل چکے ہیں وہ اچھے خاصے تھے"
تھوڑی ہی دیر میں اُس خبر کی تصدیق ہو گئی اور معلوم ہو گیا کہ وزیر نے حقیقت میں سفر آخرت کیا۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ کل صبح تک اچھے تھے۔ صبح سے قے اور دست جاری ہو گئے۔ اُسی عارضہ وبائی کا علاج کرنے کے لئے ابن رشادہ طبیب کو بلایا تھا۔ اُس ظالم نے اپنی شقاوت قلبی سے دوا میں زہر ملا کے پلا دیا۔ بہرحال میں اُٹھ کے وزیر کے گھر پر گیا۔ اُن کے صاحبزادے نے میری صورت دیکھتے ہی کہا آپ خوب تشریف لائے۔ آپ کے ہوتے ہوئے اور کون شخص جنازے کو غسل دے سکتا ہے۔ میں مستعد ہو گیا۔ اور نہلانے لگا۔ وزیر مرحوم کا ہاتھ پکڑ کے میں نے اُٹھایا تاکہ پانی بغل تک پہونچ جائے فوراً ایک سونے کی انگوٹھی جو اُن کے ہاتھ میں تھی اُنگلی سے نکل کے گر پڑی۔ یہ تمام فوری امور دیکھ کے مجھے اپنے خواب پر نہایت حیرت ہوئی۔ اور کچھ دنوں تک میں ایک سکوت و استعجاب میں رہا۔

ابن جوزی نے یہ بڑی آسانی کر دی ہے کہ اپنے سوانح عمری مختصراً خود بھی لکھ دیئے ہیں۔ اپنی کتاب منتظم میں فرماتے ہیں۔ مرجان جو خلافت کا خادم خاص تھا اُس کو اپنے طریقہ شافعیہ کی محبت میں انتہا سے زیادہ غلو تھا۔ اُس کا تعصب اس قدر بڑھ گیا تھا کہ حنبلیوں کی آزار رسانی و ایذا دہی پر ہر وقت آمادہ رہتا تھا۔

خصوصاً میرے ساتھ تو اُسکو بڑی ہی عداوت تھی۔ اپنے نزدیک مجھے ضرر پہنچانے میں اُسنے کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا تھا۔ ایک ادنیٰ عداوت یہی تھی کہ وزیر کے انتقال کے بعد خلیفہ کے حضور میں جاکے عرض کی کہ وزیر مرحوم کی بہت سی قیمتی اور نادر کتابیں ابن جوزی کے پاس بطور امانت رکھی تھیں۔ اب وزیر صاحب کے انتقال فرمانے پر اُنہوں نے انکار کر دیا اور صاف صاف کہدیا کہ میرے پاس کوئی کتاب نہیں ہے۔ مگر خدا میرا مددگار رہا خلیفہ نے اُس کے قول کی طرف توجہ نہ کی بلکہ یہ فرمایا کہ وہ میرے نزدیک تو یہ امر محال ہے۔ اس لئے کہ ابو حکیم جو صاحب دولت و ثروت تھے جب اُنہوں نے انتقال کیا ابن جوزی کے اوپر گیارہ دینار قرض تھے ابن جوزی نے فوراً خود ہی اُن دیناروں کا حال ظاہر کر دیا۔ اور خود مجھے اُن دیناروں کی خبر کر دی۔ لیکن مرجان کا تعصب میرے اور تمام حنبلیوں کے مقابل میں ایسا تھا کہ اُس پر بھی اُسے صبر نہ آیا۔ مکہ معظمہ میں جس رکن کو وزیر مرحوم نے مقرر کیا تھا اور جس مقام پر امام حنبلی کھڑے ہوکے نماز پڑھایا کرتے تھا بغیر اطلاع و اجازت خلیفہ کے اُس کے انہدام کا حکم مکہ معظمہ میں بھیجدیا۔ اس کا حال معتبر طور پر مجھے معلوم ہوا اور میں سمجھ گیا کہ مرجان چاہتا ہے کہ فقہ حنابلہ کو دنیا سے بالکل مٹا دے اس بارے میں مرجان نے ایسی ایسی رخنہ اندازیاں کیں اور ایسے فساد برپا کئے کہ میں نے مجبور ہوکر درگاہ حضرت رب العزت میں دعا کی کہ یا اللہ اس آفت سے امام احمد حنبل کی فقہ حدیث کو تو بچالے۔ مجھے یہ دعا مانگے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا کہ مرجان دنیا ہی سے گذر گیا۔ اور خدا نے اُسکے فتنہ کو فرو کیا۔ اس موقع پر ایک واقعہ ہم بیان کرنا چاہتے ہیں جو دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ اگرچہ آج کل کے تعلیمیافتہ اُسکو ایک قسم کی ضعیف الاعتقادی خیال کریں گے لیکن ہم اُس کا اظہار صرف اس لئے مناسب جانتے ہیں کہ جو اصلیت ہوتی ہے وہ پاک نفس والوں کو خاص طریقوں سے عالم مثال میں معلوم ہو جاتی ہے اُس عہد کے ایک متقی اور زاہد بزرگ نے چند روز بعد مرجان کو خواب میں دیکھا۔ اور اس وضع سے کہ دو شخص اُسے زبردستی پکڑے لئے جاتے ہیں اُنہوں نے اُن لوگوں سے دریافت کیا کہ کہاں لئے جاتے ہو۔ اُنہوں نے بتایا کہ دوزخ میں لئے جاتے ہیں۔ میں نے پوچھا اس پر

کیوں عتاب آہی ہوا۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ محض ابن جوزی کی عداوت کی وجہ سے۔

آخر وہ زمانہ آیا کہ مستنجد باللہ عباسی نے بھی انتقال کیا اور المستضی بنور اللہ خلیفہ بغداد ہوا۔ اُس کے بھی حسب عادت وارثان خاندان بنی عباس کے خلیفہ مرحوم تعزیت کے لئے تین دن مقرر کئے۔ اطراف دار الخلافت سے تمام اراکین دولت اور مشاہیر وقت فراہم ہونے لگے کہ اُس محفل عزا میں شرکت کریں۔ المستضی بنور اللہ نے بھی اپنے باپ کی طرح علامہ ابن جوزی کو طلب کیا کہ تین دن تک ممبر پر بیٹھ کے لوگوں کی تسلی و تشفی کے لئے کچھ مناسب و شافی کلمات ارشاد فرمائیں۔ اور واقعی ان سے زیادہ کوئی مناسب شخص اس کام کے لئے نہیں ہو سکتا تھا انھوں نے اُس مجمع عام کو نہایت خوبصورتی سے ایڈریس کیا۔ جس دن المستضی بنور اللہ نے اپنے باپ یعنے بادشاہ مرحوم کے جنازے کو دفن کیا ہے اور خود کنارہ ... کے لے چلا ہے اُس روز اُس نے علما کی نہایت خاطر و مدارات کی۔ ہر عالم کی خدمت میں ایک نسخہ کلام اللہ کا ہدیۃً ارسال کیا۔ اور وہ قرآن مجید نہایت عمدہ اور سب سے زیادہ خوشخط تھا جو ابن جوزی کے پاس بھیجا۔

منتظم میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ ۵۶۷ھ ۲۲ محرم میں لوگوں نے المستضی کے آستانِ دولت میں خبر پہونچائی کہ عاضد باللہ علوی کا نام خطبوں سے نکل گیا۔ اور اب دیار مصر میں بھی حضور کے نام نامی سے خطبہ کو رونق دی۔ ابو سعید عصرون کو جو یہ خبر فرحت اثر لایا تھا خلعت فاخرہ سے عزت دی گئی۔ اور اُسکو بلقب آستانِ خلافت کا عہدہ مرحمت ہوا۔ خاندان بنی عباس کے تمام لوگ جن کا شمار شاہی خاندان میں تھا نہایت شادان و فرحان ہوئے۔ بغداد میں خوشی کے شادیانے بجنے لگے اور علوی لوگوں کو دلی دلی میں نہایت صدمہ اور ملال ہوا۔ ابن جوزی فرماتے ہیں کہ مجھکو بھی ضرورت ہوئی کہ خلیفہ المستضی کو کسی نئے اور منافر پہلو سے مبارکباد دوں۔ لہذا میں نے کتاب "النصر علی مصر" لکھی اور خلافت میں پیشکش کی جسکے صلہ میں مجھے بہت کچھ انعام و اکرام ملا۔ اور میری قدر و عزت زیادہ ہوئی۔

اس کے علاوہ تحریر فرماتے ہیں کہ بغداد کے واعظ محمد طوسی نے ایک بار بروز جمعہ

مدرسہ تاجیہ میں ممبر پر چڑھ کے وعظ کہی منجملہ اور تمام باتوں کے یہ بھی بیان کیا کہ وہ عبدالرحمان بن ملجم نے اگرچہ امیرالمومنین اسداللہ الغالب علی بن ابی طالب کو شہید کیا لیکن اسکا شمار کفار میں نہیں ہو سکتا" تمام حاضرین کو یہ کلمات سنتے ہی ایک ایسا فوری اشتعال طبع پیدا ہوا کہ یک بیک ہجوم کر کے اس پر جھپٹ پڑے کھینچ کے اسے ممبر پر سے اُتار لیا۔ اور چاروں طرف سے ڈھیلے مارنا شروع کر دیئے۔ واعظ صاحب گھبرا کے بھاگے۔ اور اپنے گھر میں جا کے دروازہ بند کر لیا۔ دوبارہ جب اُن کے وعظ کی باری آئی تو لوگ حسب معمول جمع ہوئے اُن کے لئے مسند بچھائی اور لوگ ڈھیلے پتھر اور وہ شیشہ (جسکے ذریعہ روغن نفت برسا کے آگ لگا دی جاتی ہے) لے لے کے بیٹھے کہ آج واعظ صاحب کو اُن کے اعتقاد پر خوب سزا دی جائے۔ اور اُن کو پتھروں سے سنگسار کر کے جلا دیں گے۔ محمد طوسی کو بھی ان خوفناک سامانوں کی خبر ہو گئی ڈر کے مارے گھر سے بھی نہ نکلے اور وہیں چھپے بیٹھے رہے۔ یہ خبر دارالخلافت میں پہونچی۔ خلیفہ نے قطعی ممانعت کرا دی کہ ایندہ سے کوئی واعظ ممبروں پر بیٹھ کے وعظ نہ کہنے پائے چند روز یونہیں گذرے کہ پند و نصائح کا دروازہ بالکل بند تہا ایک عرصہ کے بعد حکم ہوا کہ مقابین شافعیہ۔ حنفیہ۔ حنبلیہ میں سے ایک ایک شخص کو خاص طور پر وعظ کی اجازت دی جائے۔ بس مجھکو اجازت ملی کہ حنابلہ کا واعظ ہوں۔ اور باقی دونوں گروہوں میں سے ایک ایک شخص حسب فرمان شاہی وعظ گوئی کا مستحق قرار پایا۔ ہم تین آدمیوں کے سوا اور کسی کی مجال نہ تھی کہ وعظ کہہ سکے۔ میرا قاعدہ تھا کہ روز دو تین آیتیں کلام اللہ مجید کی پڑہتا تہا۔ اور اُن کی تفسیر و توضیح کر کے بہت سے رموز و نکات بیان کیا کرتا تہا۔ اسی طرح حسب معمول بیان کرتے کرتے کئی سال کے بعد ہفتہ کے روز ۲ جمادی الآخر ۵۶۱ھ میں میں نے پورا کلام اللہ ختم کر دیا۔ میں نے اللہ جلشانہ کا نہایت شکریہ ادا کیا۔ اس لئے کہ ابتدائے اسلام سے آجتک کسی شخص نے اس ترتیب سے پورا کلام اللہ نہیں ختم کیا تہا۔ اس کے بعد میں نے پھر شروع سے کلام اللہ کا دورہ شروع کیا ہے اور تفسیر آیات بیان کیا کرتا ہوں۔

رمضان ۱۰۸ھ میں ایک اور ہنگامہ بغداد میں پیدا ہوا یہ کہ اہل شیعہ کا ایک گروہ پیدا ہوا جو صحابہ کرام کو سخت وسست الفاظ سے علانیہ یاد کرتے تھے، اسکی شکایتوں نے تمام بغداد میں ایک جوش وخروش پیدا کر دیا۔ صاحب مخزن نے ان تمام امور کو آستان خلافت میں عرض کیا۔ اور اہل شہر کی بہت سی عرضیاں شکایت میں پیش کیں اور درخواست کی کہ ابن جوزی کے نام فرمان جائے کہ آپ لوگوں کو سمجھا بجھا دیجئے اور فساد کرنے والوں اور ایسے اشتعال انگیز کلمات کہنے والونکو روکئے اور شہر میں امن وامان قائم کرنے کی کوشش کیجئے۔ لہذا خلیفہ نے صاحب مخزن کے کہنے کے بموجب میرے نام حکم بھیجا کہ وہ کہ آپ کو جس طرح مناسب معلوم ہو فتنہ وفساد کے رفع کرنے کی کوشش کیجیے۔ یہ فرمان پاتے ہی میں نے جامع مسجد میں لوگوں کو جمع کیا اور خود ممبر پر چڑھ کے بیان کیا کہ وہ جو سخت وسست اور نالائق کلمات اہل شیعہ صحابہ کبار۔ اور خلفائے راشدین کی شان میں علانیہ کہتے پھرتے ہیں اُن کی خبر امیر المومنین تک پہونچ گئی۔ چنانچہ باب خلافت سے میرے نام حکمنامہ آیا ہے کہ آیندہ جس کی زبان سے ایسا کوئی کلمہ نکلے اُسکو اُس کی درشت زبانیوں کی سزا دوں۔ اس وقت میں علانیہ پکارے کہے دیتا ہوں کہ سب لوگوں کو امیر المومنین کے حکم کی اطاعت کرنا چاہیے۔ اور اب جس کی زبان سے کوئی ایسا کلمہ نکلے مجھے اُس کی فوراً اطلاع کرو۔ میں نے یہ سزا تجویز کی ہے کہ اگر عام لوگوں میں سے ہوگا تو اُس کا گھر مسمار کرکے اُسے دائم الحبس کر دونگا، اور اگر خاص لوگوں میں سے ہوگا تو اُس کی زبان بند کی جائے گی اور شہر سے نکال دیا جائیگا" اس خبر کے مشہور ہوتے ہی شیعوں نے پھر کوئی کلمہ نہیں کہا۔ اور لوگوں کی زبان بند ہوگئی۔

۵۷۴ھ روز ہفتہ ۲۹، ماہ مبارک رمضان میں ایک ہنگامہ پیدا ہوا وہ یہ کہ صاحب مخزن نے ایک محفل مرتب کی جس میں تمام نامی مشاہیر بغداد و ارکین دولت سب مدعو کیے گئے تھے۔ اُس صحبت میں مختلف معاملات میں بحث ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت پہونچی کہ ابن بغدادی فقیہ نے بیان کیا" عائشہ صدیقہ نے امیر المومنین علی ابن ابی طالب کی عداوت پر کمر باندھی لہذا اُن کا شمار باغیوں اور خارجیوں میں ہونا چاہیے،

اتنا سنتے ہی صاحب مخزن کے تن بدن میں آگ لگ گئی فوراً ابن بغدادی کو جبراً مجلس سے کھینچ کے قید خانہ میں بھیجدیا اور کئی آدمی معین کر دیئے جو اس قید میں اُن پر پہرہ دیں۔

اور خلیفہ کی خدمت میں درخواست بھیجی کہ وہ ابن بغدادی نے ایسے کلمات بیہودہ کہے اور ارتکاب جرم کیا۔ اور اہل سنت میں ایسی برائی پیدا ہو گئی" خلیفہ نے سزا دینی منظور کی اور علمائے بغداد سے مشورہ کرنے کی ہدایت کی۔ صاحب مخزن نے تمام فقہا کو جمع کیا اور اس مضمون پر جواب طلب کیا کہ جو شخص پہلے ایک ایسے اعتقاد کا اقرار کرے اور اُس کے بعد اپنی زبان سے اپنی غلطی کا اعتراف کرے تو سزا اور تعزیر شرعی اُس پر سے ساقط ہو جاتی ہے یا نہیں، مگر ابن بغدادی نے غلطی کا اعتراف نہیں کیا اپنے اُس دعوے پر قائم رہا۔ اور جو لوگ تردید کرتے تھے اُن کی تقریروں کو دلائل و براہین سے رد کرنے لگا۔ اور دیگر فقہا اُس کے قول کی تردید کرتے تھے۔ علامہ ابن جوزی فرماتے ہیں کہ جب باہم ردو قدح ہونے لگا تو میں نے کہا وہ ایسا شخص ایسی خطا میں معذور ہے اُس کی نظر تاریخ اور روایات پر وسیع نہیں ہے اس کا غلط فہمی سے خیال ہے کہ باعث فتنہ و فساد خود جناب عائشہ تھیں اور اُن کو ذاتی عداوت حضرت علی مرتضٰے سے تھی حالانکہ اُسے خبر نہیں کہ اس معرکہ میں دونوں طرف کے فسادیوں اور بدنفس لوگوں نے لڑائی شروع کرا دی اور جناب عائشہ صدیقہ کو بالکل دخل اُس واقعہ میں نہ تھا۔ اگر یہ واقعات صحیح طور پر ہم کو نہ معلوم ہو گئے ہوتے تو ہم بھی بے شک اُسی کے ہم زبان ہوتے لہذا ایسے شخص کی تعزیر یہی ہے کہ اپنی خطا کا اعتراف کرے۔ اور اپنے اعتقاد بیہودہ سے تائب ہو۔ اگر وہ ایسا کرے تو ہمیں چاہیئے کہ اُسکی خطاؤں کو معاف کریں،، میری یہ تقریر جب خلیفہ کو معلوم ہوئی تو اُنہوں نے کہا وہ بے شک یہی رائے ٹھیک ہے،، ابن جوزی ہی کے فتوے پر عمل کیا جائے اور ابن بغدادی کی نسبت حکم جاری کیا کہ وہ اپنے اعتقاد فاسد سے توبہ کرے۔ اور پھر ایسی رائے کا اظہار نہ کرے۔ اور اگر وہ اس حکم کی پابندی کرے تو اُسے قید سے رہائی دیجائے۔

پنجشنبہ ۹ رجب ۵۷۶ھ میں خلیفہ مستضئی اُس محل میں آکے بیٹھا جہاں

وہ وعظ سننے کے لئے معمولاً بیٹھا کرتا تھا۔ میں حسب معمول وعظ کہنے کے لئے ممبر پر جا کے بیٹھا اور احکام شرع بیان کرنے لگا۔ خلیفہ میری طرف دیکھتا جاتا تھا اور میری تقریر یں سن رہا تھا۔ میں نے بیان کرتے کرتے خود خلیفہ کو خاص طور پر نصائح کرنے کے لئے بھی اکثر باتیں بیان کیں۔ یہاں تک کہ مجھے رشید و شیبان کی حکایت بیان کرنا مناسب معلوم ہوئی۔ چنانچہ میں نے کہا۔ ایک روز رشید نے شیبان کو جو اُس عہد کے نامور اور جادو بیان واعظوں میں تھا۔ بلا کے کہا مجھ سے کچھ نصیحتیں بیان کرو۔ شیبان نے دریافت کیا کہ امیر المومنین آیا وہ شخص آپ کو دنیا میں خوفناک کرے تاکہ آپ کو عقبیٰ میں اطمینان حاصل ہو اچھا ہے یا وہ شخص جو آپ کو دنیا میں خوش کرے تاکہ آپ عقبیٰ میں خوفناک رہیں؟ رشید نے کہا اس مختصر جملہ کو ذرا تفصیل سے بیان کرو۔ شیبان نے کہا یعنی جو شخص آپ کو قیامت کے عذابوں سے اور اندیشوں سے ڈرائے۔ اور کہے کہ خوف خدا اپنا شعار کیجئے۔ تاکہ جب ہر شخص خائف ہوگا جس وقت آپ کو لا کے کھڑا کریں گے۔ حساب و کتاب شروع ہوگا۔ اور آپ سے اُن تمام کارروائیوں کا مواخذہ کریں گے جو آپ نے رعایا کے ساتھ کی ہیں۔ آپ کے اعمال کو میزان عدل میں تولیں گے۔ اور آپکے گناہوں کی سزا آپ کے سامنے لا کے پیش کریں گے اُس روز آپ کو اطمینان ہو ایسا شخص آپکے نزدیک اچھا ہے یا وہ شخص جو آپکا دل خوش کرنے کے لئے خوشامدکی اور جھوٹ باتیں آپ کے سامنے بیان کرے۔ اور یہ کہہ کے خوش کر دے کہ اللہ جل شانہ اُن لوگوں سے کسی قسم کا مواخذہ نہ کریگا جو رسول اللہ صلعم کے اعزہ و اقربا ہیں۔ اور اُن کا حساب و کتاب ہی نہ ہوگا۔ یہ تقریر سُن کے رشید اس قدر رویا کہ حاضرین کو اُسکے حال پُر ملال پر ترس آنے لگا۔ اتنا بیان کر کے میں المستنفی کی طرف متوجہ ہوا۔ اور کہا اے امیر المومنین جو عبرت انگیز اور دل میں غم والم کا اثر پیدا کرنے والے خیالات میرے دل میں ہیں اگر اُن کو صاف صاف بیان کردوں تو مجھے حضور کی ناراضی کا خوف ہے اور اگر نہ بیان کروں تو مجھے امیر المومنین کا انجام کار پُر خوف نظر آتا ہے مگر مجرد اُس محبت و ہمدردی کی بنا پر جو مجھے امیر المومنین کے ساتھ ہے، اپنی طرف سے آنکھیں

بند کرکے جو نصیحت و وعظ کا حق ہے اُسے ادا کرتا ہوں۔ اس کے بعد میں نے خلیفہ کے گناہوں کا حال خوب تفصیل سے بیان کیا۔ سب لوگ حیرت زدہ ہی رہ گئے۔ اور میں سب کچھ بیان کرکے ممبر سے اُترا اور اپنے گھر چلا آیا۔

پھر فرماتے ہیں ایک مرتبہ عاشورے کے روز دوبارہ ایسا ہی اتفاق ہوا باب البدر میں اُس مقام کے نیچے جہاں خلیفہ بیٹھکے وعظ سنا کرتا تھا اُس کی موجودگی میں میں نے بیان کیا کہ امیر المومنین اللہ جل شانہ کی ذات باوجودیکہ بالکل بے ہمہ ہے اور کسی بات میں کسی کا محتاج نہیں۔ مگر اُس نے آپ کی خوشنودی کے لئے ہر قسم کا سامان فراہم کر دیا۔ تمام دنیاوی نعمت اور اپنی سب برکتیں آپ کو مرحمت فرمائیں بہتر ہوگا کہ جس طرح اُسنے آپ کو خوش کیا آپ بھی اُسی طرح اُسکو ہر امر میں خوش رکھیئے۔ اور اس کی نعمتوں کی قدر کیجئے۔ اور شکریہ ادا کیجئے۔ میری اس تقریر کا اتنا اثر ہوا کہ اُس روز بعد ختم وعظ خلیفہ نے بہت مال و دولت فقرا پر تقسیم کرایا۔ اور بہت سے قیدیوں کو رہائی دی۔

علامہ یافعی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ خلیفہ مستضی اپنے ایک محاسب پر خفا ہوا۔ اور اس سے نہایت ہی ناراض ہو گیا۔ اُس محاسب کو جب خبر پہونچی تو اُس کو سوا اس کے کچھ نہ بن پڑا کہ بغداد میں چھپ کے بیٹھ رہا اور ایسا مخفی ہوا کہ ملازمان دولت نے ہزار جستجو کی مگر اُس کا کہیں پتہ نہ لگا۔ جب اُس کے مفرور ہو جانے کی خبر خلیفہ کو پہونچی تو اُس کی آتش غضب اور بھڑک اُٹھی حکم دیا کہ اُس کے بھائی کو گرفتار کرلو۔ اس کے بعد یہ فرمان جاری ہوا کہ اُس محافظ مفرور کی غلطی و فرار کے جرم میں اُس کے بھائی سے معتدبہ روپیہ بطور جرمانہ وصول کر لیا جائے تب اُسکو رہائی ملے۔ اُسنے بہزار دقعت روپیہ ادا کر دیا۔ اور اس عذاب سخت سے رہائی پائی۔ اپنے بھائی کیطرف سے اُسنے بے خطا و بے قصور جرمانہ کا روپیہ ادا کیا تھا۔ مجبور ہو کے وہ ابن جوزی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اپنا سارا حال اور خلافت کی تمام زیادتیاں ظاہر کرکے کہنے لگا سعد میں محض بے قصور ہوں۔ اگر خطا ہے تو میرے بھائی کی۔ مگر

مجھ سے جبر کر کے زبردستی روپیہ لیا گیا۔ میں اس شاہی جرمانہ کے ادا کرنے سے تباہ ہو گیا۔ اور اب اپنی زندگی نہیں بسر کر سکتا ہوں۔ ابن جوزی کو اُس پر ترس آ گیا۔ فرمایا اچھا اب جس روز مجلس وعظ منعقد ہو تو بھی آنا۔ اور جب میں بیان کر چکوں کھڑے ہو کے مجھے یاد دلا دینا۔ میں اس بارۂ خاص میں بھی کچھ بیان کر دوں گا۔ شاید تیرا کام نکل جائے۔ دوسرے روز ابن جوزی ممبر پر بیٹھ کے وعظ کہنے لگے۔ خود خلیفہ نے بھی پردے کی آڑ میں سُنا ادھر وعظ ختم ہوئی اور اُدھر وہ شخص اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور عرض کرنے لگا میری داد کو پہونچئے مجھ پر بہت بڑا اور سخت ظلم ہو گیا۔ ابن جوزی نے صاف صاف بیان کر دیا کہ اس قسم کے معاملات میں اکثر زیادتیاں ہو جاتی ہیں۔ یہ شخص بالکل غیر مجرم ہے۔ اس معاملہ سے اُسکو کوئی علاقہ نہیں مگر اُس پر جبر کیا گیا اور جرمانہ وصول کیا گیا۔ بہتر یہی ہے کہ اس سے جس قدر روپیہ وصول کیا گیا ہے واپس دیا جائے۔ اور خود حضرت خلیفہ کا فرض ہے کہ اس سے جو کچھ لیا ہو اُسکی واپسی کا حکم صادر فرمائیں اس کے بعد یہ اشعار پڑھے۔

یذنب الطرف لم تلف الفواد تنفی ثم اخبر بنی یا سعاد

اے سعاد (معشوقہ کا نام) ذرا فرا سے اور اس زیادتی کا تو حال بتا کہ آنکھوں کی خطا کے بدلے میں تو بیچارے دل پر کیوں ظلم کرتی ہے

تجنی زید به عمرو یفاد ذا کی قضیۃ تحکمت اذا ما

بھلا یہ کیسا انصاف ہے کہ زید تو خطا کرے اور عمرو پکڑا جائے (بقول شخصے کہ کرے ڈاڑہی والا اور پکڑا جائے موچھوں والا)

خلیفہ نے یہ اشعار بہت پسند کئے۔ اور اُسکے دل پر ابن جوزی کے ان کلمات کا ایسا اثر ہوا کہ پردے کے اندر سے اُسی وقت حکم دیا کہ فوراً اُس شخص کا مال واپس کیا جائے۔

یہ ایک ایسا امر ہے جس کے ذریعے سے اس امر کا بہت بڑا ثبوت نکلتا ہے کہ اُس عہد میں علماء کے وعظ و نصائح کی صحبت محبہ دشمن لینے کے۔ ینے تھے میں

ہوتی تھی بلکہ پبلک کے بہت سے امور کا دار و مدار انہیں پر ہوا کرتا تھا۔ بادشاہ تک پبلک کا اثر پہونچانے کے لیئے ذرائع جس طرح آج کل کے اخبار ہیں اسی طرح اس زمانے کے دور میں علما و فضلا کی زبان۔ اہل علم کے فتوے اور قصہ خوانوں یا فصیحون کی خطبہ خوانی تھی۔ اور جس وقت تک یہ اثر باقی رہا بادشاہ رعایا کی طرف سے ہرگز غافل نہ ہونے پائے لیکن ادبار آخر ایک ایسا زمانہ بھی لے آیا جب کہ اہل دولت و اہل حکومت نے اپنے کان ایسے بند کر لیئے کہ ان مذکورہ لوگوں کی آوازیں جو پبلک کی آواز و نیز قائم مقام تھیں ان تک کسی طرح نہ پہونچ سکتی تھیں۔

زمانہ کا قاعدہ ہے کہ اہل کمال کو ان کی آزادی کے معاوضہ میں چاہے وہ کتنی ہی جائز ہو ضرور پریشان کرتا ہے۔ اگرچہ اس آزادی کے زمانہ میں اس قسم کے آزار سلطنت کیطرف سے کم پہونچتے ہیں لیکن پبلک کی مخالفت اب بھی کبھی کبھی آزاد مشرب و حق پسند علما پر دنیا تنگ کر دیا کرتی ہے۔ علامۂ ابن جوزی اپنا دامن اس عام اصول دنیاوی سے کیونکر بچا سکتے تھے۔ یہ معلوم ہے کہ اگرچہ ان کا شمار طبقات حنابلہ میں ہے لیکن اصل میں وہ اہل حدیث کے مسلک کے پورے پورے پابند تھے۔ اہل حدیث نے ہمیشہ آزادی کے ساتھہ اپنے ہم زمانہ مبتدعین و مبتلایان شرک کی مخالفت کی ہے۔ ان کا اصول رہتا ہے کہ تمام دنیائے اسلام کو حتی الامکان کلیتہً سنن رسول اللہ صلعم کا پابند بنا دیں۔ یہ ایک کوشش تھی جس نے زمانۂ سلف میں اکثر و نکو صدمہ پہونچایا۔ خود امام محمد بن اسماعیل بخاری علیہ الرحمۃ نے حیران و پریشان ہو کے یہ انتہائے مایوسی کا کلمہ نہایت ہی مقبولیت کی وضع میں زبان سے نکالا تہا کہ "خداوندا تیری زمین وسیع ہے مگر مجھپر تنگ ہوگئی"۔ اس کے بعد ہی انہوں نے سفر آخرت کیا تھا۔ شیخ ابن تیمیہ حرانی کو بھی اسی کوشش میں سالہا سال تک قید کی مصائب برداشت کرنا پڑیں۔ اسی قسم کے خیالات ابن جوزی کو کب آفات دنیاوی سے بچا سکتے تھے ان کا قاعدہ تہا کہ مشائخ صوفیہ اور وہ لوگ جو عموماً اپنے نوری اشراق کے دعوی میں شرع شریف سے گذر جایا کرتے ہیں ان کی مخالفت نہایت آزادی اور سختی سے کیا کرتے تھے۔ جس کے صلہ میں ان بیچارے کو بھی ابن تیمیہ کی طرح تکلیفیں پہونچیں

یافعی ۵۹۰ھ کے واقعات میں علامہ ذہبی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ اس سال ابن جوزی کو پانچ برس کی قید اور تکلیف و شدائد گرفتاری سے رہائی ملی تھی۔ اور لوگوں نے اُن کے دیدار سے مسرت حاصل کی تھی۔ اور حسب بیان ذہبی کے اس گرفتاری کی یہ وجہ تھی کہ ابن جوزی اکثر شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی مخالفت میں طعن و تشنیع سے کام لیا کرتے تھے اور بسا اوقات اُنکی نسبت سخت و سُست اور دل شکنی کرنے والے کلمات کہہ جایا کرتے تھے۔

علامہ ابن جوزی کے حملے کچھ شیخ عبدالقادر جیلانی ہی تک محدود نہ تھے بلکہ وہ دیگر اکابر صوفیہ کی نسبت بھی اکثر سختی اور درشتی سے کام لیا کرتے تھے۔ امام ابوحامد غزالی جو حقیقت میں باعتبار فلسفۂ تصوف کے دنیا کی تمام شائستہ قوموں میں یکتا مانے گئے ہیں اُن کے مطاعن میں ابن جوزی نے ایک خاص فصل باندھ کے بہت ہی آزادی کے ساتھ بحث کی ہے۔ ۵۰۵ھ جس میں امام غزالی نے اس دارِ ناپائدار سے رحلت کی اس سال کے وقائع میں امام غزالی کے حالات تحریر فرما کے لکھتے ہیں کہ ”غزالی کی ایک کتاب ہے احیاء العلوم۔ اُس کتاب میں اُنہوں نے شرع اور فقہ اسلامی کو چھوڑ کے رسوم صوفیہ سے بحث کی ہے“۔ اس کے بعد اُس کتاب کے بعض واقعات نقل کر کے طعن و تشنیع سے کام لیا ہے اور لکھا ہے کہ ایسے واقعات سے اسلام و شرع کو کیا تعلق۔ پھر خود ہی کہتے ہیں کہ میں نے اُس کتاب کی تمام غلطیاں اور لغزشیں ایک علیحدہ کتاب میں ترتیب سے لکھی ہیں۔ جسکا نام ”اعلام الاحیاء با غلاط الاحیاء“ رکھا ہے۔ اس کے سوا اپنی کتاب ”تلبیس ابلیس“ میں بھی میں نے جا بجا اس کتاب کے مباحث کی طرف اشارہ کیا ہے۔ پھر خود ہی امام غزالی پر ایک مخالفانہ ریویو کرتے ہیں۔ جس میں لکھا ہے کہ ”ابوحامد غزالی کو نظر کے محدود ہونے اور زیادہ واقفیت نہ ہونے کی وجہ سے احادیث و اخبار میں بالکل بصیرت نہیں ہے۔ وہ حدیث صحیح اور حدیث ضعیف میں تمیز نہیں کر سکتے۔ اور اسی سبب سے اُنہوں نے اپنی تصانیف میں بہت سی ضعیف اور موضوع احادیث نقل کر دی ہیں اور اُنپر اپنے مسائل میں اعتماد کے ساتھ کام لینا

چاہا ہے۔ اور اس پر بطور شاہد کے یہ واقعہ پیش کیا ہے کہ امام غزالی نے ایک کتاب جو مستظہر باللہ عباسی کے نام سے تصنیف کی ہے اُس میں فرقہ باطنیہ پر اعتراضات کئے ہیں۔ اُس کتاب کے آخر میں چند مواعظ خلفا بیان کئے ہیں۔ منجملہ اُنکے یہ واقعہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ سلیمان بن عبد الملک نے ابی حازم کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ اپنا روزہ افطار کرنے کے لئے جو کچھ رکھا ہو اُس میں سے کچھ مجھے بھی مرحمت فرمایئے۔ ابو حازم نے تھوڑی بھونسی بھیجدی جسکو کمال احتیاط سے بطور اکل حلال کے اپنا روزہ افطار کرنے کے لئے رکھہ چھوڑا تھا۔ سلیمان نے تین روز کا روزہ رکھا اور تیسرے روز اُسی بھونسی سے افطار کیا۔ اُسی شب اپنی زوجہ سے مقاربت کی۔ اور ایسے اکل حلال سے عبد العزیز کا نطفہ قرار پایا۔ اور عبد العزیز جب سن بلوغ کو پہونچا تو اُسکو خدا نے عمر کا ایسا بیٹا مرحمت کیا،، اس پر ابن جوزی اعتراض کرتے ہیں کہ وہ یہ بہت بڑی غلطی ہے اور صاف ظاہر ہوتا ہے کہ غزالی کو تاریخ میں بالکل بصیرت نہ تھی عمر سلیمان کا پوتا نہ تھا۔ بلکہ اُسکے چچا کا بیٹا اور اُس کا چچازاد بھائی تھا۔ جو شخص احادیث کا پرکھنے والا ہو اُس سے ایسی موٹی تاریخی غلطی ہرگز نہ ہو سکے گی الغرض یہی باتیں تھیں جنکی وجہ سے علامۂ ابن جوزی کو جو زمانہ سہنا پڑے۔

ابن جوزی کی رائے تھی کہ یزید بن معاویہ کو بُرا بھلا کہنا اور اس پر لعن وطعن کرنا جائز ہے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس سے اکثر اہل سنت نے مخالفت کی ہے خصوص فقہائے حنفیہ نے نہ اس لئے کہ وہ معاذ اللہ یزید کو اچھا سمجھتے تھے بلکہ اس وجہ سے کہ اہل سنت کے علما کا یہ عام مسلک ہے کہ کسی کو بُرا بھلا کہنے سے اکثر احتراز کرتے ہیں۔ اور یہی وجہ تھی کہ لوگوں نے مخالفتیں کیں۔ اور ابن جوزی اپنی رائے میں روز بروز سختی کرتے گئے چنانچہ عبد المغیث بن زہیر کی مخالفت میں اُنہوں نے ایک کتاب بنام ،، الرد علی المتعصب العنید المانع عن ذم الیزید،، لکھ ڈالی۔ اس بارۂ خاص میں اُن کا زیادہ استناد امام احمد ابن حنبل پر تھا جن سے اُنھوں نے ثابت کیا تھا کہ وہ یزید پر لعن وطعن کرنا جائز تصور کرتے تھے۔ بلکہ یہ روایت نقل کی تھی کہ ایک مرتبہ امام

احمد ابن حنبل کے صاحبزادے نے اُن سے اس مسئلہ کو دریافت کیا تو جواب میں امام ممدوح نے نہایت شرح وبسط سے فرمایا کہ یزید نے اتنی بڑی حرکت کی کہ جناب امام حسین علیہ السلام کو شہید کیا۔ مدینہ منورہ اور حرم محترم کی بے حرمتی کی اس سے بڑھ کے کون فعل ہوسکتا ہے کہ اُس پر لعن طعن کرنا جائز نہ ہو بہر حال ابن جوزی اس رائے پر نہایت استقلال سے قائم تھے۔ مشہور حدیث ہے "المومن لا یکون لعانا"، یعنے مومن کی یہ شان نہیں ہے کہ لوگوں پر لعنت کیا کرے اُسکو وہ صرف اُن لوگوں کی نسبت مخصوص کرتے تھے جن پر لعنت کرنا جائز ہے۔ ایک مرتبہ برسر وعظ کسی نے اُن سے اس امر کو دریافت کیا۔ اُنھوں نے نہایت شرح وبسط سے ثابت کیا کہ یزید پر لعن ضرور کرنا چاہیئے

ابن جوزی کے کمالات میں ایک بات تھی کہ عام سوالوں کا جواب فی البدیہہ اور نہایت شائستگی سے دیا کرتے تھے۔ شاید اُنکے پیشہ وعظ نے اُن کو یہ پالیسی بتائی تھی کہ حتی الامکان عام مذاق کی پابندی کرتے تھے۔ جن موقعوں پر اُنھوں نے صوفیہ کی مخالفت کردی وہ اُن کی طبیعت کا اعتقادی جوش تھا لیکن عام دنیاوی حالتوں میں وہ حتی الامکان لوگوں کو راضی رکھنا چاہتے تھے اسی کا نتیجہ تھا کہ بعض موقعوں پر سخت اور متعصبانہ سوالوں کے جواب میں اُنھوں نے ایسے جواب دیئے کہ لوگوں کو کچھ نہ معلوم ہوا، اور سب خوش ہو گئے۔

ایک مرتبہ وہ ممبر پر بیٹھے ہوئے تھے کہ یکایک کسی شخص نے پوچھا۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مرتبہ زیادہ ہے یا علی بن ابی طالب کا۔ اس کے جواب میں اُنھوں نے ایک عجیب مبہم اور نیا جملہ کہا۔ فرمانے لگے "من کان بنتہ فی بیتہ"، یعنی جن کی بیٹی اُنکے گھر میں تھی۔ سُنی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سمجھے اور شیعہ جناب علی مرتضیٰ کو۔ اور لطف یہ کہ ابن جوزی نے اتنا جواب دے کے پھر یہ موقع نہ دیا کہ کوئی ایک لفظ بھی پوچھے۔ چپکے سے ممبر پر سے اُتر آئے۔ علی ہذا القیاس بعض اور موقعوں پر بھی اُنھوں نے ایسی ہی کارروائیاں کیں۔ ایک مرتبہ اور اُنھوں نے کسی کے جواب میں چار چار چار کہا تھا جس سے چار کی تاکید اور چار کو تین سے ضرب دیکے بارہ دونوں باتیں مفہوم

ہوتی تھیں۔ بہرحال شیعہ و سنیوں کے تعلقات میں اُنھوں نے اکثر ابہام سے کام لیا
علامہ ابن جوزی میں کسی قدر عشق کا مادہ بھی تہا۔ زہادِ خشک کی طرح کسی پریوش
کے مقابلہ میں بےحس نہ تھے۔ اور پھر اس عشق کے جوش کو شاعرانہ طبیعت نے اور بھی
بڑہا دیا تہا۔

ابن جوزی نے ایک پریوش اور نازک ادا عورت سے عقد کیا تہا۔ اُس عورت
کا نام تہا نسیم الصبا، بہت دن تو ناز فروشی و ناز برداری میں گذر گئے۔ لیکن آخر کار
کسی خانگی نزاع پر باہم ایسی ٹھنی کہ علامۂ ممدوح نے چھوٹتے ہی طلاق دیدی مہینہ دو
مہینہ تو بھولے رہے مگر بعد میں جب غصہ فرو ہوا تو اُس کی وہ پیاری پیاری صورت
آنکھوں کے سامنے پھرنے لگی۔ دل ہی دل میں غم کہاتے تھے اور اپنے اوپر لعنت کرتے
تھے۔ اتفاقاً ایک روز وہی نسیم الصبا آپ کے وعظ سننے کو آئی۔ اور آکے عورتوں کے
درمیان میں بیٹھ گئی۔ ان کی نظر جو اُس پر پڑی تو دل ہی دل میں لوٹ گئے۔ لیکن خرابی یہ
ہوئی کہ دو موٹی موٹی بہدسی سی عورتیں درمیان میں ایسی حاجب تھیں کہ بیچارے
اُس کی صورت دیکھنا چاہتے تھے اور نہ دیکھ سکتے تھے۔ بس یک بیک جھلا کے
آپ نے یہ شعر پڑھا۔

ایا جبلی نعمان اللہ حلیا نسیم الصبا یخلص الی نسیمہا

اے وادی نعمان کے دونوں پہاڑو تمہیں خدا کا واسطہ نسیم صبا کا راستہ چھوڑ دو
تاکہ اپنی خوشگوار نسیم میری طرف بھیج سکے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے دل میں
ایک قسم کا ذوق ضرور موجود تہا اور شاید اسی سبب سے اُن کی شاعری بھی مزہ کی تھی۔
جس امر کے متعلق جو اشعار انہوں نے کہے وہ لطف سے خالی نہیں ہیں جن میں دلی
جوش و خروش کے ساتھ اُن کی مجتہدانہ طبیعت اور عالمانہ وسعت نظر و دقت خیال
کا رنگ نظر آرہا ہے۔

اُن کی زندگی کے وہ تمام واقعات جو معلوم ہو سکے لکھدیئے گئے۔ اب صرف
وہی امر باقی رہ گیا جو ایک دن سب کو پیش آنے والا ہے۔ یعنی موت۔ بارہویں ماہ مبارک

رمضان ۵۹۷ھ میں شب جمعہ کو انتقال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ سواد بغداد میں وفات پائی۔ اور باب الحرب میں مدفون ہوئے۔ ابن جوزی ایک عبارت اپنی قبر پر کندہ کرنے کے لئے بتا گئے تھے۔ چنانچہ وہی عبارت اُن کی قبر پر کتابہ کے لگا دی گئی۔ وہ عبارت یہ ہے۔

"یا کثیر الصفح عمن کثر الذنب لدیہ"

"جاءک المذنب یرجو العفو عن جرم یدیہ   انا ضیف وجزاء الضیف حسان الیہ"

اس کا مطلب یہ ہے۔ اے وہ شخص جو اُس شخص کے گناہ اکثر مٹاتا ہے جو بہت بڑا گناہگار ہو۔ گناہگار تیری خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے ہاتھ کے کئے ہوئے گناہوں کی معافی چاہتا ہے۔ میں مہمان ہوں۔ اور مہمان کے ساتھ یہی سلوک کرنا چاہیئے کہ اُس پر احسان کیا جائے۔

اب ابن جوزی کے متعلق کوئی بحث نہیں باقی رہی۔ صرف اس قدر اور بتانا چاہیئے کہ اُن کی تصانیف کتنی اور کس قسم کی ہیں۔ یہ بحث اگرچہ مختصر ہے مگر ابن جوزی کے لکھنا جب یہ بحث کیجائے تو اُسے بہت طولانی ہونا چاہیئے اس لئے کہ ان کی تصانیف انتہا سے زیادہ ہیں۔ علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ ابن جوزی کی تصانیف احاطہ انداز و خیال سے باہر ہیں۔ اور اسی وجہ سے لوگوں کو موقع مل گیا کہ اُنکی تصانیف کے بارے میں مبالغہ سے کام لینے لگے۔ کہتے ہیں کہ اُن کی تمام تصانیف کو یکجا کر کے حساب لگایا اور پھر اُن کی زندگی کے ایام سے مقابلہ کیا تو فی یوم نو جز پڑے۔ واقعی یہ ایک حیرت کی بات ہے۔ اور اگر صحیح ہے تو اُن میں خدا نے تصنیف کی اعجازی قوت دی تھی۔ صرف نقل و کتابت نو جز کی اتنی دشوار ہے کہ آج بھی دنیا میں کوئی نو جز روز لکھنے والا نہیں نظر آتا۔ نہ کہ تصنیف و تالیف جس میں خوض و استنباط کیلئے بھی کافی وقت ملنا چاہیئے۔ بعض مورخین کا بیان ہے کہ ابن جوزی نے اپنی زندگی بھر میں احادیث رسول اللہ صلعم لکھنے کے لئے جب قلم بنایا تو تراشِ قلم رکھ لی اسی طرح قلم کی تراشِ کو جمع کرتے رہے حتٰی کہ انتقال کا وقت آیا۔ اسوقت اُنہوں نے وہ تراش

قلم بکمال کے لوگوں کے سپرد کی اور کہا ‹‹ مجھے نہلانے کے لئے پانی اسی تراش قلم کو جلا کے گرم کرنا اور اسی کی آگ میں گرم کئے ہوئے پانی سے مجھے غسل دینا۔ اُن کی وصیت کے بموجب لوگوں نے ایسا ہی کیا وہ تراش مقدار میں اتنی تھی کہ پانی بخوبی گرم ہو گیا اور اور بچ رہی۔

اُن کی تصانیف میں ایک کتاب ہے ‹‹صفۃ الصفوۃ›› اس کتاب میں اُس وبائے طاعونی کا تفصیلی ذکر کیا ہے جو ۵۶۰ھ میں بمقام بصرہ پیدا ہو گئی تھی جسے طاعون جارف کہتے ہیں۔ یہ ایک ایسا طاعون تھا کہ دنیا کی تاریخیں اُسکے مثل وباؤں سے خالی ہیں اور سُن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ طاعون صرف چار روز ہی رہا تھا مگر چار ہی روز میں اُس نے کیا کر دیا۔ اس کا حال نہ پوچھا جاتا تو اچھا تھا پہلے دن ستر ہزار آدمی مرے۔ دوسرے دن اکہتر ہزار۔ تیسرے دن تہتر ہزار۔ اور چوتھے دن اس قدر لوگ مرے کہ شمار نہ ہو سکا۔ صرف اس قدر خیال کر لیا جائے کہ شہر خالی ہو گیا۔ اور شاید کوئی آدمی ادہر اُدہر نظر آجاتا ہو ورنہ تمام سناٹا پڑا ہوا تھا۔

اس کے علاوہ ان کی ستائیس کتابیں بنائی گئی ہیں جن میں اکثر نہایت طولانی اور بہت بڑی بڑی ضخیم کتابیں ہیں جن میں سے اکثر اس عہد میں بھی موجود ہیں

شیخ ابوالفرج ابن جوزی کا بھی اُن لوگوں میں شمار ہے جن پر آخر عہد میں محدثین کا دار و مدار ہے۔ ہمارے مشہور ناصح جنکی نصیحتوں سے ہندوستان کے ہر بچے کے کان آشنا ہیں۔ شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی اُن کو بھی شیخ ابن جوزی کی شاگردی کا فخر حاصل ہے۔ گلستان میں خود ہی فرماتے ‹‹ ہر روز نصیحت شیخم شیخ ابوالفرج بن جوزی علیہ الرحمۃ یاد م آمد ›› جو لوگ عربی سے نہیں واقف ہیں اُن کی نظر بہت محدود ہوتی ہے اور انہیں اسلامی علماء کا پایہ اور مرتبہ درکنار اُنکے نام گرامی بھی کم معلوم ہوا کرتے ہیں۔ ایسے لوگ سوا اس کے کہ ہمارے کہنے پر عمل کریں اور کچھ نہیں کر سکتے۔ لیکن وہ لوگ جن کی نظر سے عربی خصوص فن حدیث کی کتابیں گذری ہیں وہی کچھ خوب جان سکتے ہیں کہ علامہ ابن جوزی طبقات محدثین میں کس شان اور کس پایہ

کے بزرگ ہیں۔ اُنھوں نے تاریخ خطیب بغدادی کو بھی مختصر کیا تھا۔ اور سب سے قطع نظر اُن کی کتاب موضوعات جس میں احادیث موضوعہ کو اُنھوں نے نہایت حسن و خوبی سے اور شائستہ ترتیب سے جمع کر دیا ہے۔ اور سہولت کر دی ہے کچھ لوگ دھوکا کھا کے اُن جھوٹی اور موضوع احادیث پر اعتبار نہ کرنے لگیں جو عوام میں مروج ہو گئی ہیں۔ یہ کتاب آج ہمارے ہاتھ میں کثرت سے موجود ہے۔ اور چھپ گئی ہے۔ اور تمام دنیا کے اہل حدیث اُس سے اعتماد و اطمینان کے ساتھ نفع اُٹھا رہے ہیں۔

زیادہ تر غور طلب یہ امر ہے کہ ابن جوزی نے اپنے عہد کے صوفیہ سے مخالفت کی جس کی بنا پر آج بھی صوفیہ کے خیالات اُن کی نسبت اچھے نہیں ہیں۔ یہ نسبت صوفیہ اور اہل شرع میں ہمیشہ سے چلی آتی ہے۔ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو محدثین اور اہل شرع بالکل حق پر ہیں۔ وہ اگر کسی کی مخالفت کرتے ہیں تو اپنی زبان سے نہیں کرتے۔ اُن کی مخالفت کا باعث صرف وہ آیات و احادیث ہوتی ہیں جن کی مخالفت کیجاتی ہے۔ وہ اپنے فتوے اور اپنے خیالات میں آزاد ہیں۔ اگر اُن کو کسی نے برا کہا تو صرف اس لیے کہ اُس نے اُن آیات و احادیث کی مخالفت کی جن پر اُن کے اجتہادات اور فیصلوں کی بنا قائم ہے۔ وہ اپنی اس آزادی میں نہ کسی امام کی وجاہت اسمی کا خیال کرتے ہیں۔ اور نہ کسی کی مقبولیت عامہ اور مرجعیت کو دیکھتے ہیں۔ اُن کو ذرا پروا نہیں ہوتی کہ کوئی اُنھیں برا بھلا کہہ رہا ہے۔ وہ اپنے نزدیک اور اپنے اعتقاد میں اپنا فرض پورا کر دیتے ہیں۔

اب ایسا زمانہ آگیا کہ تحقیقات کا دروازہ کھل گیا۔ ایسے وقت میں یہ راز خود بخود کھلتا جاتا ہے کہ ابن جوزی یا اُن کے ایسے دیگر محدثین و علماء نے جو کچھ لکھا ہے وہ کہاں تک حق کو لئے ہوئے ہے۔ ابن جوزی کا یہ الزام خاص نہیں عام ہے کہ اہل صوفیہ احادیث کی روایت میں بالکل احتیاط سے کام نہیں لیتے۔ بہت سی موضوع حدیثیں انہیں لوگوں کی وجہ سے دنیا میں مشہور ہو گئیں جن کی اب تکذیب کیجاتی ہے لوگوں کو تعجب معلوم ہوتا ہے اور وہ ضد کرنے لگتے ہیں کہ جس بات کو بچپن سے سنتے آتے ہیں اُسے جھوٹ کیونکر کہدیں۔

ابراہیم حربی

ابراہیم بن اسحاق بن ابراہیم الفقیہ ابو اسحاق حربی ۱۹۸ھ میں پیدا ہوئے
ان کے بدر بزرگوار گروہ مرو سے ہیں۔ اور اُن کی والدہ قبیلہ بنی تغلب سے ۔ یہ اپنے زمانہ کے
امام تھے فقہائے اسلام میں بڑے پائے اور مرتبے کے مانے گئے ۔ امام احمد بن حنبل
کے ہمعصر تھے ۔ خطیب نے جو کچھ ان بزرگوار کی شان میں کہا ہے اُسکو سا عد بن سماک روایت
کرتے ہیں "وکان اماماً فی العلم راساً فی الزہد عارفاً بالفقہ لبصیرا بالاحکام حافظاً للحدیث
قیماً للادب"۔ یعنی ابراہیم علم و دانش میں اپنے ہمعصر فضلا کا پیشوا ہے اور زاہدوں میں
تو گویا راس الرئیس ہیں۔ اصول و فقہ میں بہت بڑے عارف اور حدیث میں تو اُنکو کمال
تبحر اور رہا و دانشمند ہے ۔ علوم عربیہ اور ادب میں یگانۂ دہر اور علامۂ زمانہ ہیں مسعودی
علامۂ حربی کی نہ صرف باعتبار علم کے تعریف کرتا ہے بلکہ جود اور بخشش کا بھی معترف ہے
وہ کہتا ہے "کان فصیحاً جواداً عفیفاً" یعنی ابراہیم نہ صرف فصیح اور بلیغ ہیں بلکہ جود اور بخشش
میں بھی ایک اعلیٰ صفت سے موصوف تھے ۔ اور نہایت پرہیزگار باخدا تھے ۔ دارقطنی
نے تو اُنکے کمال علم اور زہد و اتقاء کو امام احمد بن حنبل سے مشابہت دی ہے ۔ دارقطنی
کہتے ہیں "کان اماماً یقاس باحمد بن حنبل فی زہدہ وعلمہ" یعنی ابراہیم اپنے زہد و تقویٰ
اور کمال علم میں امام احمد بن حنبل سے کچھ کم نہ تھے۔ بلکہ اُنکے مثل قیاس کرنا چاہیئے۔

ابو عمر و زاہد تغلب سے نقل کرتے ہیں کہ میں پچاس برس تک برابر ابراہیم کی درسگاہ
میں حاضر ہوتا رہا لیکن کوئی وقت اُن کو طالب علموں کی تعلیم سے فارغ البال نہیں پاتا
تھا اپنے ہاتھ سے قواعد نحو اور لغت کے لکھکر تلامذہ کو دیتے ۔ لیکن کبھی اُن سے کوئی اُجرت
نہ چاہتے۔

عبد اللہ بن احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ میرے باپ احمد بن حنبل مجھ سے فرماتے
تھے کہ اے فرزند استفادۂ فرائض کے لئے تجھکو چاہیئے کہ ابراہیم حربی کی درسگاہ میں اپنی
حاضری کا التزام کر کیونکہ ابراہیم کی صحبت بہت مغتنمات سے ہے ۔ ان کی صحبت میں

نہ صرف ظاہری فیضان ہیں بلکہ فضائل معنویہ سے بھی اُن کی صحبت میں بہرہ یاب ہوگئے
ابراہیم نے اپنے تبحر زہد اور تقوای میں اپنے ہم عصروں میں بہت ہی ممتاز اور دنیوی
آلائش سے نہایت پاک اور مبرا ثابت کیا اُن کی معیشت اور گذران نہایت قلیل تھی
چنانچہ اُنکے حالات میں لکھا ہے۔ اور ابراہیم سے خود منقول ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ جو
شخص خدا کی مشیت اور رضامندی میں راضی نہیں ہے۔ درحقیقت اُسکی عیش اور
زندگانی دشوار ہوگی مجکو دیکھو کہ اگر میرا قمیص سفید اور پاکیزہ ہے تو میرا پائجامہ میلا کچیلا
کثیف رہتا ہے۔ مجکو کبھی یاد نہیں ہے کہ میرا پائجامہ اور قمیص دونوں صاف ہوں۔ جب
پائجامہ صاف اور نیا ہے تو قمیص میلا اور پُرانا ہوتا ہے۔ کیونکہ اپنی تمام عمر اس امر پر میں
قادر نہیں ہوا کہ کُرتہ اور پائجامہ دونوں نئے بنا سکوں۔ اور ایک وقت میں دونوں نئے
پہن سکوں۔ جب کبھی مجکو مرض طاری ہوتا ہے تو میں اُس مرض کا اظہار نہیں کرتا ہوں
کیونکہ عقلمندوں کی یہی مردانگی ہے کہ سختی اور تکلیف اور مرض میں تحمل اختیار کریں اور
اپنے اہل وعیال سے اُس کا اظہار نہ کریں۔ اسواسطے کہ اپنے ساتھ اپنے متعلقین
کو رنج دینا اور سختی اور تکلیف میں مبتلا کرنا کوئی ضرور نہیں۔

دو چالیس برس سے درد سر کی تکلیف اور اُس کے اشتداد کی سختی سے میری جان جاتی
ہے لیکن شب و روز اُسی طور پر گذران کرتا ہوں۔ تیس برس سے میری قسمت کا رزق ہر
روز دو روٹیاں تھیں جسکو میری ماں یا میری بہن لاکر دیا کرتیں۔ اگر کبھی اس میں ناغہ ہو جاتی تو میں
اُسی طور پر بھوکا سو رہتا اور دوسرے روز بھی اُسی گرسنگی میں بسر ہوتا۔ اب اُس زمانے
کے بعد سے تیس برس گذرنے ہیں کہ میرے نصیب کی صرف ایک روٹی ہے۔ اگر میری بیاری
بیٹی یا بیوی مجھکو دے جاتی۔ ورنہ اُسی طور پر بھوکا رہتا اور اُسی حالت میں دوسری شام
کر دیتا کسی پر اپنی یہ حالت ظاہر نہ کرتا لیکن اب تو نصف روٹی اور چار زرمد پر بسر اوقات
رہ گئی ہے۔ جس کی نسبت یہ بھی امید نہیں ہے کہ دوسرے روز بھی یہ مقدار مجھکو میسر
ہوگا یا نہیں اور مجکو نہیں یاد ہے کہ ایک روز یا ایک وقت میں دو طرح کے کھانوں پر مجھکو
قدرت حاصل ہوئی ہو۔"

احمد بن سلیمان قطعی ابراہیم کے زہد و ورع کی ایک حکایت نقل کرتے ہیں کہ ایک زمانہ میں میں بہت تنگدست تھا۔ افلاس نے مجھ پورا قبضہ کر لیا تھا اور زمانہ کی جفا کاریوں سے میں اب تنگ آکر جان سے بیزار تھا۔ اسی عالم تنگدستی میں میں ابراہیم کے دولتسرا پر حاضر ہوا۔ اپنا حال کہا۔ میرے حال پر ابراہیم کو نہایت رحم آیا۔ میری پریشانیوں کو سنکر بہت روئے اور نہایت مہربانی کے ساتھ کہا کہ انسان کو سختیوں اور تکلیفوں میں سوائے صبر اور شکیبائی کے کوئی چارہ نہیں ہے۔ ہرگز ہرگز عسرت اور تنگدستی میں اندوہناک نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ بنی آدم کا رزق۔ رازق حقیقی کے ہاتھ میں ہے۔ مجھ پر ایک ایسا زمانہ گذرا کہ میں تنگدستی سے ایسا سخت لاچار ہو گیا تھا کہ ایک وقت کا کھانا بھی میرے پاس نہ تھا میری بیوی نے اس عسرت اور افلاس سے تنگ آکر نہایت غصے سے کہا کہ فرض کرو کہ ہم اور تم فقر و فاقہ کے ساتھ بسر کر سکتے ہیں لیکن یہ ہمارے چھوٹے چھوٹے معصوم بچے بھوک کی تاب کب لاسکینگے اور پھر کب تک بسر کریں اور ہمارے ساتھ بھوکوں مریں اب تو تم کو لازم ہے کہ اپنی کوئی کتاب بیچ ڈالو اور اس کے روپیہ سے اپنے بال بچوں کی فاقہ شکنی کرو لیکن مجھکو اپنی قیمتی کتابوں کے بیچنے سے ازحد انکار تھا میں نے اُس سے کہا کہ لڑکوں کے کھانے کے واسطے تو کسی سے قرض لے آؤ اور تھوڑی سی مہلت مجھکو دو تاکہ میں اُس منعم حقیقی کی مہربانیوں کو دیکھوں شاید وہ مجھ پر رحم کرے۔ آخر کار میں اُس حجرے میں گیا جس میں کتب خانہ تھا اور دن بھر کتابوں کا مطالعہ کرتا رہا۔ یہاں تک کہ شام ہو گئی۔ اسی درمیان میں میری کوٹھی کے دروازے کو کسی نے کھٹکھٹایا۔ میں دروازے کیطرف گیا اور دریافت کیا کہ تم کون ہو۔ اُسنے کہا کہ میں تمہارا پڑوسی ہوں۔ میں نے دروازہ کھولدیا۔ اور اُسکو اندر بلا لیا۔ اُس نے کہا کہ چراغ بجھا دو۔ میں نے چراغ بجھا دیا۔ اور وہ اندر داخل ہوا۔ کوئی چیز میرے سامنے رکھدی اور چلا گیا۔ میں نے چراغ جلایا دیکھا کہ ایک قیمتی ریشمی پگڑی کے کونے میں نہایت عمدہ عمدہ قسم کے کھانے اور طرح طرح کے میوے اُس میں بندھے ہوئے ہیں اور اُسی میں ایک کاغذ کی پڑیا رکھی تھی جب اُسکو کھولکے میں نے دیکھا

تو پانچ سو درہم اُس میں پائے۔ نہایت ہی مسرور اور خوش ہوا۔ اپنی بیوی کو میں نے بلایا اور کھانا دیا اور جو کچھ روپیہ تھا اُس سے اپنا قرضہ ادا کیا۔ دوسرے روز میں اپنے دروازے پر بیٹھا تھا اور یہ وہ زمانہ تھا جبکہ حجاج خراسان حج سے واپس آتے ہیں۔ ایک شتربان کو دیکھا کہ دو اونٹوں کی مہار اپنے ہاتھ میں لئے میری طرف آرہا ہے۔ جب میرے نزدیک پہونچا مجھ سے پوچھا کہ ابراہیم حربی کون ہے میں نے کہا کہ میں ہی ہوں پس شتربان نے اونٹوں کو بٹھا دیا اور کہا جو کچھ روپیہ اس پر لدا ہوا ہے یہ ایک خراسانی نے تجھ کو دیا ہے۔ میں نے کہا کہ اُن بزرگوار کا نام کیا ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ مجھکو قسم دی ہے کہ میرا نام نہ بتانا۔

یاقوت حموی عثمان رازی سے حکایت کرتے ہیں کہ ایک زمانہ میں المعتضد باللہ عباسی نے دس ہزار درہم ابراہیم کو بھیجے اور کہلا بھیجا کہ یہ روپیہ مستحقین کو تقسیم کردیجئے ابراہیم نے وہ روپیہ قبول نہ کیا اور خلیفہ کو واپس کردیا لیکن خلیفہ نے دوبارہ اُس زر کو بھیجا اور کہلا بھیجا کہ اپنے ہمسائے کے لوگوں کو تقسیم کردیجئے۔ ابراہیم نے کہا کہ میں ایسے روپیہ سے اپنے ہاتھ کو نجس نہ کرونگا۔ کیونکہ جب میں نے مال دنیا کے جمع کرنے سے پرہیز کیا ہے تو مجھکو اُس کے تقسیم کرنے سے بھی انکار ہے۔ امیرالمومنین مجھکو اس تکلیف اور زحمت سے معاف رکھیں ورنہ زیادہ اصرار پر میں اس شہر اور مکان کو بھی چھوڑ دوں گا فقیر اپنا جھونپڑا دوسری جگہ ڈال لیگا۔

یاقوت حموی ابوالقاسم ختلی سے نقل کرتے ہیں کہ ایک زمانہ میں ابراہیم نہایت شدید عارضہ میں مبتلا تھے اُن کی عیادت کو میں گیا۔ اُن کے مرض کا حال دریافت کیا کہا کہ اے ابوالقاسم مجھکو خانہ داری کے بکھیڑوں اور اپنی لڑکی کی شکایتوں سے زیادہ تر مصیبت میں ہوں اور لڑکی کو بلا کر کہا کہ جو کچھ تجکو برخلاف میرے کہنا ہے اپنے چچا سے کہو۔ وہ عفت مآب صاحبزادی میری طرف متوجہ ہوئی کہ اے میرے چچا۔ افلاس کی سختیوں اور فقر و فاقہ کی تکلیفوں سے میری زندگی نہایت تلخ ہے اور ہفتوں اس امر میں گذرتے ہیں اور ایسی حالت میں کٹتے ہیں کہ میں ایک ذوق کے

کھلنے پر قادر نہیں ہوتی۔ جس سے اپنی بھوک کو ماروں۔ پھر اس عالم افلاس میں باپ میرا بیمار پڑا ہے۔ جس کی تیمارداری کچھ نہیں ہو سکتی اور اُس پر یہ حالت ہے کہ کل خلیفہ معتضد نے دس ہزار درہم بھیجے لیکن اُسکو قبول نہ کیا اور سوائے اُس کے اور لوگوں نے بھی نذریں پیش کیں لیکن اُسکو بھی نہیں قبول کیا۔ لڑکی جب یہ شکایت کر چکی تو ابراہیم ہنسے اور کہا کہ اے لڑکی کیا تو اپنے تئیں مسکین اور فقیر سمجھتی ہے؟ اُس نے کہا کہ ہاں۔ ابراہیم نے کہا کہ جیسا تیرا گمان ہے ویسی بات ہرگز نہیں۔ فلاں کمرے میں بارہ ہزار کتابیں لغت عربیہ اور مسائل نحو کی میرے ہاتھ کی لکھی ہوئی موجود ہیں اور ہر ایک کتاب کی قیمت ایک درہم سے کم نہیں ہے۔ اگر میں بیچنا چاہوں تو بارہ ہزار کا ذخیرہ میرے پاس ہے۔ اب میں تجھکو وصیت کرتا ہوں کہ میرے مرنے کے بعد ہر روز ایک کتاب کو ایک درہم پر بیچنا اور اپنی خانہ داری میں صرف کرنا۔ تو ہی بتا کہ جس کے پاس بارہ ہزار کی مالیت موجود ہو وہ کیونکر فقیر اور محتاج ہو سکتا ہے۔

اِس سے بڑھکر اُس کے زہد و لقوئی کی ایک مثال یہ ہے کہ قاضی اسماعیل بن اسحاق ابراہیم کی ملاقات کا بہت شائق تھا اُسکو نہایت آرزو تھی کہ ابراہیم سے میں کسی طور ملوں۔ لیکن ابراہیم ہمیشہ اُس کی ملاقات سے پرہیز کرتے اور کہتے تھے کہ جسکے دروازے پر دربان اور حاجب ہوں اُس کے دروازے پر میں کبھی قدم نہ رکھوں گا۔ اسمٰعیل کے دربار میں حاضر ہونے والوں میں سے یہ خبر قاضی کے کان تک کسی نے پہونچا دی۔ قاضی نے کہا کہ اگر ابراہیم کو یہی عذر ہے تو میں اپنے دروازے کو جامع مسجد کے دروازے کی طرح کر دونگا جس میں کسی کی روک ٹوک نہ ہو اور دربانوں کو اپنے دروازے سے ہٹائے دیتا ہوں۔ جب ابراہیم کو یہ بات معلوم ہو گئی تو قاضی کی ملاقات کو گئے اور جب جوتے اُتارے۔ قاضی نے ابراہیم کی نعلین ایک نہایت عمدہ ریشمی پارچہ میں لپیٹکر اپنی آستین میں رکھ لیں۔ جب مجلس برخاست ہوئی اور ابراہیم اپنی نعلینوں کو ڈھونڈھنے لگے۔ قاضی نے اپنی آستین سے نعلین نکال کر پیش کی۔ ابراہیم اس عزت اور امتیاز سے نہایت خوش ہوئے اور کہا کہ چونکہ تم نے علم کی نہایت عزت کی ہے۔ میں دعا کرتا

ہوں کہ خدا تمکو اس اعزاز کا اجر دے - اور اپنی رحمت سے تیرے گناہ بخشدے -

کہتے ہیں کہ جب قاضی نے انتقال کیا تو عالم رویا میں کسی نے اُسکو خواب میں دیکھا - اُس کا حال پوچھا - قاضی نے کہا کہ خدا نے ابراہیم کی دعا قبول کی اور میرے گناہ بخشدیئے -

ابراہیم سے منقول ہے کہ جب میں کوئی شعر پڑھتا ہوں تو اُس کے کفارے میں تین مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ لیتا ہوں -

مسعودی سے منقول ہے کہ ابراہیم جمعہ کے روز جامع مسجد غربی بغداد میں لوگوں کے افادہ کے واسطے بیٹھتے گرد پیش اُن کے اہل غرض آکر جمع ہوتے - ہر ایک شخص اپنی آرزو اور تمنا اور خواہشوں کو ایک کاغذ پر لکھکر پیش کرتا تاکہ ہر ایک اہل غرض کا مطلب یاد رہے ابراہیم ہر ایک کے واسطے اُس کے حسب خواہش دعا مانگتے اور حاضرین آمین کہتے -

ابواسحاق ابراہیم بن جابر سے منقول ہے کہ ایک جمعہ کو ابراہیم کے حلقہ میں میں حاضر تھا کہ دو گرجی تاجروں کے حسین اور مہ جبین لڑکے جو اپنے حسن اور دلآرائی میں شہرۂ آفاق تھے ابراہیم کے حلقۂ اوراد و وعظ میں حاضر ہوئے - ان دونوں میں ایسا اتحاد تھا کہ گویا ایک روح اور دو قالب تھے - دونوں ساتھ ہی آکے بیٹھے اور ساتھ ہی رخصت ہوئے - تھوڑے دنوں کے بعد پھر ایک مرتبہ میں ابراہیم کے حلقۂ اوراد و وعظ میں حاضر ہوا اس مرتبہ میں نے اُن دونوں لڑکوں میں سے ایک ہی کو دیکھا - لیکن نہایت اندوہگین اور غمناک اور نہایت محزون اور ناصبور - رخسار لعلگون مارے غم کے زرد ہو گئے تھے اور چشم نیم مست اشک آلودہ - اُس لڑکے سے میں نے دریافت کیا کہ اے صاحبزادے یہ تمہاری کیا حالت ہے معلوم ہوا کہ اُس کا دوسرا ساتھی کچھ علیل ہو گیا ہے اپنے پیارے اور عزیز دوست کی محبت میں اور اس کی علالت کی پریشانیوں نے اسکی یہ حالت کر دی ہے جب میں دوسرے جمعہ کو حاضر ہوا تو دوسرے لڑکے کو جو پہلے جمعہ میں حاضر نہ تھا بیٹھا ہوا دیکھا لیکن یہ بھی نہایت غمگین اور محزون اور نہایت رنجیدہ اور

حسرت آلود۔ اُس کی اس افسردگی سے معلوم ہوتا تھا کہ آپس میں کچھ کدورتیں پیدا ہو گئی
ہیں۔ اب دونوں برابر حاضر تو ہوتے ہیں لیکن جب ایک دوسرے کو بیٹھا دیکھتا ہے تو وہ
نہیں آتا۔ غرض اب ہر جمعہ کو ایک ہی تنہا حاضر ہوتا رہا۔ یہانتک کہ ایک جمعہ میں اُن دونوں
میں کا ایک میرے قریب بیٹھا تھا کہ اتفاقاً دوسرا لڑکا بھی ایک لحظہ کے بعد آگیا۔ یہ لڑکا
جو میرے پاس بیٹھا تھا کنکھیوں سے دیکھتا رہا۔ آخرکار اُسکو صبر نہ ہو سکا اور بے اختیار
رونے لگا اور نہایت بیتابی سے اُس کی گریہ وزاری تھی جو ایک متاثر حالت پیدا کر رہی تھی
اُسوقت اپنی جیب سے کئی رقعے نکالے اور ایک رقعہ ابراہیم کے حلقہ کے اندر ڈالدیا اور
خود نہایت شرم اور حیا سے چھپ گیا۔ ابراہیم بن جابر کہتے ہیں کہ اُسوقت ابو عبداللہ
حسین بن جوریہ میرے داہنے جانب بیٹھے تھے لیکن میں کنکھیوں سے اُس بیچارے لڑکے
کو دیکھتا جاتا تھا جب ابراہیم کے ہاتھ میں رقعہ پہونچا ابراہیم نے اُسکو پڑھکے تامل
کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد دعا کے واسطے ہاتھ اُٹھائے کہ اے خدا اُنکے دلوں سے کدورت
دفع کر دے۔ حاضرین نے دستور کے موافق آمین کہی اور رقعہ کو لپیٹ کر میرے پاس
پھینکدیا۔ جب میں نے اُس رقعہ کو کھولا تو یہ دو بیت اُسمیں لکھے تھے جسکا مطلب
یہ تھا۔ کہ اے بزرگ بدہ گروہ تم خدا کے مقبول بندوں میں سے ہو اور خدا نے تمپر رحمت کی
ہے تم اُن دونوں دوستوں کے واسطے دعا کرو۔ جن میں تفرقہ اندازوں اور چغلخوروں نے
چغلیاں کہا کر تفرقہ ڈلوا دیا ہے۔ اُن کی پاک محبت میں کدورتیں پیدا کر دیں اور اُنکی ہمیشہ کی
دوستی میں تفرقہ پڑ گیا۔ بس اُس رقعہ کو میں نے نہایت احتیاط سے رکھ چھوڑا یہانتک کہ
دوسرے جمعہ کو میں نے ابن جوریہ سے کہا کہ دیکھو شیخ کی دعا مقبول ہوئی آج یہ دونوں
مہ جبین کس اخلاص اور محبت سے بیٹھے ہیں جنکو تم نے کل جدا دیکھا تھا اتفاقاً اُسی
سال حج بیت اللہ کو میں گیا۔ ہر موقعہ پہ میں نے اُن دونوں کو حج کرنے اور ارکان
حج ادا کرنے پایا۔

سعودی سے منقول ہے کہ ابراہیم باوجود اس ورع اور تقوے کے نرے
زاہد خشک نہ تھے بلکہ نہایت خوش خلق اور نیک مزاج اور متواضع تھے اپنے تلامذہ

کے حالات دریافت کرتے رہتے ایک مرتبہ اُن کی جماعت کے نوجوان طالب علموں سے ایک طالب علم حاضر نہ تھا۔ آپنے لوگوں سے دریافت کیا کہ فلاں شخص کہاں ہے کسی نے کہدیا کہ وہ تو اپنے شغل میں ہے۔ کیونکہ طالب علموں نے بلحاظ تہذیب اُس طالب علم کے حقیقت حال سے مطلع کرنا مناسب نہ سمجھا اسواسطے کہ وہ ایک حسین لڑکی پر مفتوں اور شیدا تھا اور اُس کے عشق نے مدرسہ ابراہیم چھڑا دیا تھا لیکن ابراہیم کو اُس گول گول جواب سے تشفی نہ ہوئی ابراہیم نے مکرر استفسار کمال کیا۔ حاضرین نے پھر وہی جواب دیا (ہو مشغول) یعنی وہ اپنے مشغلہ میں ہے۔ ابراہیم نے کہا کہ اے قوم اُس جوان کے مفصل حالات سے مجھکو کیوں مطلع نہیں کرتے ہو۔ اگر وہ کسی مرض میں گرفتار ہوگیا ہے تو اُسکی عیادت کو جاؤں۔ اگر اُس پر قرض کا بار گران ہے تو زحمت قرض سے اُس کی رہائی کی تدبیر کروں اور اگر اُسکو کسی علت میں قید کیا ہے تو اُسکی خلاصی کی فکر کیجائے لوگوں نے عرض کیا کہ اے ہمارے برگزیدہ اور مقدس بزرگوار تیری ایسی پاکیزہ اور مقدس مجلس ہے جس میں ہم اُس کے ذلیل حالات کا تذکرہ کرنا نہیں چاہتے۔ ابراہیم نے حکم دیا کہ تمکو لازمی اور ضروری اُس کے حالات بیان کرنا ہوں گے آخر کار لوگوں نے کہا کہ وہ ایک نازنین معشوقہ کے عشق میں گرفتار ہے اُسکے عشق جانسوز نے اُسکو آپ کی پاکیزہ مجلس سے محروم رکھا۔ ابراہیم اس بات کو سنکر نہایت غمگین اور متاسف ہوا اور تھوڑی دیر خاموشی کے عالم میں کچھ غور کرتا رہا بعد اُسکے حاضرین سے سوال کیا۔ اُس کی معشوقہ کیا بہت نازنین اور خوبصورت گوری مہ جبین ہے یا کریہہ منظر اور بدصورت ہے؟ لوگوں نے اس کلام کے سُننے سے نہایت تعجب سے کہا کہ یہ آپ کیا فرماتے ہیں۔ آپ ایسے مقدس بزرگوار کو ان امورات کی توضیح اور تفصیل سے کیا مطلب۔ ایسے مقدس اور پاکیزہ جلسہ میں ایسے ذلیل اذکار سے کیا تعلق ہے ابراہیم نے کہا اے نادان لوگو! تمکو نہیں معلوم ہے جو شخص کسی بدصورت پر عاشق ہوتا ہے۔ وہ درحقیقت اُسکے

واسطے ایک بلا ہے جو اُس پر نازل ہوئی ہے اُس کی خلاصی کے واسطے خداوند کریم سے دعا مانگنا چاہیئے اور اگر کسی حسین، اور مہ جبین پری وش کے اوپر دل آوے وہ درحقیقت خداوند کریم کی نوازش اور عنایت ہے اُس کی مفارقت اور مہاجرت میں صبر کرنا چاہیئے۔

ابو نعیم کہتا ہے ان باتوں سے مجھکو زیادہ حیرت ہوئی۔ ابراہیم حربی ایک مرتبہ کچھ سونا خریدنے کو بازار گئے اور عباس بقال کی دوکان پر جاکے ٹھیرے ایک پیسہ اُس کے حوالہ کیا۔ ہنوز ابھی یہ نہ کہنے پائے تھے کہ ہم نہیں کیا چیز لینی ہے کہ اتنے میں عباس سے خود ہی متوجہ ہو کے کہا۔ کہ یا شیخ آپکو گذشتہ فیاضیوں کے کچھ واقعات بھی یاد ہیں اور اُن میں اگر کوئی سُنا ہو تو کوئی واقعہ مجھکو بھی سُنائیے آپ نے فرمایا سُنو یا

ایک دن جناب امام حسن علیہ السلام کا مدینہ منورہ کے ایک نخلستان میں گذر ہوا۔ دیکھا کہ ایک حبشی غلام بیٹھا ہے اُسکے سامنے ایک روٹی رکھی ہے۔ اُس کے برابر ایک کتا کھڑا ہے غلام ایک ٹکڑا خود کھاتا ہے اور ایک ٹکڑا اُس کتے کو دیتا جاتا ہے۔ اسی طرح ہوتے ہوتے روٹی تمام ہوگئی۔

امام حسن اُس غلام کے قریب گئے اور دریافت فرمایا کہ تو نے روٹی میں اس کتے کو کیوں شریک کر لیا۔ اُس نے جواب دیا دو مجھے شرم آتی ہے کہ میں تو پیٹ بھر وں اور یہ بے زبان جو بیکسی سے کھڑا میرا منہ دیکھ رہا ہے یونہی رہجاوے آپ کو یہ سن کے حیرت معلوم ہوئی۔ اُس سے پوچھا کہ تیرا آقا کون ہے اور یہ باغ کس کا ہے۔ اُس نے کہا کہ میرا آقا ابان بن عثمان ہیں اور یہ باغ بھی اُنھیں کا ہے یہ سُن کے آپ نے اُسے قسم دلائی کہ آپ کی واپسی کے وقت تک وہ اسی جگہ ٹھہرا رہے اور جب تک آپ تشریف نہ لائیں اُس وقت تک وہ کہیں نہ جائے جب اُس سے قسم لے چکے اور وہ مستحکم اپنی حاضری کا وعدہ کر چکا تو اب وہاں سے روانہ ہوئے۔

امام حسن علیہ السلام سیدھے وہاں سے ابان بن عثمان کے پاس گئے اور فرمایا کہ اپنا فلاں باغ اور فلاں غلام آپ میرے ہاتھ فروخت کرڈالئے۔ ابان کو اپنی کوئی ملکیت جگر گوشۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عزیز نہیں ہوسکتی تھی۔ انہوں نے اُسی وقت دونوں چیزیں بیچ ڈالیں۔ وہاں سے آپ پھر اُس غلام کے پاس واپس گئے اور فرمایا کہ "میں نے تجھے اور اس باغ کو تیرے مالک سے مول لیا ہے اب تجھے آزاد کرتا ہوں اور یہ باغ بسر اوقات کے لئے تجھے دیتا ہوں"۔ غلام نے کہا "تو میں نے بھی اس باغ کو خدا کی خوشنودی کے لئے اُس کی راہ میں وقف کر دیا تاکہ عام لوگ اُس سے نفع اُٹھائیں"۔

دوکاندار نے یہ روایت سُن کے اپنے ہیش دست سے کہا کہ ابراہیم کے پاس تو ایک پیسہ ہے مگر یہ جو چیز خریدتے ہوں اُسی ایک پیسہ کے معاوضہ میں انہیں پورے ایک روپیہ کا سودا دیدو لیکن اسکو ابراہیم نے منظور نہیں کیا۔

ابراہیم نہ سیدھے سادھے مُلّا تھے بلکہ مذاق سخن میں اونکو اعلیٰ درجہ کا ذوق تھا اگرچہ طبیعت موزون اور فکر رسا تھی لیکن ایسی مشق نہ تھی جو اُسکو ایک با مذاق شاعر دنیا میں مشہور کردیتی تاہم اُسکا ذوق سلیم سخن فہمی اور درک معانی میں کامل عیار تھا۔ اگرچہ مورخین نے اُس علامہ کی سخن فہمی کے متعلق بہت سے تذکرے لکھے ہیں چونکہ وہ عربی لٹریچر کے متعلق ہیں لہذا اکثر ناظرین کو دلچسپی نہ ہوتی۔ صرف معانی لکھدینے سے وہ مذاق نہ پیدا ہوسکتا جو عربی کلام میں بات پیدا ہوتی ہے اور عربی کلام کے جوہریوں نے جس امتیاز سے کلام پر کہا وہ حاصل نہ ہوتا تاہم مختصراً لکھا جاتا ہے

ابراہیم کی سخن فہمی کی نسبت محمد بن عبداللہ سے منقول ہے کہ ایک روز مبرد کی صحبت میں بیٹھا تھا لوگ ہر قسم کی گفتگو کر رہے تھے اور ہر طرح کی باتیں ہو رہی تھیں یہاں تک کہ کچھ شعر و سخن کا تذکرہ آیا مبرد نے یہ دو شعر پڑھے۔

جسمی معی غیران الروح عندکم	فالجسم فی غربۃ والروح فی وطن
فلیعجب الناس منی ان لی بدنا	لا روح فیہ ولی روح لا فی بدن

یعنی میرا جسم اور میرا قلب تو میرے ساتھ ہے مگر میری روح اور میری جان تمہارے
پاس ہے لیکن درحقیقت جسم غربت کربت میں پڑا ہے البتہ روح کو اپنے وطن میں آسائشیں
حاصل ہیں کیونکہ وہ تیرے پاس ہے تاہم یہ تو بڑے تعجب کی بات ہے کہ میں ایسا انسان
ہوں جس کے جسم میں روح نہیں ہے اور یہ بھی کچھ کم حیرت کا معاملہ نہیں ہے کہ میری روح
بھی ایسی روح ہے جو جسم نہیں رکھتی - مبرد نے ان دو شعروں کو پڑھکر کہا کہ میرے نزدیک
یہ دونوں شعر ممتنع الجواب ہیں اور اپنی پاکی مضامین میں بے مثل ہیں. محمد کہتا ہے کہ میں نے کہا
کہ اچھا دو شعر اور ہیں کہ کیسے ہیں ؎

فارقتکم وحییت بعدکم ۔ ما ھکذا کان الذی یجب
فالآن استقبل الناس معتذرا ۔ من ان اعیش وانتم غیب

یعنی مجھکو حیرت ہے کہ تجھسا شہر پرور معشوق مجھسے جدا ہوا اور میں زندہ رہوں حالانکہ ایسی
زندگی میرے وہم و خیال میں بھی نہ تھی. اب میں اپنی اس سخت جانی کی لوگوں سے معذرت
کرتا ہوں کیونکہ تو میری روح ہے اور تو مجھ سے جدا ہو اور میں زندہ رہوں. مبرد نے کہا ان
شعروں کے مثل یہ شعر ہیں میں نے کہا اچھا خالد کے دو شعر پڑھتا ہوں ؎

روحان لی روح تضمنہا ۔ بلد واخری حازھا بلد
واظن غائبتی کشاہدتی ۔ بمکانہا تجد الذی اجد

یعنی میری دو روحیں ہیں ایک روح تو میرے بدن میں ہے جو اس شہر میں اقامت
گزیں ہے اور دوسری روح دوسرے شہر میں مقیم ہے لیکن ان دونوں روحوں میں ایسا
اتحاد اور اختلاف ہے کہ جس سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان دونوں روحوں میں کچھ فرق ہے
بس اس پیارے دوست کو جو عالم مسافرت میں رنج والم پہونچتا ہے وہ درحقیقت
میری روح پر بھی محسوس ہوتا ہے. مبرد نے کہا یہ بھی درست ہیں اور میرے شعر دانے
بھی اچھے نہیں: محمد بن عبداللہ نے کہا آپ خود ستا ہیں اور اپنے کلام کی تائید کرتے
ہیں اور جو آپ کو پسند آگیا پھر اس سے کیسے ہی بہتر سے بہتر کیوں نہ ہو پسند نہیں
کرتے. مبرد نے کہا چاہے جو کچھ ہو لیکن جو میں نے کہا ہے وہ بہت ٹھیک اور درست ہے

محمد کہتا ہے آخر میں ثعلب کی مجلس میں گیا اور یہ سارا ماجرا کہا ثعلب نے کہا کہ تم نے یہ اشعار کیوں نہ مبرد کے سامنے پڑھے ثعلب نے اُن شعروں کو پڑھا لیکن جب میں ابراہیم حربی کی دولتسرا پر پہونچا اور یہ تمام ماجرا اُس سے کہا ابراہیم نے کہا لو میں دو شعر پڑھتا ہوں ان شعروں کو جاکر مبرد کو سُنا۔ ؎

باحیالی ممن احبّ اذا ما — فلت بعد الفراق انی حییت

لو صدقت الہوے حیا علی — الصحۃ لما نائی لکنت اموت

دوستونکی مفارقت میں یہ بہت شرم کی بات ہے کہ میں زندہ رہوں اور حیف ہے ایسی زندگی پر کہ بھی محبت کا دعوے کروں اور اسکی مفارقت میں نہ مرجاؤں محمد بن عبداللہ کہتے ہیں میں نے مبرد کو ابراہیم کے جب یہ دونوں شعر سُنائے تو بہت ہی تعریف کی اور کہا یہ دونوں شعر بہت عمدہ ہیں اور حقیقت میں ان سب شعروں سے یہ شعر اچھے ہیں اور ان تینوں سے ان میں بہت امتیاز ہے۔ طوماری سے منقول ہے کہ میں مرض موت میں ابراہیم کی عیادت کو گیا ابراہیم تکیہ لگائے بیٹھے تھے اور لوگ طبیب کو بُلانے گئے تھے معلوم ہوا کہ جس طبیب کے لئے گئے تھے وہ راہی ملک بقا ہوئے ابراہیم نے اس خبر کے سننے کے ساتھ ہی یہ شعر پڑھا۔ ؎

اذا مات المعالج عن سقام — فیوشک للمعالج ان یموت

یعنی جب خود حکیم ہی مرجائے تو پھر مریض کے بچنے کی کیا امید۔ ایک گروہ ابراہیم کی عیادت کو گیا اُن کے مرض کا حال دریافت کیا اُنکے جواب میں دو شعر پڑھے جن کا مطلب یہ تھا کہ مجھکو مرض کی سختیوں اور بیماری کے حملوں نے میرا تمام بدن چور چور کردیا اور میرا کوئی عضو ایسا نہیں ہے جو گھل نہ گیا ہو۔ افسوس عہد شباب تو نفس امارہ کی خواہشات پورا کرنے میں گذرا۔ اُسوقت میں خدا کی یاد نہ ہوسکی۔ اب جب میرا آخری وقت آیا ہے تو میرے اعضا لاغری سے اس قابل نہ رہے کہ خداوند کریم کی عبادت کروں۔ القصہ دوشنبہ کے روز ستائیس ذیحجہ ۲۶۵ھ میں سرزمین بغداد میں انتقال کیا ان بزرگوار کی تالیفات اور تصنیفات سے مفصلہ ذیل کتابیں ہیں۔

کتاب سجود القرآن ۔ مناسک الحج ۔ الهدایا والسنۃ فیہا ۔ الحمام ۔ والادایۃ ۔ مسند ابی بکر رض ۔ مسند عمر رض ۔ مسند عثمان رض ۔ مسند علی ۔ مسند زبیر ۔ مسند طلحہ رض ۔ مسند سعد بن ابی وقاص رض ۔ مسند عبدالرحمٰن بن عوف رض ۔ مسند عباس رض ۔ مسند شیبہ ابن عثمان رض ۔ مسند عبداللہ بن جعفر ۔ مسند المسور بن المخرمہ رض ۔ مسند المطلب بن ربیعہ رض ۔ مسند السائب رض ۔ مسند خالد بن ولید ۔ مسند ابی عبیدہ بن جراح ۔ مسند ما روی عن عاصم بن عمر رض ۔ مسند صفوان بن امیہ ۔ مسند عمرو بن العاص ۔ مسند عمرو بن الحصین رض ۔ مسند حکیم بن حزام ۔ مسند عبداللہ بن ربیعہ رض ۔ مسند عبدالرحمٰن بن سمرہ رض ۔ مسند عبداللہ بن عمر رض ۔

ابوالعینا

ابوالعینا محمد بن قاسم بن خلاد بن یاسر اہوازی ۔ یہ بزرگوار اپنے علم و فضل کے علاوہ ایسے ظریف الطبع اور حاضر جواب تھے کہ رئیسوں کی محفلوں میں اُن کی صحبت سے لوگ بے انتہا مسرور ہوتے تھے یہی وجہ تھی کہ امراء کے دربار میں سب سے زیادہ رسوخ ہو جاتا تھا اور جس بیباکی سے یہ جواب دیتے تھے اُس سے اہل محفل کو اک تعجب ہوتا تھا ۔ اصل ان کی قبیلہ یمامہ سے ہے ۔ سنہ ۱۹۱ھ میں بلدہ اہواز میں پیدا ہوئے اور فضائے عالم میں یہ نہایت خوشگوار نہال تھے جسکا نشو و نما بصرہ میں ہوا ۔ اور اسی شہر میں اپنی علمی ترقیوں میں ناموری حاصل کی ۔ ادب اور حدیث میں پوری توجہ کی ۔ ابو عبیدہ اور اصمعی اور عتبی ۔ اور ابوزید انصاری کی درسگاہوں میں تعلیم پائی ۔ ادب اور حدیث میں تو نہایت ہی مشہور تھے ۔ حافظہ اُن کا نہایت قوی تھا فصحائے عرب میں یہ نامور تھے ۔ ذکاوت اور ظرافت میں تو اپنے زمانہ کے لوگوں میں نہایت خوش طبع مشہور تھے دل لگی باز لوگ اُن کو چھیڑ چھیڑ کے باتیں سنتے تھے ۔ اُنکے مسخرے پن کی ہیشمار حکایتیں اور ان کی ظرافت طبع کی بے انتہا نقلیں مشہور ہیں ۔

قاضی ابن خلکان ایک روز کا تذکرہ اپنی کتاب میں نقل کرتے ہیں کہ ابوالعینا کسی وزیر کے دربار میں تشریف لائے ۔ اہل جلسہ برامکہ کی جود و بخشش تذکرہ کر رہے

تھے۔ لیکن ابو العینا تو بڑے لستان تھے۔ بہت سے زیادہ مبالغہ کے ساتھ تعریفیں اُڑاتے
تھے۔ وزیر نے جل کے کہا کہ اے ابو العینا تم تو بے انتہا مبالغہ کے ساتھ تعریف کرتے
ہو۔ یہ خوشامد خوروں کے جھوٹے مبالغے ہیں جسکو چاہتے ہیں حد سے بڑھا دیتے ہیں
ابو العینا بے دھڑک کہہ اُٹھے کہ اے وزیر تیری تعریفیں خوشامدی کیوں نہیں کرتے
وزیر اپنا سا منہ لیکر چپ ہو گیا۔ حاضرین اس جرأت پر متعجب ہوئے۔

ان کے ایک دوست علی الصباح ان کی ملاقات کو آئے۔ لیکن خلاف
عادت ان کی سحر خیزی پر نہایت متعجب ہوئے۔ ابو العینا نے قیافہ سے دریافت
کر لیا کہ اُن کو تعجب ہوا کہ آج میں صبح صبح کیونکر اُٹھ بیٹھا۔ فوراً اُس نے یہ جملہ کہا دراک
تشرکنی فی الفعل وتفرونی فی العجب،، (در حقیقت آپ میرے فعل میں تو شریک
ہیں مگر عجب یہ ہے کہ حیرت میں کیوں تنہا ہیں) یعنی مجھکو آپ کی سحر خیزی پر کیوں تعجب ہوا
کسی نے آکر یہ کہا کہ خلیفہ متوکل کہتا تھا کہ اگر ابو العینا اندھا نہ ہوتا تو درحقیقت
وہ مصاحبت کے لائق تھا اور میں اپنے مصاحبوں میں پسند کرتا۔ ابو العینا نے کہا کہ
اگر خلیفہ مجھکو بیوقوفوں کے دیکھنے سے اور حسد اور ذلت کے کلمات پڑھنے سے معذور
رکھتا تو البتہ میں بھی لائق اُس کی صحبت کے تھا۔
کسی نے پوچھا کہ تم کب تک لوگوں کو بُرا کہہ سکتے ہو اور کب تک اُن کی اچھائی
بیان کرنے سے اُن کو خوش رکھہ سکتے ہو۔ کہا "مادام المحسن یحسن والمسئی یسئی بل عوذ باللہ
ان اکون کالعقرب التے تلسب النبی والذمی" یعنی جس وقت تک نیک آدمی احسان
کرتا ہے اور بدآدمی بدی سے باز نہیں آتا ہے۔ لیکن اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ ہو جاؤں
میں مثل عقرب کے کہ دوست دشمن دونوں کو نیش زنی کروں۔

ابو العینا اور ابن مکرم میں خوب چوٹ چلا کرتی تھی۔ ابن مکرم نے کسی کو کہتے
ہوئے سُنا کہ جس شخص کی آنکھیں نہیں ہوتی ہیں وہ حیلہ ساز نہیں ہوتا ہے۔ ابن مکرم نے کہا
مجھے بہت تعجب معلوم ہوتا ہے؟ کیا تم ابو العینا کے مراتب سے آگاہ نہیں ہو کہ اُسکی
آنکھیں جانے سے وہ اور زیادہ حیلہ ساز ہو گیا ہے۔

ایک روز ابوالعینا کچھ دعائیہ فقرے پڑھ رہا تھا کہ یہ فقرہ اُسنے پڑھا ،،یارب سائلک ،، یعنی اے میرے پروردگار اپنے سائل کی دعا قبول کر جب ابن مکرم نے یہ کلمہ سُنا طنز سے کہا ،،یاابن القاعلۃ ومن لیس سائلہ ،، یعنی اے حرامزادے وہ کونسا شخص ہے جو اُس کا سائل نہیں ہے۔

ایک روز ابن مکرم نے پوچھا کہ بصرے میں کتنے جھوٹے لوگ ہیں کہا مثل ،،عدد البغایئن ببغداد ،، یعنی جس قدر زنا کار بغداد میں ہیں۔

ایک بیگانہ شخص ابوالعینا کے سرہانے کھڑا تھا۔ جب ابوالعینا کو معلوم ہوا کہ کوئی میرے سرہانے کھڑا ہے۔ پوچھا تو کون ہے۔ کہا اولاد آدم کہا الحمدللہ خدا تیری عمر دراز کرے مجھے تو یہ گمان تھا کہ شاید اولاد آدم میں اب کوئی باقی نہیں رہا اور اُن کی نسل منقطع ہوگئی۔

ایک مرتبہ ابوالعینا سے کسی نے پوچھا تم کو اس اندھے پن سے کیا نقصان پہونچا۔ کہا ایک یہ کہ سبقت سلام۔ کیونکہ مجھکو یہ آرزو رہی کہ میں سب سے پہلے اپنے ملاقاتیوں سے صاحب سلامت کروں۔ مگر کیا کروں کہ دکھائی نہیں دیتا۔ اور دوسرے جب کسی سے مباحثہ ہوتا ہے یا باتیں ہوتی ہیں تو مجھکو معلوم نہیں ہوتا کہ میرا مخاطب مجھ سے ناراض ہوتا ہے یا میرے کلام سے نرشرو ہوتا ہے۔ تاکہ میں اُن حالتوں کو دیکھکر خاموش ہورہوں اور میری صحبت سے جو اُن کو کراہت ہوتی ہے وہ نہ ہو۔

ایک لڑکے سے آپ نے پوچھا کہ تم نحو میں کونسا باب پڑھتے ہو۔ اس نے کہا فاعل ومفعول۔ کہا ابھی تک تمکو اپنے باپ ماں کی حرکتیں یاد ہیں۔

کسی نے کہا اپنی انگوٹھی مجکو دو کیونکہ میں تم سے اب جدا ہوتا ہوں یہ تمہاری یادگار میرے پاس رہے گی۔ ابوالعینا نے کہا بس یہی یادگار میری کافی ہے کہ تم نے انگوٹھی مانگی میں نے نہیں دی۔

جب کہ ۲۴۶ھ میں متوکل کے دربار میں باریاب ہوئے اُسوقت متوکل اپنے نو تعمیر مکان قصر جعفری میں بیٹھا تھا۔ ابوالعینا سے کہا تم اس مکان کی کچھ تعریف کرو۔

ابو العینا نے کہا «الناس بنوا الدار فی الدنیا وانت بنیت الدنیا فی الدار» یعنی لوگ تو دنیا میں مکان بناتے ہیں لیکن تو نے اپنے مکان میں دنیا بنا دی۔ متوکل اس توصیف سے بے انتہا مسرور ہوا۔

سید نعمت اللہ اپنی کتاب زہر الربیع میں ابو العینا کی ایک حکایت یوں نقل کرتے ہیں کہ ایک کنیزک ابو العینا سے تنگ آ کر اور قسمیں کھا کھا کر کہتی تھی کہ ابو العینا کی عمر بھر صورت نہیں دیکھوں گی۔ اگرچہ وہ میرا مالک ہے۔ نعمت اللہ کہتے ہیں میں نے اس سے پوچھا کہ کیوں۔ آخر اس بیزاری کا کیا سبب ہے کہا «یا سیدی انہ یوافعنی من قیام ویصلی قاعداً ویشتمنی باعراب ویلحن فی القرأۃ ویصوم الخمیس والاثنین ویفطر فی رمضان ویصلی الضحی ویترک الصبح» یعنے وہ تو کھڑے ہو کر مواقع کرتا ہے اور بیٹھ کے نماز پڑھتا ہے اور گالیاں تو نہایت صحت اعراب اور فصاحت کے ساتھ دیتا ہے لیکن قرآن غلط پڑھتا ہے اور پنجشنبہ اور دوشنبہ کو روزہ رکھتا ہے۔ اور سارے رمضان کے روزے چٹ کر جاتا ہے۔ چاشت کی نماز تو ادا کرتا ہے۔ اور صبح کی نماز ندارد۔ میں نے کہا ایسے لوگ خدا ہم میں زیادہ نہ کرے۔

ایک روز مدت کے بعد ابو الصقر اسمٰعیل بن بلبل وزیر معتمد کے دربار میں حاضر ہوا وزیر نے کہا ابو العینا آج تو تم ایک مدت کے بعد دکھائی دیئے۔ کہا کیا کروں۔ میرا گدھا چوری گیا تھا اس وجہ سے آپ کی ملازمت سے محروم رہا۔ وزیر نے کہا آخر کیونکر اُسکی چوری جا لگئے ابو العینا نے جواب دیا کہ حضور میں چور کے ساتھیوں میں تو تھا نہیں تاکہ اُس کی کیفیت بتاتا۔ وزیر نے کہا ہو سکتا تھا کہ تم دوسرے گدھے پر چلے آتے تاکہ تمہاری حاضری میں ایسا قصور نہ ہوتا اور میری ملاقات بھی نہ ترک ہوتی۔ ابو العینا نے کہا «قعدنی عن الشراء قلتہ یساری وکرتہ ذل المکاری ومنہ العواری» یعنی اپنی ناداری اور تنگی سے مجھکو جرأت نہ ہوئی کہ دوسرا الاغ خرید بیٹھتا اور یہ بھی امر مکروہ معلوم ہوا کہ کسی سے یعار یعنت گدھا مانگ لینا۔

ایک علوی سے بدبے آپ کی مخالفت تھی۔ علوی نے کہا کیوں جی آپ

ہم سے مخاصمت کرتے ہیں اور حالانکہ ہر روز دعا مانگا کرتے ہو۔ اللہم صل علی محمد و علیٰ آل محمد" کہا کیا میں آل محمدؐ سے نہیں ہوں۔ ابو العینا نے کہا ہاں سچ کہتے ہو لیکن اس کلمہ طیبہ کے ساتھ میں یہ بھی تو کہتا ہوں "الطیبین الطاہرین" اور تم اس گروہ سے نہیں ہو۔

ابن ثوابہ سے اور ابو الصقر وزیر معتمد سے کچھ بحث ہو گئی۔ ابن ثوابہ بڑا طرار اور لفاظ تھا ابو الصقر کو بند کر دیا۔ وہ ابن ثوابہ کا جواب نہ دے سکا۔ ابو العینا کو یہ حال معلوم ہوا۔ آپ دو چار روز کے بعد ابن ثوابہ کے پاس پہونچے کہا جو کچھ تمہارے اور ابو الصقر کے درمیان معاملہ گذرا اُس کا سب حال مجھکو معلوم ہوا۔ البتہ اس تمہاری بدگوئی سے اُس کا کیا نقصان ہو گیا نہ تم نے عزت دی اور نہ تمہارے سبب سے اُس کا مرتبہ بلند ہوا جو تمہاری ناراضی سے گھٹ جاتا۔ یا جو تم نے اُس کو بزرگی اور عزت دی تھی اُس میں کچھ کمی ہو گئی لیکن ابو الصقر نے ان سب باتوں کو معاف کیا ورنہ تمہاری کھال کھنچوا دیتا۔ اور تمہارے خون سے درگذر کیا۔ ابن ثوابہ نے کہا کہ اے فقیہ تجھکو ہمارے اور اُنکے معاملہ سے کیا تعلق۔ ابو العینا نے کہا "لا تنکر علی ابن ثمانین قد ذہب بصرہ وجفاہ سلطانہ ان یعول علی اخوانہ فیاخذ من اہوالہم لکن اشد من ہذا من یستنزل الماء من اصلاب الرجال فیستفرغہ فی جوفہ فیقطع انسابہم ویعظم اوزارہم"۔ یعنی اُس شخص سے کچھ پرہیز نہ کر جو اسّی برس کا بڈھا اور اندھا ہو گیا ہو۔ اور بادشاہ کا مردود بارگاہ ہو۔ اور اپنے بھائی بھتیجوں کی روٹیوں پر پڑا ہو۔ اور انہیں کا کھاتا ہو۔ لیکن وہ زیادہ بدتر ہے جو مردوں کے نطفہ کو عورتوں کی طرح استعمال کراے یعنے (......) ہو اور نسل انسانی قطع کر کے اُن کو گنہگار بنائے ابن ثوابہ نے کہا کہ زبان درازی اور بدگوئی دو شخصوں میں نہیں ہوتی ہے جب تک ایک ان میں کا قوی اور لئیم نہ غالب آئے ابو العینا نے کہا معلوم ہوا اسی وجہ سے تم ابو الصقر پر غالب آئے۔ ابن ثوابہ یہ جواب پا کر چپ ہو گیا۔

صاعد بن مخلد قبل وزارت کے نصرانی تھا جب وزیر ہوا تو اسلام قبول

کیا۔ ایک روز ابوالعیناء اُس کی ملاقات کو گیا۔ جب اس کے ایوان وزارت پر پہونچا اندر جانے کی اجازت مانگی۔ دربان نے کہا بدستور اعظم نماز پڑھ کے وظیفہ میں مشغول ہیں ابوالعیناء نے کہا دُکل جدید لذیذۃٌ ہر نئی شئے لذیذ ہوا کرتی ہے۔ یعنی نیا مسلمان ہر وقت گاؤ قصاب کی دوکان پر کھڑا رہتا ہے۔

ایک روز آپ عبداللہ بن منصور کے دروازے سے گذرے اور اب عبداللہ اُس عارضہ سے اچھے ہو چکے تھے جس میں مبتلا تھے۔ ایک غلام سے آپ نے پوچھا کیوں بھئی اب عبداللہ کیسے ہیں۔ اُس نے جواب دیا جس حالت کو تم دوست رکھتے ہو۔ (اُس کا مطلب یہ تھا کہ چونکہ آپ دوست ہیں اُنکی صحت کو دوست رکھتے ہوں گے۔ اُس کے جواب میں آپ نے فرمایا جس حالت کو میں دوست رکھتا ہوں تو یہ کیا باعث ہے کہ اُسکے گھر سے رونے پیٹنے کی آواز کیوں نہیں آتی۔

ایک مرتبہ آپ بہت پریشان ہوئے۔ عبداللہ بن سلیمان بن وہب جو کہ وزیر اعظم اور میر منشی خلیفہ متوکل کا تھا اُس سے اپنے افلاس کی شکایت کرنے لگے۔ وزیر نے کہا کیا میں ابراہیم بن مدبّر کو کچھ نہ لکھدوں۔ ابوالعیناء نے کہا اچھا لیکن جس شخص کو افلاس کی زیادتی اور قید کی ذلتوں اور زمانہ کی جفاکاریوں نے اُسکی ہمت کو کوتاہ کر دیا ہو ایسے شخص سے میرے لئے کوشش کرنا بیکار ہے۔ اُس سے میرا مطلب کیا حاصل ہو گا۔ وزیر نے کہا تم خود ہی تو اُس کو پسند کرتے تھے۔ ابوالعیناء نے کہا اے وزیر یہ کچھ میرے ہی اوپر الزام نہیں ہے کہ میرے انتخاب نے غلطی کی ہو۔ کیا آپ کو حضرت موسیٰ ؑ کا قصہ نہیں معلوم ہے کہ حضرت موسیٰ نے اپنی قوم سے ستر آدمی انتخاب کئے اُن میں سے ایک بھی رشید اور صالح نہ ہوا۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو امر کتابت کے واسطے منتخب کیا۔ لیکن وہ مرتد ہو گیا اور مشرکین مکہ سے مل گیا۔ اور علی ابن ابی طالب نے ابو موسیٰ اشعری کو حاکم بنایا۔ پس اُس نے حضرت علی کو نقصان پہونچانے کے لئے

حکم دیا۔

قاضی ابن خلکان لکھتے ہیں کہ ابو العینا نے اسیری کی نسبت ابراہیم کی طرف اسوجہ سے کہ علی بن محمد حاکم زنجبار نے جب نبوت کا دعوی کیا اور حبشی غلاموں کو جمع کرکے بصرہ پر چڑھائی کی بعضوں کو تہ تیغ کیا اور بعضوں کو قید کیا۔ ابراہیم اس ہنگامہ میں گرفتار ہوا تھا۔ اور قیدیوں کے ساتھ حبش کے قید خانہ میں قید بھی ہوا تھا۔ آخر کار ایک نقب کھود کر ایک کنوئیں کے اندر پہونچا سے گیے۔ اور وہاں سے بھاگ کر وزیر ابو الصقر کی حمایت میں آیا اور وہاں پناہ لی۔

سید مرتضے علم الہدے اپنی کتاب غرر ودرر میں ابو العینا محمد کی ایک حکایت نقل کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ متوکل کے دربار میں پہونچے اور اسکی ثنا وصفت میں کچھ دعائیہ کلمے کہے متوکل کو بہت پسند آئے اس نے کہا یا محمد اگرچہ یہ بہت فصیح الفاظ ہیں لیکن مینے سنا ہی کہ تیری ذات سی شر پیدا ہی یعنی ہجو ملیح معلوم ہوتی ہی اسنے کہا کہ اے امیر المومنین اگر میری ذات سے شر پیدا ہوا ہی اور اسکا مطلب یہ ہی کہ جو لوگ احسان کرتے ہیں انکے احسان ممنون ہوں اور بدی کرنیوالوں اور بدکرداروں کو برا کہیں پس یہ بات اگر ہی تو خداوند کریم کی نسبت آپ کیا رائے قائم کریں گے کیونکہ خداوند کریم اپنے نیک بندوں کی تعریف کرتا ہے کہ "نعم العبد انہ اواب"۔ یعنی حضرت ایوب بہت اچھے بندوں سے ہیں اور برائی کے مقام میں فرماتا ہے۔ ہماز مشاء بنمیم مناع للخیر معتد اثیم عتل بعد ذلک زنیم"۔ یعنی وہ لوگ جو لوگوں کی عیب جوئی اور غیبت کرتے ہیں۔ اور چغلخوری کرکے آپس میں لڑواتے ہیں اور خیرات دینے میں مانع ہوتے ہیں اور عشیرہ اپنا مال کا حق ادا نہیں کرتے اور ظالم بدکار ہیں اور بد خلق لوگ اور حرامزادے جو صحیح النسب نہیں۔ ان معنوں میں ایک شاعر لکھتا ہے۔

اذا انا بالمعروف لم اثن دائما	ولم اصمم الجبس اللئیم المذمما
ففیم عرفت الخیر والشر باسمہ	وشق لی اللہ المسامع والفما

یعنی جب ہم احسان کرنے والوں کا شکریہ ادا نہ کریں اور پست فطرت اور بدکاروں کو برائی اور دشنام سے یاد نہ کریں۔ پس کون وہ چیز ہے جو خیر وشر میں فرق بتائیگی حالانکہ

خداوند کریم نے کان اور منہ کے منفذ اسی واسطے بنائے ہیں تاکہ جو کچھ سنیں اسکو زبان سے کہیں۔

ایک روز متوکل نے کہا کہ تم کب تک لوگوں کی برائی کرتے ہو۔ اور کس حد تک مدح، کہا ما احسنوا و اساروا، یعنی جب تک بد کار بدی کرتے ہیں۔ یا نیک نہاد احسان سے پیش آتے ہیں۔

ایک مرتبہ متوکل نے کہا کہ قسم ہے خدا کی تیری ملاقات کو بہت جی چاہتا تھا۔ ابوالعینا نے کہا اے حضور اشتیاق تو غلاموں ہی کو ہے کیونکہ غلاموں کو حضور کی ملاقات کا موقع محل دیکھنا پڑتا ہے اور اُن کے واسطے ایسی کہاں اجازت کہ جب جی چاہے حضوری میں حاضر ہوں۔ اور حضور تو جس وقت یاد فرمائیں غلاموں کو کیا عذر ہو سکتا ہے۔

ایک روز متوکل نے کہا کہ جب کبھی تیرا ذکر میری مجلس میں آتا ہے سوائے میرے کوئی تیری تعریف نہیں کرتا سب تجکو برا ہی کہتے ہیں۔ ابوالعینا نے عربی کا یہ شعر پڑھا

اذا رضیت عنی کرام وعشیرتی فلازال غضبانا علے لئامہا

اس کا ترجمہ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے خوب لکھا ہے ع

دشمن چہ کند چو مہربان باشد دوست

مجھکو اُن بدکرداروں سے کوئی خوف نہیں جبکہ میرے بزرگ اور سردار مجھسے خوش ہیں

ایک مرتبہ نجاح بن سلمہ نے کچھ بیت المال میں غبن کی تھی اُس کے مقدمہ کی تحقیقات اور بازپرس موسیٰ بن عبداللہ اصفہانی کو سپرد ہوئی۔ تاکہ جو کچھ روپیہ تلف ہوا ہے اُس سے لیا جاوے اور اُسکو سزا دیجاوے۔ نجاح بن سلمہ اس کی خبر پاکر بھاگ گیا۔ یہ واقعہ ۲۲۔ ماہ ذیقعدہ یوم دوشنبہ کو ۲۴۵ھ میں گذرا تھا اُسی رات کو معتز باللہ بن متوکل باللہ کو بھی خبر پہونچی۔ اعیان دولت جمع ہیں۔ ابوالعینا بھی وہاں موجود تھے کچھ اسی واقعہ کا تذکرہ ہونے لگا۔ معتز باللہ نے ابوالعینا سے پوچھا کیوں تمکو بھی کچھ معلوم ہے کہ نجاح کہاں چلدیا۔ آپ نے بیدھڑک کہدیا فوکزہ موسیٰ فقضی علیہ یعنے موسیٰ نے ایسی چپت نجاح کے رسید کی کہ وہ عدم آباد کو راہی ہوگیا۔ یہ واقعہ جب موسیٰ نے

نے سُنا تو اُسکو بہت بُرا معلوم ہوا دوسرے روز ابو العیناسے ملاقات ہوئی تو موسیٰ بہت ہی بگڑا۔ اور بہت کچھ ڈرایا دھمکایا۔ ابو العیناء نے کہا اتریدان تقتلنی کما قتلت نفسا بالامس۔ ۔ یعنے آج تم میرے مار ڈالنے کا ارادہ رکھتے ہو جیسا تم نے کل اپنے نفس کو مارا تھا۔

ابو العینا کو احمد بن ابی داؤد سے زیادہ محبت تھی۔ چنانچہ محمد یحییٰ اصولی نقل کرتے ہیں کہ ابو العیناسے میں نے سُنا ہو کہ ابن ابو داؤد سے میری محبت کا سبب یہ تھا کہ ایک زمانہ میں بصرے کے لوگ میرے مخالف تھے۔ اور میری دشمنی پر کمر باندھی اس عناد کیوجہ سے بے سروپا الزام مجھپر لگائے۔ وہ زمانہ میرے واسطے نہایت سختی کا تھا۔ ایک زمانہ تک میں روپوش رہا آخر کار ایک روز موقع پاکر بصرے سے سرمن رائے کیطرف روانہ ہوا۔ ابن ابی داؤد کے پاس جاکر پناہ لی اور ایک مدت تک اُس کی کچھری میں بیٹھا کیا۔ لیکن تھوڑے روز کے بعد یہ خبر کھل گئی۔ بصرے والوں نے جب میرا پتہ پایا تو ایک جماعت میری سُراغ رسانی پر آمادہ ہوکر سرمن رائے کی طرف روانہ ہوئی۔ میں نے قاضی ابی داؤد سے کہا ایک جماعت کی جماعت بصرے سے میری تلاش میں آگئی اور قریب ہے کہ مجکو گرفتار کرلے جائیں احمد نے کہا۔ ید اللہ فوق ایدیہم۔ میں نے کہا اُنکو بہت سے مکر و حیلے معلوم ہیں اور وہ کسی نہ کسی حیلہ سے مجکو گرفتار کریں گے۔ کہا و یمکرون و یمکر اللہ واللہ خیر الماکرین۔ میں نے کہا اُن کی جماعت بہت ہے۔ کہا و کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ میں نے کہا خدا تمہارا بھلا کرے جناب قاضی صاحب آپکی یہ حکایت ویسی ہے جیساکہ صموت کلابی کہتا ہے۔ ؎

للہ درک انت جنۃ خائف	و متاع دنیا انت للحدثان
متخمط بطار الرجال غلبتہ	و طار الفنیق و وارج القردان
ویکبہم حتے کان دراتہم	ما مونۃ یخط للغربان
و یفرج الباب الشدید رتاجہ	حتے یصیر کانہ بابان

خدا تیرا بھلا کرے کیونکہ تو مضبوط سپر ہے خوف زدہ لوگوں کے واسطے اگرچہ متاع دنیا

کیا فائدہ مند ہے اہل روزگار کو تو ایسا رعب داب کا آدمی ہے کہ زمانہ کے
لوگ تیرے پاؤں کے تلے اس طرح پر روندے جاتے ہیں جیسے ایک اصیل
اونٹ کے سموں سے گھوڑوں کی ٹاپوں کے نقش مٹ جاتے ہیں اور تیرے
دشمن تیرے آگے اس طرح منہ کے بھل آ کے گرتے ہیں۔ اور ایسے سرنگوں
ہو جاتے ہیں گویا اپنی (۔۔۔۔) کا بوسہ لیتے ہیں۔ اور تیری ہیبت اور ڈر سے
اُن کے تنگ دروازے ایسے مفتوح ہوتے ہیں گویا ایک در کے دو در ہو جاتے
ہیں پس ابن ابی داؤد نے فوراً اپنے لڑکے ابوالولید سے کہا کہ ان بیتوں کو
نقل کر لو۔ ابوالولید نے حسب الحکم اپنے پدر بزرگوار کے ان ابیات کو اُسی کے
سامنے لکھ لیا۔ صولی کہتا ہے کہ اُس وقت تک میں بھی یہی جانتا تھا کہ ابوالصموت
کلابی ایک مرد شاعر ہے لیکن وکیع سے ایسا سُنا ہے کہ یہ کلابیہ نامی ایک
شاعرہ عورت ہے۔ اور وہ کہتا ہے کہ مجھ کو ایسا ہی یاد ہے۔

ایک روز ابوالعینا حسن بن سہل کے پاس آیا اور اُس کی ثنا و صفت
کرنے لگا۔ حسن نے حکم دیا کہ دس ہزار درہم اُسکو عطا کرو۔ ابوالعینا نے کہا دیا ایہا الامیر
لا استکثر کثیرک ولا استقل قلیلک۔ یعنی اے سردار تیری عطائے کثیر کچھ زیادہ
نہیں۔ نہ تیری قلیل بخشش کچھ کم ہے۔ حسن نے کہا یہ کیونکر ہو سکتا ہے اُس نے
کہا کہ تیری ہمت کے آگے اس قدر زیادہ بخشش کچھ زیادہ نہیں ہے کیونکہ تیرے
جود و بخشش کے ہاتھوں نے اس سے کہیں زیادہ فیاضیاں کیں۔ اور نہ تیری اس
قلیل مقدار کو کم تصور کرنا چاہیئے کیونکہ تیری قلیل بخشش بہتوں سے زیادہ ہے۔

ایک روز عبداللہ بن خاقان نے اُس سے کہا کہ اپنی ملاقات سے مجکو
معذور رکھو کیونکہ آج کل مجھکو بہت کام رہتے ہیں۔ ابوالعینا نے کہا جب حضور
کو فرصت ہوگی اُس وقت مجکو حضور کی ملاقات کی حاجت نہیں ہے۔

ابوالعینا کی خدمت میں دو خواجہ سرا حبشی رہتے تھے کسی نے کہا کہ آپ نے
ان خواجہ سراؤں کو اپنی خدمت میں کیوں رکھا اور اُس پر طرہ یہ کہ ایسے سیاہ

فام۔ ابوالعیناء نے کہا کہ بھائی زمانہ بُرا ہے۔ سیاہ فام اسواسطے رکھے کہ کوئی ان سے مجکو متہم نہ کرے اور خواجہ اسواسطے کہ کوئی اُن کو میرے ساتھ بدنام نہ کرے اسیطرح پر ایک صاحب نے اور پوچھا کہا اگر باہر نکلتے ہیں تو میرے خدمتگار ہیں اور گھر میں ہیں تو میری لونڈیاں معلوم ہوتے ہیں۔

ایک روز عبد اللہ نے پوچھا کہ میں نے سُنا ہے کہ مجھ پر آپ کی کچھ غضبی ہے۔ ابوالعیناء نے کہا کہ اے فرید تیرا مرتبہ اور تیری شان برتر ہے۔ بھلا میری غضبی کیا۔ کیونکہ غصہ تو اپنے زیر دستوں پر آتا ہے زبردستوں اور خداوند نعمتوں پر بھلا غصہ کیا آئے گا۔ لیکن تیری کم توجہی نے مجکو رنجیدہ کر دیا تھا۔ اور میں نے اُس حزن و ملال کا نام غضب رکھا تھا۔

ایک روز ابوالصقر نے ابوالعیناء کو اپنے پاس بٹھالیا اور پھر ایک زمانہ تک بہ کسی دوسرے مقام پر بٹھاتے گئے۔ ابوالعیناء نے کہا کبھی تو مجکو اس قدر قربت حاصل ہو جاتی ہے گویا میں آپ کا ایک جزو ہوں اور کبھی اس قدر دور پھینکا جاتا ہوں کہ گویا آپ کا ضد واقع ہوگیا۔

ایک روز عبد اللہ بن سلیمان نے ابوالعیناء پر نہایت مہربانی فرمائی۔ ابوالعیناء نے کہا آپ کی اس عنایت سے ظاہر میں تو لوگوں کو غبطہ ہوتا ہے۔ لیکن درصل یہ میری حرمان نصیبی کا باعث ہو جاتا ہے یعنی لوگ حسد کرتے ہیں اور وقتاً فوقتاً بیخ کنی کے لئے موجود ہو جاتے ہیں۔

سید مرتضےٰ علی اللہ مقامہ نقل کرتے ہیں کہ ابوالعیناء اور ابوعلی نصیر سے دل لگی ہوتی تھی اور آپس میں ان دونوں کی خوب چھنتی تھی۔ ایک روز ابوعلی نصیر نے پوچھا کہ کیوں بی تم کس وقت پیدا ہوئے تھے۔ ابوالعیناء نے کہا قبل طلوع آفتاب کے۔ اُنہوں نے کہا ہاں اسی وجہ سے تم بخیل بھی ہو اور سائل بھی۔

ایک روز متوکل نے ابوالعیناء سے کہا عدم بصارت سے زیادہ سخت تم پر کیا مصیبت پڑی۔ ابوالعیناء نے کہا کہ سختی مجھ پر یہی ہے کہ میں تیرے جمال

جہان آرا کے دیکھنے سے محروم ہون کیونکہ اطراف واکناف مملکت سے تجھکو دیکھنے آتے ہیں مگر میں باوجود حضوری کے تجھکو دیکھ نہیں سکتا متوکل نے کہا یہ بات ضرور ہے کہ میں تیری صحبت کا خواہشمند ہون۔ ابو العیناء نے کہا مجکو اس امر کی طاقت نہیں کہ میں اطاعت کرون۔ لیکن میرے اس جواب سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ تیری محفل معلے کی شرافت اور اعزاز سے آگاہ نہیں۔ بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نا بینا ہون۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ اندھے آدمی کا اشارہ عام ہوتا ہے۔ اُس کا مخاطب یا مشار الیہ کوئی خاص ذات نہیں ہوتی۔ اور دوسرون کے اشارے بھی اُسکو معلوم نہیں ہوتے۔ اور یہ بات بھی ہوسکتی ہے کہ میں کوئی بات کہون ایسے موقع پر جبکہ تجکو غصہ ہو لیکن تو اُس سے خوش ہو جائے یا میں تیری خوشنودی کی بات کہون لیکن تو اُس سے ناخوش ہو جائے اور تجھکو میری حرکت سے غصہ آجائے پس جبکہ میں تیرے ان دونون امرونکو تمیز نہیں کرسکتا ہون اور یہی منفعت آن پڑے تو اس موقعہ پر ورطۂ ہلاکت میں پڑونگا۔ متوکل نے کہا ہان یہ تم سب سچ کہتے ہو۔

راغب اپنے تذکرہ میں لکھتا ہے کہ ایک مرتبہ ابو العیناء متوکل کی مجلس میں حاضر تھا کہ سلطان روم کا ایلچی آیا۔ شراب کا سامان ہونے لگا۔ ایلچی نے ابو العیناء سے کہا کہ آپ کی شرع میں تو سور کا گوشت اور شراب دونون حرام ہیں۔ لیکن اس کا سبب کیا ہے کہ دو تم شراب تو اڑاتے ہو لیکن سور کے گوشت سے کیوں پرہیز کرتے ہو۔ ابو العیناء نے کہا سور کا گوشت خداوند کریم نے حرام کیا تو اُس نے زیادہ لذیذ اور عمدہ بکری کا گوشت ہم کو عنایت کیا۔ لیکن شراب کے قائم مقام کوئی چیز نہیں ہے جسکے استعمال سے ہم کو وہی نفع اور سرور حاصل ہو اور جو شراب کے استعمال سے بے نیاز کرے۔ اور شراب سے ہم پرہیز کریں ۔۔۔

ایک روز خلیفہ متوکل نے ابو العیناء سے پوچھا کہ ابن مکرم اور عباس ابن رستم سے تمکو کیسی عقیدت ہے۔ ابو العیناء نے کہا۔ والخمر والمیسر واثمھما اکبر من نفعھما۔ یعنے یہ دونوں بجائے شراب اور قمار کے ہیں کہ ان کا نقصان نفع سے زیادہ ہے۔ متوکل نے کہا

تو سُنا کہ تم ان لوگوں کو دوست رکھتے ہو کہا ملقد اتبعتُ الضلال بالہدیٰ والعذاب بالمغفرۃ" یعنی درحقیقت میں نے گمراہی کو ہدایت کے ساتھ بیچ ڈالا - اور عذاب کو مغفرت کے ساتھ "

ایک مرتبہ متوکل نے کہا سعید بن عبدالملک تجھپر ہنستا ہے۔ ابوالعینا نے کہا "ان الذین اجرموا کانوا من الذین آمنوا یضحکون" یعنی جو لوگ کہ گناہوں میں مبتلا ہیں وہ اسی طور پر ایمان والوں پر ہنستے ہیں۔

ایک شخص نے کہا اے ابوالعینا ابراہیم بن نوح نصرانی تجھپر غصہ کرتا تھا، اُس نے یہ آیت پڑھی " ولن ترضیٰ عنک الیہود والنصاریٰ حتیٰ تتبع ملتہم" یعنی ہرگز یہود اور نصاریٰ تم سے راضی نہیں ہوتے ہیں جبتک تم اُنکی پیروی نکرو۔

ایک روز زرقان نے دیکھا کہ ابوالعینا ایک نصرانی سے دوستانہ کلام کرتے تھے زرقان نے یہ آیت اُس کی تنبیہ کے لئے پڑھی " یا ایہا الذین آمنوا لاتتخذوا الیہود والنصاریٰ اولیاء" یعنی اے وہ لوگ جنھوں نے اسلام کی شرافت حاصل کی اُن کو چاہیئے کہ یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ کہیں - ابوالعینا نے اُسکے جواب میں آیت تلاوت کی وہ " لاینہٰکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم ان تبروہم" یعنے خدا منع نہیں کرتا ہے انصاف کرنے سے اُن لوگوں میں جو لوگ امر دین میں کوئی جھگڑا نہیں کرتے ہیں اور نہ جدال وقتال کرتے ہیں اور اپنے ملک سے نہیں نکالتے ہیں۔

ابوالعینا کہتا ہے کہ ایک روز مجھ سے متوکل نے سوال کیا کہ کون سب سے زیادہ سخی ہے - اور کون سب سے زیادہ بخیل ہے - میں نے کہا کہ اے امیرالمومنین جن لوگوں سے میں نے ملاقات کی ہے اُنمیں احمد ابن ابی داؤد سب سے زیادہ سخی ہے اور موسیٰ بن عبدالملک سب سے زیادہ بخیل ہے - متوکل نے کہا اُس کے بخل سے تم کیونکر واقف ہوئے - میں نے کہا " رایتہ یحرم القریب کما یحرم البعید ویعتذر من الاحسان کما یعتذر من الاساءۃ" یعنے اپنے نزدیک والوں کو اس طرح پر محروم رکھتا ہے جس طرح پر کوئی بیگانوں کو محروم رکھتا ہے اور نیکی کرنے میں ویسا ہی عذر کرتا ہے جیسا بدی سے عذر کرنا چاہیئے۔

پس متوکل خشمناک ہوا اور کہا جس شخص سے کہ میں کنارہ کش ہوں اُسکو سخاوت کی طرف منسوب کرتا ہے۔ اور جس کو میں نے امر کتابت کے لیے مقرر کیا ہے اُسکو بخیل کہتا ہے۔ میں نے کہا اے امیر المومنین صدق بعض موقعوں میں لائق اور نافع نہیں ہے۔ جیساکہ تیرے دربار میں۔ جب لوگ احمد کو سخاوت کے ساتھ نسبت دیتے ہیں تو درحقیقت وہ تعریف اور مدح سخاوت امیر المومنین رشید کی کرتے ہیں اور جب حسن بن سہل اور فضل بن سہل کو جود و بخشش کیطرف منسوب کرتے ہیں تو دراصل امیر المومنین مامون کی سخاوت اور بخشش کی تعریف کرتے ہیں۔ اور جب احمد بن ابی داؤد کی فیاضیوں کی تعریف کرتے ہیں تو واقع میں امیر معتصم کی سخاوت کی تعریف کرتے ہیں۔ اور جسوقت فتح بن خلقان اور عبداللہ بن یحییٰ کو سخاوت اور بخشش کے ساتھ نسبت دیتے ہیں تو درحقیقت تعریف بخشش اور مکارم حضور کے بیان کرتے ہیں۔ اگر ایسا نہیں ہے جیساکہ میں نے پیشگاہ حضور میں عرض کیا تو کیا سبب ہے کہ قبل اسکے جب کہ یہ لوگ خلیفہ کے دربار میں باریاب نہیں ہوئے تھے تو کیوں نہ اُن کی بخشش اور جود کی تعریف ہوئی۔ متوکل اس کلام سے نہایت مسرور ہوا اور کہا کہ سچ کہتا ہے۔

ایک شخص نے ابو العیناء سے کہا کہ جب خداوند کریم کسی شخص کو کسی نعمت سے محروم کرتا ہے تو اُس کے معاوضہ میں اُس کا نعم البدل دیدیتا ہے۔ تم کو نور بصر سے خداوند کریم نے محروم رکھا تو اُس کا بدلہ تم کو کیا ملا۔ ابو العیناء نے کہا مجھکو یہی ملا کہ تمہاری منحوس صورت نہیں دیکھتا۔

مورخین لکھتے ہیں کہ چالیس برس کے بعد ابو العیناء اندھا ہوا۔ اور قاضی ابن خلکان ابو سعید طلحی سے روایت کرتے ہیں کہ ابو العیناء کے اجداد میں سے کوئی بزرگوار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حضور میں حاضر ہوئے۔ اُن کی طول کلامی نے حضرت کو نہایت حیران کیا۔ پس حضرت نے بددعا دی کہ تو اور تیری اولاد اندھے ہوں چنانچہ اب تک اُن کی نسل سے اندھے ہی پیدا ہوتے ہیں اور وہی صحیح النسب کہلاتے ہیں

ابو العینا جب کہ بصرہ میں تھا اُسوقت آنکھوں سے معذور تھا جب سر من
رائے میں پہونچا اندھا ہو گیا - اور تھوڑے دن بغداد میں قیام گزیں ہو کے بصرہ میں
معاودت کی جمادی الثانی ۲۸۲ھ یا ۲۸۳ھ میں اس جہان فانی سے عالم جاودانی کو
سدھارے - ایک لڑکا جعفر نام چھوڑا - وہ روایت کرتا ہے کہ میرے باپ نے جمادی الاول
۲۸۲ھ ہجری میں انتقال کیا -
مورخین لکھتے ہیں کہ ابو العینا نے جب ابوزید انصاری سے پوچھا کہ عین کی
تصغیر کیا ہے - اُنہوں نے فرمایا "عینا یا ابو العینا" اُس روز سے اُسی نام سے مشہور
ہو گئے - بزرگوں کے ارشاد کی کیا تاثیر ہوتی ہے - ایک مرتبہ اُس بزرگ سراپا برکت
کی زبان مبارک سے نکل گیا تھا اُس کا یہ نتیجہ ہوا کہ آج تک اسی نام سے پکارے جاتے
ہیں چشم بصیرت کھولکر دیکھو کیسی مقبولیت تھی - "انا للہ وانا الیہ راجعون -"

قاضی ابن ابی لیلےٰ

ابن ابی لیلےٰ محمد بن عبد الرحمان بن ابی لیلی یسار انصاری الکوفی
یہ بزرگوار فقہائے کوفے میں سے بہت بڑے علامہ قاضی گذرے ہیں اُنکے باپ عبد الرحمٰن
بن ابی لیلےٰ تابعین میں سے شمار کئے جاتے ہیں - جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب
اور جناب امیر المومنین عثمان بن عفان اور ابو ایوب انصاری رضوان اللہ علیہم اجمعین
سے احادیث روایات کرتے تھے ابن ابی لیلےٰ کے دادا یعنی ابو لیلی اصحاب پیغمبر تھے -
قاضی ابن خلکان کہتے ہیں کہ وہ واقعہ جمل میں علی ابن ابی طالب کیطرف سے علم
بمعاروں میں سے تھے اور اسی معرکہ میں شہادت پائی - بعضوں نے داؤد بن بلال
ابن احیحہ بن الجلاح الانصاری سے سلسلہ نسب عبد الرحمٰن بن ابی لیلی کا ملایا ہے -
کوفہ میں ۷۴ھ میں پیدا ہوئے اور کوفے ہی میں ابتدائی تعلیم پائی اپنے زمانہ کے علما
میں اجلہ روزگار تھے - احادیث اور فقہ میں نہایت مہارت حاصل تھی - سفیان
ثوری اُن کے ارشد تلامذہ میں سے تھے - یا نعی احمد بن یونس ثوری سے روایت

کرتے ہیں کہ وہ کہتے تھے کہ "فقہاؤنا ابن ابی لیلیٰ وابن شبرمۃ" یعنے ابن ابی لیلےٰ اور ابن شبرمہ بہت بڑے فقیہ ہمارے زمانے کے ہیں۔

ابن ابی لیلیٰ سے خود روایت ہے کہ ایک روز میں عطا بن ابی رباح کی ملازمت میں حاضر ہوا (یہ بزرگوار بہت بڑے عالم علمائے اہل سنت وجماعت کے ہیں) میری طرف مخاطب ہوئے اور مجھ سے کچھ اس طرح سے سوال کیا جس سے حاضرین کو بہت تعجب ہوا۔ عطائے نے جب یہ حالت لوگوں کی دیکھی تو کہا تم میرے اس سوال سے جو کہ میں نے ابن ابی لیلیٰ سے کیا ہے کیوں متعجب ہو تم نہیں جانتے ہو کہ ابن ابی لیلیٰ بہت بڑے مرتبہ کا آدمی ہے اور اپنے علم و فضل میں درحقیقت مجھ سے برتر ہے۔ بہر حال ۱۱۵ھ میں ابن ابی لیلےٰ کا سن شریف چالیس سے گذر گیا تھا۔ بنی امیہ کی خلافت کے زمانہ میں مسند قضا پر متمکن ہوئے اور کوفے کی حکومت گویا انہیں کے ہاتھ میں تھی۔ اپنے دربار کا تمام سرانجام اور عام وخاص مقدمات کے فیصلے کے لئے کوفے کی مسجد قرار دی۔ مسجد ہی میں مسلمانوں کے باہمی تناقض اور دیگر امور کا فیصلہ کیا کرتے تھے اُسی زمانہ میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے علم کا چرچا لوگوں میں کچھ کچھ پھیلتا جاتا تھا اگرچہ اسوقت تک اُن کو وہ شہرت حاصل نہ تھی کہ قاضی ابن ابی لیلیٰ کے ہم پلہ ہوسکتے تاہم بعض بعض مسائل میں ابو حنیفہ رح نے مخالفت کی اور یہ مخالفت قاضی ابن ابی لیلےٰ کے کان تک پہونچی جس سے کچھ غبار کدورت دونوں کے دلوں میں پیدا ہوگیا اور اُسی روز سے مخالفت پیدا ہوگئی۔

ابن خلکان لکھتے ہیں کہ ایک روز ابن ابی لیلےٰ اپنے محکمہ قضا کو برخاست کرکے گھر کو جاتے تھے کہ اثنائے راہ میں ایک عورت نے ایک مرد کیطرف خطاب کرکے کہا یا ابن زانیین یعنی اے دو زناکاروں کا لڑکا (اے حرامی) قاضی اس کلام کو سنکر نہایت غضب آلود ہوا اور فوراً اپنے اجلاس پر واپس گیا۔ عورت کو عدالت میں طلب کیا۔ جب وہ عورت آئی کہا کہ اسکو قذف کی سزا دینی چاہیئے۔ حسب قاعدہ شرعیہ اسکو درے مارے گئے۔ ابو حنیفہ نے جب اس واقعہ کو سنا کہا کہ قاضی سے

اس واقعہ میں چھ خطائیں ہوئیں دو ایک تو اپنے محکمہ کی طرف واپس جانا جبکہ اُٹھ گیا تھا وہ اپنے دار القضا سے اس واسطے کہ نہیں لائق تھا اُسکو کہ معاودت کرے بعد برخاست اجلاس کے۔ اور دوسرے اُس کو سزا دینا مسجد میں کیونکہ منع کیا ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں سزا دینے سے۔ تیسرے عورت کو کھڑا کرکے حد جاری کرنا کیونکہ عورتون کو بٹھا کر سزا دینی چاہیئے اور اُنپر حد جاری کرنے کے قبل کوئی کپڑا ڈال دینا ضروری ہے چوتھے گالی کے لئے ایک سزا مقرر ہے اگرچہ وہ ایک جماعت کے اوپر صادق آوے۔ پانچویں دو سزائیں ایک مرتبہ نہیں دینا چاہیئے بلکہ ایک سزا دیکر چھوڑ دینا چاہیئے دوسری سزا اُسوقت دینا چاہیئے کہ جب پہلی سزا کا درد جاتا رہے چھٹے جب تک کہ کوئی مدعی قاضی کے سامنے دعوی نہ کرے اُسوقت تک کسی استغاثہ کی حیثیت سے وہ عورت سزا کے قابل نہ تھی ۔۔

جب یہ باتیں ابن ابی لیلی کے کان تک پہونچیں نہایت غصہ ہوا والی کوفہ کے پاس جاکر شکایت کی کہ یہان ایک جوان جو ابو حنیفہ کے نام سے مشہور ہے میرے اجرائے احکام میں مخالفت کرتا ہے۔ میری نکتہ چینی کرتا ہے اور مجھے برا کہتا ہے اور خطاوار ٹھہراتا ہے میں امیر سے درخواست کرتا ہون کہ اُسکو سزا دینی چاہیئے اور منع کرنا چاہیئے تاکہ ایسے حرکات قبیحہ اُس سے صادر نہون اور میرے فیصلونپر بیجا نکتہ چینی سے باز آوے حسب العرض قاضی ابن ابی لیلی والی کوفہ نے اپنے چوبدار کو ابو حنیفہ کے پاس بھیجا اور منع کرا بھیجا کہ قاضی کے فیصلونپر برخلاف فتولے نہ دیں ابو حنیفہ نے اُسوقت سے حسب الحکم کسی مسئلہ پر فتولے نہ دیا اور یہان تک احتیاط کی کہ ایک روز ابو حنیفہ کی بی بی اور اُن کی صاحبزادی اور صاحبزادے بیٹھے تھے۔ صاحبزادی نے پوچھا کہ میں آج روزے سے تھی اور میرے دانتوں سے خون آیا اور میں نے اُس خون کو تھوک دیا جب کہ خون بالکل باقی نہیں رہا۔ آب دہن حلق کے نیچے اُتر گیا۔ آیا اس صورت میں میرا روزہ باقی رہا یا نہیں۔ ابو حنیفہ نے فرمایا کہ اے لڑکی میرے امیر نے مجھکو فتولے دینے سے

منع کیا ہے اپنے بھائی حماد سے پوچھ لو۔

الغرض طبری اپنی کتاب احتجاج میں سعید بن ابی الخضیب سے روایت کرتے ہیں کہ اتفاقاً ابی لیلے ایک روز میرے ہمراہ مسجد مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے اور ایک گوشے میں جاکر بیٹھ رہے ناگہان امام جعفر صادق علیہ السلام مسجد میں تشریف لائے میں اُنکی تعظیم کو کھڑا ہو گیا۔ پہلے میری طرف متوجہ ہوئے اور میرے عیال و اطفال کو پوچھا۔ اور بعد اُسکے کہا یہ کون ہیں۔ میں نے کہا ابن ابی لیلی قاضی کوفہ۔ پس آنحضرت نے اُن کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم ایک شخص کا مال لیکر دوسرے کو دیتے ہو اور عورتوں کو شوہروں سے جدا کرتے ہو۔ اس امر میں کسی سے اندیشہ نہیں رکھتے ہو۔ ابن ابی لیلی نے کہا کہ درحقیقت میرا یہی کام ہے۔ حضرت نے کہا کہ تم کس قانون سے یہ احکام جاری کرتے ہو۔ کہا جو کچھ کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اور اُسکو امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے۔ حضرت نے فرمایا " اقضاکم علی بعدے" یعنے میرے بعد علم و دانش میں حضرت علی سب سے بہتر ہیں انہوں نے کہا ہاں یہ تو صحیح ہے۔

نقل ہے کہ کسی نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو خبر دی کہ عمارہ ذہبی ابن ابی لیلے قاضی کوفے کے پاس کسی شہادت میں گئے۔ قاضی نے اُنکی گواہی قبول نہیں کی اور کہا کہ قم یا عمارہ عرفناک لاتقبل شہادتک لانک رافضی یعنی اے عمارہ میرے پاس سے اُٹھ جا۔ میں تیری شہادت نہیں قبول کروں گا۔ کیونکہ تو رافضی ہے اور میں تجھکو پہچانتا ہوں عمارہ نہایت افسردگی اور ندامت کے ساتھ اُس کے دربار سے اُٹھا۔ ابن ابی لیلی نے کہا کہ یا شیخ تم تو محدث اور اہل علم ہو اور لفظ رافضی سے ایسے شرمندہ ہوئے پس کیوں نہیں طریقہ مذہب اہل سنت وجماعت اختیار کرتے۔ عمارہ نے کہا کہ میری ندامت اس وجہ سے ہے کہ آپ نے مجھکو اُس خطاب سے یاد کیا جس کا میں سزاوار نہ تھا۔ کیونکہ حضرت موسےٰ کے گروہ

فرعون رافضی کہا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ابن ابی لیلے نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا "ای شئی اعلی ما خلق اللہ عزوجل" یعنے کونسی وہ چیز ہے جو خلق خدا میں شیریں تر ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ الولد الشاب یعنے وہ لڑکا جس کے شباب کا ابتدائی زمانہ ہو۔ پھر ابن ابی لیلی نے عرض کیا۔ امر ما خلق اللہ یعنی وہ کونسی چیز ہے جو خلق اللہ میں سے زیادہ تلخ تر ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ فقدہ یعنی زوال شباب۔ ابن ابی لیلی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ سفر میں میں ایک شامی کا ہم سفر تھا۔ ایک منزل پر جا کر میں نے اس شامی کو دیکھا کہ ایک شخص سے جبرا کچھ تھوڑے سے اتار لیئے اور آگے بڑھ کر ایک فقیر کو دیدیئے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ اے مرد خدا یہ کیا انصاف ہے کہ ایک شخص کا تو جبراً مال لیتا ہے۔ دوسرے کو نہایت خوشی سے دیدیتا ہے۔ اس نے قرآن کی اس آیت کو پڑھا۔ "من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالہا و من جاء بالسیئۃ فلا یجزی الا مثلہا" یعنی جس نے ایک نیکی کی اس کے بدلے میں دس نیکیاں ملیں گی۔ میں نے درحقیقت گناہ کیا ہے لیکن اس کی سزا مجکو ایک ہی ہوگی اور جو نیکی کی ہے اس کا دس گنا ثواب مجکو ملے گا۔ ایک نیکی میری اس شخص کو دی جاویگی جس سے میں نے جبراً اتار لیا ہے اور نو نیکیاں میرے نامۂ اعمال میں بڑھائی جاویں گی۔

محدث نیشاپوری ابن ابی لیلے کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ مذہب ابن ابی لیلی کا اہل سنت وجماعت تھا اور علمائے عصر میں فقہائے اہل الرائے میں سے شمار کیئے جاتے تھے

ابن ابی عمیر روایت کرتے ہیں کہ ابن ابی لیلی نہایت امانت دار اور منصف تھے لیکن حافظہ ان کا بہت کم تھا۔ الغرض تینتیس ۳۳ برس مسند قضا پر جلوہ افروز رہے

ملہ یہ کلمہ فرعون کے گروہ سے کسی حدیث یا قرآن میں سُنا نہیں گیا۔ شاید عمار نے اپنی بات بنانے کے لئے کہدیا ہو یا کسی سریانی تذکرہ میں پایا ہو تاہم کسی مستند ذریعہ سے نہیں معلوم ہوا کہ فرعون کے گروہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رافضی کہا کرتے تھے۔ ابن خلکان نے قاضی ابن ابی لیلی کے تذکرہ میں اس روایت کو ذکر نہیں کیا تاہم بعض مورخین کے لکھنے سے ہم نے بھی لکھدیا۔ واللہ اعلم۔

یہاں تک کہ زمانہ دولت عباسیہ کا پایا آخرالامر ایک سو اڑتالیس[۱۴۸] ہجری میں اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ابو عثمان خالدی

یہ بزرگوار عبدالقیس بن افصے سے ہیں، قصبہ خالدیہ میں ابو عثمان سعید بن ہاشم بن دعلہ خالدی پیدا ہوئے آپکے ایک بھائی اور تھے ابو بکر محمد خالدی جس سرزمین پر ان دونوں بزرگواروں نے نشو و نما پایا اُس قریہ کا نام خالدیہ تھا جو اعمال موصل سے ہے اسی وجہ سے یہ دونوں بھائی خالدین کہلاتے تھے اور انکے نام نامی کیساتھ خالدی لکھا جاتا ہے دونوں بھائی جسقدر کہ شرافت ذاتی اور نسب میں ہم پلہ ہیں اُسیطرح مراتب علم اور کمال فضل میں بھی ان دونوں کا پلہ برابر ہے جسطرح انہوں نے ادب اور معانی میں کمال درجہ کی شہرت حاصل کی تھی اُسی طرح عزت اور بزرگی میں بھی دونوں ہم پایہ تھے ان کے کمال ذاتی کی نسبت اور آتش زبانی اور فصاحت وبلاغت کے متعلق ثعلبی کہتا ہے ”ان ہذان لساحران“ یعنی ان دو بزرگواروں نے پیکر نظم میں ایک روح پھونکدی ہے جو درحقیقت سحر حلال ہی چونکہ ان کے عروج اور مرتبت کا زمانہ اوج کمال کو پہونچ گیا تھا۔ سیف الدولہ بن حمدان کے دربار میں باریاب ہوئے اُس نے اُن کی نہایت قدر کی اور گروہ شعرا میں داخل کیا تھوڑے دنوں میں اپنے کمال علم سے ایسا رسوخ پیدا کرلیا کہ سیف الدولہ نے اپنا بیش بہا کتب خانہ ان دونوں بھائیوں کو سپرد کردیا۔ یہ موقعہ اُن کو ایسا ملا کہ تمام فصحائے عرب کے داوادین اور ادب کی کتابیں اُن کے پیش نظر تھیں جن کتابوں کے دیکھنے کی اُن کو تمنا تھی وہ اس کتب خانہ میں پائیں۔ ایسے فراغت کے زمانہ میں ابو عثمان کو اپنی تصنیفات اور تالیفات کے لئے بہت عمدہ موقع حاصل ہوگیا اور تھوڑے زمانہ میں اُنہوں نے بہت کچھ تصنیفات کا خزانہ فراہم کرلیا۔ ان کتابوں میں سے حماسۃ الشعرا ہے جس کی ترتیب بالکل ابو تمام طائی کی پیروی پر کی۔ لیکن اُس کے کل مضامین متاخرین کے طرز پر لکھے ہیں۔

ابن خلکان محمد بن اسحاق الندیم سے روایت کرتے ہیں کہ مجھکو خالدی
کے اس امر پر بہت تعجب آیا کہ اُس نے اس قدر کتابیں کیونکر حفظ کرلیں وہ
کہتے ہیں کہ ایک ہزار کتابیں اُن کو یاد تھیں۔ باوجود اس تعداد کثیر کے ہر کتاب
کا حجم سو ورق سے کم نہ تھا۔ ان کی نظم اور نثر کا نہایت عمدہ طریقہ ہے اور
نہایت خوش اسلوب پیرائے میں مضامین کو باندھا کرتے ہیں اُنھوں نے ایک
قصیدہ اپنے ماہ پیکر غلام کی تعریف میں لکھا ہے جس کا پیارا نام "رشا" تھا
اُن تمام بیتوں میں اُس کے دلپذیر حسن اور دل انگیز صباحت اور دلفریب ناز و
ادا کی تعریف کی ہے اور ان سب باتوں پر اُسکے حسن خدمات کا نہایت مداح ہے۔
وہ ان اشعار میں لکھتے ہیں کہ میں اس پیارے غلام کو اپنا غلام نہیں سمجھتا ہوں
بلکہ وہ میرا عزیز فرزند ہے کہ خدا نے مجھکو یہ بے بہا نعمت عنایت کی اور اس
کے حسن خدمتوں سے مجھکو نہایت قوت ہے۔ میرا وہ قوت بازو ہے۔ اگرچہ
وہ نہایت پیارا اور کم عمر لڑکا ہے لیکن اس کی ذات سے مجھکو بہت بڑی منفعتیں
حاصل ہیں۔ اگرچہ میں بہت ضعیف ہوں لیکن یہ تعجب کی بات نہیں ہے کہ اُس کے
خوش اندام پیکر سے میری ذات میں ایک نادر مجموعہ پیدا ہوگیا اُس کا پیارا مکھڑا
ماہ تاباں کی طرح روشن ہے جس کے گل عارض جو شل گلاب کے ہیں اور زنخدان
جو سیب کو شرماتا ہے اور رخسار تاباں جو گل انار کو شرمندہ کرتا ہے اُس پیکر نادر
کے واسطے ایک گلزار سا آراستہ ہوگیا ہے اور بوستان جمال کے واسطے یہ سر سبز باغ
ہے جو ہمیشہ رہا ہیں بوستان کی طرح تراوت بخش ہے۔ اگر کوئی عقلمند اس قد موزوں کو
دیکھے تو درحقیقت اُس کو شک گذرے گا کہ ایک سرسبز اور شاداب پودا ہے یا سرو
آزاد خراماں ہے جب اُس کی کوئی دلپذیر آواز سنے گا تو کہے گا کہ اس باغ حسن و جمال
کی قمریاں ترنم بسرا ہیں۔ یا بلبل ہزار داستان۔ میری جو کچھ دلی آرزوئیں اور امیدیں
ہیں سب اُسی کے ساتھ وابستہ ہیں۔ میرا پیارا "رشا" نہایت ظریف اور شوخ
طبع ہے کیونکہ جب وہ کبھی سخن سرا ہوتا ہے تو قصہ نمکین کہتا ہے اور درج حسن

صباحت کا چمکتا ہوا موتی ہے جس کی چمک آتش فروزان کی طرح ہے درخشندہ
ہے باوجود اس صغرسنی اور خوردسالی کے ایسا عقلمند اور منتظم ہے کہ اگر میں مخارج
اور مصارف میں فضول خرچی کرتا ہوں تو وہ اپنی عقل معاش سے میانہ روی سے
باہر نہیں ہونے دیتا۔ اور نہایت انتظام کے ساتھ صرف کرتا ہے۔ درحقیقت وہ

بالائے سرش ز ہوش مندی ۔۔۔ مے تافت ستارۂ بلندی

اُس کی مبارک پیشانی چمکتی ہوئی ہے اور اُس کے مبارک قدم سے مجکو فارغ البالی
اور بے انتہا نعمت حاصل ہوتی جب رات ہوتی ہے تو مجکو نہایت شیریں قصے
سُناتا ہے جو شہد سے بھی زیادہ میٹھے ہوتے ہیں۔ جب دن ہوتا ہے تو میرے
تمام خانگی امورات کو دیکھتا ہے اور نہایت انتظام سے میرے تمام مال ومتاع
کی جو اُس کے سپرد ہے نگرانی کرتا ہے۔ اسی وجہ سے میرا کوئی اسباب اور میرا
کوئی سامان ضائع نہیں ہوتا اور میری لباس روحانی یعنی کتابیں اور میرا لباس
جسمانی یعنے کپڑے نہایت احتیاط سے لو بنوئے ہیں۔ کھانا پکاتے میں تو ایسا
اُستاد ہے کہ اپنا مثل نہیں رکھتا ہے۔ اگر قلیہ پکاتا ہے تو مشک وعنبر کی خوشبو
اُس میں سے آتی ہے اور اگر پلاؤ پخت کرتا ہے تو عنبر اور زعفران سے زیادہ معطر
ہوتا ہے۔ طبیعت تو ایسی موزون ہے کہ جب کبھی کوئی شعر پڑھتا ہے یا سُنتا ہے
تو اُس کو اس طرح سے جانچتا ہے جیسا کہ سُنار سونے کو کسوٹی پر کسکے اس کا کھرا
کھوٹا پرکھتا ہے درحقیقت وہ شعر کو ایسا پہچاننے والا ہے کہ اُس سے زیادہ کوئی
سمجھنے والا نہیں ہے اور اس میں وہ کوشش بھی ایسی کرتا ہے کہ مجھ سے زیادہ کوئی
معرفت حاصل نہ کرسکے خط وکتابت میں تو اُس کو قدرتی ملکہ حاصل ہے گویا بالا غت کو
الفاظوں کی تصویر میں لا کر دکھا دیتا ہے۔ انہیں مراتب کی وجہ سے میں اُسکو دوست
رکھتا ہوں۔ درحقیقت وہ میرا اچھا دوست ہے اُس کی حسن ترتیب و تہذیب
تو اس درجہ بڑھی ہوئی ہے جو حد توصیف سے خارج ہے اگر میں ہنستا ہوں
تو وہ خوش ہوتا ہے اور اگر غصہ ہوتا ہوں تو وہ کانپنے لگتا ہے۔ یہ تو بہت کم بیٹھنے

اُس کی تعریف کی ہے ایک جزو ہے اُس کے صفات حسنہ کا۔ اور اُس کی تفصیل وار تعریفین اس قدر ہیں کہ شمار میں نہیں آسکتیں

ان بزرگوار کی تمام سوانح عمری میں سوائے اس کے کہ اُن کی نظم اور نثر کی فصاحت اور بلاغت دکھلائی جائے اور کیا لکھا جاسکتا ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ عربی لٹریچر میں جو خوبیان اور باریکیان ہیں اُس کو ہم اُردو میں کیوں کر لاسکیں۔ تاہم بعض مضامین جو اُردو لٹریچر میں بھی دلچسپی پیدا کر سکتے ہیں بطور انتخاب کے ہم لکھتے ہیں۔

فخر الدین حلبی اُن کے نایاب دو شعرون کا تذکرہ کرتے ہیں جسکو اُس نے اپنے دوست کی وداع کے موقع پر نہایت پُر اثر مضمون اور پُر درد لہجہ میں کیا خوب کہے ہیں وہ کہتا ہے کہ دو اے دوست میری جان گرامی تیرے اوپر سے فدا ہو تاکہ تیری دوری کی بے صبری مجھ سے دور ہو۔ افسوس جسوقت تونے مجھکو رخصت کیا آہ ایک عالم کا غم مجھکو سپرد کردیا۔ تیری جدائی نے مجکو ایسا نار و نزار کردیا کہ اگر بجائے خاشاک کے چشم ستمرسیدہ میں بھی پڑون تو اس کا درد کبھی نہ بڑھے گا۔ یعنی میرا جسم ایسا باریک ہوگیا ہے کہ وُہ کہنی آنکھوں میں پڑنے سے بھی کچھ حس نہ معلوم ہو علما مہ محمود شاکر ان دونوں بزرگوارون کی نسبت لکھتے ہیں۔ اذا استحسنا شیٔا غضبنا صاحبہ حیاکان او میتنا لاعجز من ہما عن قول الشعر۔ یعنی یہ بات نہیں ہے کہ ان بزرگوار کی طبع ذکاو عمدہ معانی اور مضامین پر قادر نہیں ہے اسوجہ سے اور وسکے کلام میں سرقہ کرتے ہیں بلکہ طبیعت مضامین کے اخذ میں ایسی سرشار ہو جاتی ہے کہ دوسرون کے مضامین جو کہ بے ربطی سے کسی دلچسپ قالب میں نہیں آتے اُن کو ایک عمدہ پیرایہ میں ظاہر کردیا کرتے ہیں اگرچہ بعض دیگر مورخین نے بھی ریویو کیا ہے کہ ان بزرگوارون کے کلام میں اکثر سرقہ پایا گیا تاہم جس مبالغہ سے مشہور کیا جاتا ہے ویسا نہیں اسلئے کہ بعض مورخین اس الزام کے بے اصل ہونیکی یہ وجہ لکھتے ہیں کہ سری رفا جو کہ ہم عصر اور ہموطن تھا اسوجہ سے ان بزرگوارون کے مرتبہ اور قبولیت عام کا حاسد تھا ہمیشہ

سرقہ کا الزام لگایا کرتا اور زیادہ تر شہرت اس تہمت اُس نے یون دی کہ قبل اس کے
کہ اُس کا شہرہ دیار موصل سے گذرے پہلے یہ کتابت سے اپنی بسر اوقات کرتا
اور اکثر دیوان کشاجم جو کہ اس عہد کا ایک نامور ادیب تھا بیچا کرتا۔ ان بزرگوارون
کے عمدہ اور نفیس اشعار دیوان کشاجم میں لکھدیتا اور بیان کرتا کہ کشاجم کے اشعار سے
سرقہ کیا ہے یہ حیلہ اور فریب اسکا ایسا بلیغ تہا کہ لوگ اُس کے دعوے کے ثبوت
کے لئے دیوان کشاجم خریدا کرتے۔ غرض کہ چند مدت تک موصل کے حدود میں ان
بزرگوارونکا ہجو خوان رہا خوش قسمتی سے اب اس کا کچھ کچھ شہرہ بھی ہوگیا تہا اور تقدیر
نے موصل سے حلب میں پہونچا دیا۔ سیف الدولہ بن حمدان کے دربار میں شعرا کے گروہ
میں ملازم ہوگیا۔ یہان اس کے دونون حریف یعنی عثمان خالدی اور ابوبکر خالدی
موجود تھے اور اُس کی حاسدانہ طبیعت کی اشتعالک کے لئے یہ بہت بڑا قوی
سبب تھا کہ ان بزرگوارون کا پایہ گروہ شعرا میں بہت ہی برتر تھا ہوگیا۔ آتش حسد
نے خالدین کے امتیاز اور اعزاز سے اور بھی اُسکو جلا کر خاک کردیا۔ رشک حسد کے
شعلے اُس کے دل میں اور بھڑک اُٹھے لیکن یہ سارا مجمع تہوڑے ہی دنون میں درہم
برہم ہوگیا۔ سیف الدولہ راہی ملک بقا ہوئے۔ سری رفا بغداد میں وزیر مہلبی کے
دربار میں پہونچا اور وہان اکا برا اور اعظم سردارون کا مدح خوان ہوا اُس کے طبعی
حسد نے یہان بھی اُس کو مجبور کیا کہ ان بزرگوارون کی ہجو اپنے قصائد میں کرتا رہا۔
اور اُس موقع پر اُسکو اور زیادہ حسد ہوا جبکہ خالدین کا نامہ ابواسحاق کو پہونچا سری
نے چند بیت لکھکر بھیجے جس میں یہ مضمون تہا کہ اے ابا اسحاق تو ہوشیار ہوجا
کیونکہ معانی اور مضامین کے ڈاکو تیرے دربار میں آتے ہیں اور یہ قزاق تیرا پہلو
گرم کرینگے۔ یہ قطاع الطریق عراق میں بھی اپنی رہزنی سے باز آئینگے نہ بمبر
کار کے لئے میں ایسا سمجھتا ہون کہ آپ اپنے گنجینہ افکار کے لئے ایک مضبوط قلعہ
تیار فرمایئے تاکہ ان دونون عیارون سے ذرہائے مضامین اور متاع معانی کی
نگہبانی کرسکیں ان ڈاکہ زنون کا حملہ اور اُن کا سرقہ بالجبر بذریعہ شمشیر کے نہیں ہوتا ہے

بلکہ یہ تو بغیر سیف وسنان کے فاختہ کی گردن سے طوق اُتار لیتے ہیں۔ آخر کار یہ دونوں بزرگوار بغداد میں آہی گئے اور اپنی آتش زبانی اور دُر افشانی سے بہت کچھ دُر اور جواہر نثار کئے۔ مگر ساتھ ہی اس کے سری رفا بھی ہجو سے باز نہ آیا

ایک مرتبہ عثمان خالدی کے ایک دوست جو کہ نہایت کوتاہ قد نہایت دُبلے پتلے تھے اُنھوں نے ایک بلند بالا اور قوی ہیکل عورت سے شادی کی جو اُن سے دوگنی معلوم ہوتی تھی ابو عثمان نے بطور ظرافت یہ چند شعر اُنکو لکھکر بھیجے جسکا حاصل مطلب یہ تھا۔ جس شخص پر کہ مصیبت نازل ہوئی اور عیش ونعمت اُسکی بلا سے مبدل ہوگئی وہ تو ہے جب کہ عمار کی لڑکی کے ساتھ نکاح کیا درحقیقت تیرے گھر میں وہ عروس تو نہیں بلکہ وہ ایک ہیبت ناک بلا نازل ہوئی ہے مجکو یہ تو بتاؤ کہ شب زفاف میں کیا ہوا تم مچھر سے بھی زیادہ حقیر ہو اور وہ شتر قربان بھلا اُس کا تم سے کیونکر کام چلے گا میں نے تو سُنا ہے کہ جب اُس عروس نو کی نظر تمہارے اس قدو قامت پر پڑی تو اُس نے کہا کہ مجکو ایک اونٹ ( ) کا چاہیئے ہے اُس کی ڈاڑھ بھی تم سے گرم نہ ہوگی تم تو میرے لئے خلال سے بھی زیادہ کم ہو اگر تم دونوں کو کبھی کوئی وقت مقاربت دیکھے تو درحقیقت ایسا معلوم ہوگا کہ سیمرغ کی چونچ میں بچہ دبا ہوا ہے۔

شراب کی تعریف میں کیسا عمدہ مضمون باندھا ہے جو درج ذیل ہے۔

قہوۃ تشترک الجسم سنفہا	ہتف الصبح بالدجی فاسقینہا
فی کاسہا ام الکاس فیہا	لست تدری لرقتہ و صفاء

کہتا ہے کہ یہ وہ وقت ہے جبکہ صبح صادق نے تیرگی شب کو الوداع کہدی ایسے سہانے وقت میں مجکو ایسی شراب دے کہ عقل وہوش دونوں چلے جاویں وہ شراب کہ جسکی صفائی اور لطافت سے یہ نہ معلوم ہو کہ جام مدام ہے یا مدام جام یعنی شراب اور جام میں کوئی تمیز نہیں ہے جب ابو عثمان خالدی اور ابوبکر خالدی دونوں بغداد سے رخصت ہونے لگے وزیر مہلبی کے دربار میں حاضر ہوئے ابو عثمان خالدی نے

جو قصیدہ الوداعی وزیر کی تعریف میں لکھا تھا اُس میں اپنی رخصت کی بہت کچھ معذرت کی اور لکھا ہے اگرچہ میں خود دربار دُربار سے رخصت ہوتا ہوں لیکن میرا دل ہزاروں آرزوں کے ساتھ اسی دربار میں مسکن گزین ہے آپکا خلق عمیم ایک مرغزار ہے با خوش آئندہ بہار ہے کہ ہر شخص اُس سے خوش و مسرور ہوتا ہے یا نعمتوں کا دریا ہے جس میں غوطہ لگا کر ہر کس و ناکس بہرہ یاب ہو جاتا ہے اگر مجکو آپ کے دربار سے کچھ محرومی کا سبب ہے وہ آپ ہی کے فیض عام سے ہے کیونکہ یہ تو ضروری بات ہے کہ جب غریب مسافر سفر میں کامیاب ہوتا ہے تو اپنے وطن میں اپنی کامیابی کی نعمتوں کو پہونچانے میں بہت مستعجل ہو جاتا ہے یا وہ غازی جس نے بہت کچھ مال غنیمت کا جمع کیا ہو اُس کی آخری خواہش یہی ہوتی ہے کہ اُس مال کو اپنے گھر میں پہونچائے کیا مجکو یہ سب کامیابی کے ذریعے نہیں حاصل ہیں الغرض ابو عثمان خالدی نے ۳۰ھ ہجری میں وفات پائی۔

ابو حاتم سجستانی

ابو حاتم سہل بن محمد بن عثمان بن یزید الجشمی النحوی اللغوی۔ ابو حاتم اکابر مشائخ اہل سنت و جماعت کے ہیں طبقات النحات میں سیوطی لکھتے ہیں کہ ابو حاتم علوم قرآن اور قرأت اور فن لغت اور صناعت شعری میں اپنے زمانہ کا امام تھا ابن خلکان لکھتے ہیں کہ ابو حاتم کو معموں کے حل کرنے میں اور پہیلیوں کے بوجھنے میں ید طولیٰ تھا اشعار کی تقطیع کرنے میں اور بحروں کے پہچاننے میں علماء عروض میں گنا جاتا تھا اور با وجود اس علم اور فضل کے نہایت عقلمند اور عفت مآب تھا اور ہمیشہ ایک دینار روز صدقہ کرتا اور ہر ہفتہ میں ایک قرآن ختم کرتا سرزمین سجستان اُس کا اصلی وطن تھا آغاز شباب میں بغرض تحصیل علوم اور اخذ فنون ایک سفر دور و دراز اختیار کیا اور ایک مدت تک اُستادوں کی ملازمت حاصل کر کے مدرسوں میں اپنی بسر کرتا رہا فن قرأت یعقوب مقری سے سیکھی علم حدیث ابو عبیدہ بصری اور عبد الملک اصمعی اور حسین بن فضل ہاشمی

اور ابوزید انصاری عبادہ سے تعلیم پائی اور جب تحصیل علوم سے
فراغت ہوئی ایک مدت تک طلبا کے درس تدریس میں مشغول رہا۔ شمس الدین احمد
وفیات میں لکھتے ہیں کہ بہت سے علما اور فاضل اس زمانہ کے ابو حاتم کے شاگرد
ہوئے۔ محمد بن درید لغوی اور ابو عباس مبرد نحوی اجلہ تلامذہ میں سے تھے خصوصًا
مبرد ان کا شاگرد رشید تھا۔ تمام شاگردوں میں سب سے پہلے اسی نے تلمذ اختیار کیا
اور ایک خصوصیت کے ساتھ مبرد کو اُس کی شاگردی میں فخر حاصل تھا مبرد اس زمانہ میں
بہت کم سن اور خوبصورت تھا اور باوجود اس خوبصورتی کے جو کہ اُس کے دلفریب
چہرے میں پائی جاتی تھی نہایت ہی خوش آواز اور خوش گلو تھا اس مہجبین کی عابد فریبی
نے ابو حاتم کے دل پر پورا قبضہ کر لیا تھا اور ایک خاص تعلق ابو حاتم کو پیدا ہو گیا تھا
اُس کے حسن و جمال اور خوش گفتاری کی تعریف میں ابو حاتم نے نہایت ولولہ کے
ساتھ یہ چند بیت لکھے۔ اپنے دلی جذبات کو ان شعروں میں ظاہر کیا جو اس کی ناشکیبی
کا پورا ثبوت ہیں اور اپنی دل آویزی کی طرف اُن بیتوں میں اشارہ کیا ان دلچسپ بیتوں
میں وہ لکھتا ہے۔ دوا یا میں نے آج کے روز کیا دیکھا اور کس قدر لطف اُٹھایا ہے۔
جبکہ وہ بیباک شوخ چشم اپنی گفتار میں نازنین عورتوں کے مانند افسوں گری کرتا ہے۔
اور سحر سامری کے کرشمے دکھاتا ہے درحقیقت حسن کا قافلہ اور ملاحت اور صباحت
کا کاروان اُس کے صفحہ عارض پر اقامت گزیں ہے کیا یہی سبب ہے کہ چشم خلائق اُس کے
تماشائے جمال میں حیران ہے اُس کے حرکات اور سکنات کے نادر کرشمے اور دلفریب
ادائیں دین و ایمان کو برباد کرنے والی ہیں جھگڑا اُس کے ساتھ ایک سچی محبت سے جو
عفت مآبی اور پارسائی کیساتھ برتی جاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ آتش محبت کے
شعلے میرے سچے عشق کو ہمیشہ فروزاں کرتے رہتے ہیں یا ابا العباس میری جان
تجھ سے فدا ہو تو اُس عاشق شیدا کے حال پر رحم کر جس نے تیری سچی محبت کو اپنے
دل میں جگہ دی ہے جس نے اپنے آرام اور راحتوں کو تیری محبت میں برباد کر دیا اور
غم و الم میں گرفتار ہے خدا کے لئے تو اپنے وصل سے جو کہ مذہب اور ملت میں

حرام نہیں ہے شاد کام کر کیونکہ میں ہرگز حرام کی خواہش نہیں رکھتا ہون اور آئین محبت میں عاشقان پاک بازسے ہون۔ ؎

گر نظرے صدق را نام گناہ می نہند حاصل ما ہیچ نیست جز گناہ اندوختن

نقل کرتے ہیں کہ ابو حاتم جب کہ بغداد میں گیا ایک روز بغداد کی مسجد میں بیٹھا ہوا تھا اور ایک جماعت دانشمندون اور علما کی جمع تھی کسی نے پوچھا کہ اس آیۃ کریمہ ﴿یا ایہا الذین آمنوا قوا انفسکم واہلیکم نارا وقودہا الناس والحجارۃ﴾ میں (قوا) کا مفرد کیا ہے ابو حاتم نے کہا (قِ) بعد اُس کے پوچھا تثنیہ اُس کا کیا ہے کہا (قیا) کہا جمع اس کا کیا ہے کہا (قوا) بعد اُس کے کہا کہ ان تینون کی گردان کیجئے کہا (قِ قیا قوا) اتفاقاً مسجد کے گوشے میں ایک شخص بیٹھا ہوا تھا اور ایک قماش اُس کی بغل میں تھا وہ اس گفتگو کو سُنتا تھا جب اُسنے اس گردان کو سنا اپنے ایک دوست سے کہا کہ ان کپڑون اور قماش کو تم اپنے پاس رکھو جب تک کہ میں پلٹ کر نہ آؤں وہ یہ کہہ کے اصحاب شُرطہ کے پاس گیا اور کہا کہ میں نے ایک ایسی قوم کو پایا ہے جو کہ کلام مجید کو مرغون کی طرح پڑھتے ہیں ابو حاتم کہتے ہیں کہ تھوڑا ہی سا زمانہ گذرا تھا کہ ایک گروہ مددگارون کا اصحاب شُرطہ سے آکر جمع ہو گئے۔ اور مجکو گرفتار کر لیا۔ اپنے حاکم کے پاس لے گئے۔ ایسے مواقع پر عوام کا بہت ہی اژدحام ہو جاتا ہے بہت لوگ آکر جمع ہو گئے مجھ سے اس واقعہ کو پوچھنے آئے اور حاکم نے مجھ سے اُس کا مفصل حال پوچھا میں نے آگے بڑھ کے اُسکو پوری حقیقت سے آگاہ کیا۔ اس واقعہ کو سُنکر مجھکو اُس نے اور زیادہ سزا دی اور کہا کہ یہ بات تجھ کو چاہیے تھی اور کیا عقلمندوں کو یہ بات روا ہے کہ عوام کے مجمع میں ایسے باریک مسائل یا ایسے الفاظون کو زبان پر لائے جو عوام کی فہم سے بعید ہون اور اُن سے فتنہ پھیلے۔ انجام کار میرے ساتھ جس قدر لوگ تھے سب کو دس دس تازیانے کی سزا دی اور اُن سے مستحکم عہد اور مضبوط وعدہ لے لیا۔ کہ آئندہ پھر کبھی ایسے مجمع عام میں ایسے مسائل کا ذکر نہ آوے ابو حاتم اس واقعہ کے بعد فوراً بغداد سے چلے گئے اور بصرے میں آکر قیام کیا۔

محمد بن حسن ابو حاتم سے نقل کرتے ہیں کہ اُس زمانہ کے خلیفہ نے بصرے
کی حکومت پر ایک حکیم دانش مند اور ذی علم کو مقرر کیا۔ جب وہ بصرہ میں آیا میں
موافق رسم زمانہ کے اُس کی مبارک باد کے لئے گیا اُس نے مجھ سے پوچھا کہ اے
سجستانی تو مجھکو یہاں کے علما سے واقف کر اور ہر ایک کے علم و فضل سے مجھکو اطلاع
دو میں نے کہا کہ اے میرے سردار مازنی۔ نحو میں بہت مشہور ہیں۔ اصمعی و ہلال الرائے
علم فقہ میں زیادہ شہرت رکھتے ہیں اور شاذ کونی۔ فن حدیث میں مسلم الثبوت ہیں
اور زیادی۔ نقل و حکایات اور روایات میں بے نظیر ہیں۔ اور ابن کلبی فرمان
اور عہد ناموں کے لکھنے میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ اور مجکو لوگ علم قرآن میں زیادہ
اچھا سمجھتے ہیں۔ پس والی بصرہ نے اپنے منشی کیطرف مخاطب ہو کر حکم دیا کہ جو لوگ
ابو حاتم نے اسوقت لکھوائے ہیں اُن کی حاضری کا حکم دو تاکہ صبح کو والی بصرہ کے
دربار میں حاضر ہوں صبح کے وقت تمام لوگوں کے ساتھ والی بصرہ کے دربار میں میں
بھی گیا والی بصرہ نے مجمع کیطرف مخاطب ہو کر کہا کہ ابو عثمان مازنی تم میں سے کون ہے
ابو عثمان نے کہا۔ (ہا انا ذا یرحمک اللہ) یعنے میں ہوں مازنی اے والی بصرہ تجھپر
خدا کی رحمت ہو والی بصرہ نے کہا کہ اے ابو عثمان کیا یہ شرع کی رو سے جائز ہے
کہ ظہار کے کفارہ میں احول غلام کا آزاد کرنا ادائے کفارہ کے لیے کافی ہے ابو
عثمان نے کہا کہ مجکو مسائل شرعیہ سے پوری واقفیت نہیں تاکہ میں فتویٰ دوں ہاں
البتہ اگر کچھ قواعد عربی اور ادب میں سوال کیجئے تو میں کافی جواب دے سکتا ہوں
پس زیادی کی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ اے زیادی جو عورت کہ اپنا تیسرا حصہ مہر
کا اپنے شوہر کو دے تاکہ وہ اُس حصہ کو بعوض خلع کے لیکر اُسکو طلاق دیدے۔
اُس نے کہا کہ یہ تو مسائل فقہ سے ہے۔ میں اس فن کو نہیں جانتا ہوں۔ ہاں
البتہ ہلال الرائے جو اپنے زمانہ کا فقیہ ہے اُس سے یہ سوال کرنا چاہیئے۔ ہلال الرائے
سے خطاب کر کے کہا کہ یا ابن عون کتنی حدیثیں امام حسن سے روایت ہیں۔ کہا کہ میں
فن حدیث سے بے بہرہ ہوں ہاں البتہ شاذ کونی اس علم میں بہت مشہور ہیں۔ شاذ

کوفی سے والی بصرہ نے کہا کہ ساتوں قراتوں میں سے یہ کونسی قرات ہے جو اس آیت میں وداالانہم یثنون صدورہم (یثنونی) ساتھ یائے تحتانی کے قرات کرتے ہیں۔ اُنھوں نے کہا کہ علم قرات سے مجھکو کچھ بھی واقفیت نہیں۔ اس کا جواب ابو حاتم سجستانی نہایت صحت کے ساتھ دے سکتا ہے پس ابو حاتم کہتے ہیں کہ میری طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ اے ابو حاتم تم پریشانیوں اور خرابیوں کو جو اہل بصرہ کو پہنچیں اور وہ آفتیں سماوی جو تم پر آئیں اور وہ باتیں جو خلافت میں گذریں جس کے ضمن میں یہ بھی بات ہو کہ خراج کے لینے میں اور جمع خرچ کے طیار کرنے میں تاخیر ہوئی ہے میں مستدعی ہوں تاکہ کچھ مہلت ملے۔ اس قسم کے مضامین کو تم کیونکر لکھ سکتے ہو ابو حاتم نے عرض کیا کہ اے سردار میں اس علم سے بالکل ناواقف ہوں مجکو علم علم قرآن اور مفسر کلام اللہ جانتے ہیں۔ پس والی بصرہ نے نہایت طعن کے ساتھ کہا کہ مجکو بہت بڑا افسوس معلوم ہوتا ہے اور ہے بھی یہ بُری بات کہ تم نے اپنی عمر عزیز کو پچاس برس کے قریب بیکار صرف کر دیا اور ایسے وسیع زمانے کو صرف ایک ہی فن کی تکمیل میں ضائع کیا۔ سوائے ایک ہی فن کے دوسرا کوئی علم نہ سیکھا اگر کبھی تم سے سوائے اس فن کے کوئی مطلب دریافت کیا جاتا ہے یا علاوہ اُس فن کے کوئی سوال کیا جاتا ہے تو تم اُس کے جواب میں بالکل عاجز ہو جاتے ہو اور بُرا بھلا کچھ بھی نہیں کہہ سکتے۔ لیکن کسائی ہمارے علما میں سے کوفہ میں ہے وہ ان سب مسائل کو جو طرح طرح کے ہیں سوال کیا جاوے تو ہر ایک مسئلہ کو نہایت توضیح کے ساتھ بتا سکتا ہے اور کسی سوال کے جواب میں ایک ادنیٰ توقف بھی نہیں ہوتا۔

القصہ جس زمانہ میں کہ سلیمان بن جعفر بن عیسیٰ بن علی بن عبداللہ بن عباس ولایت بصرہ کا حاکم تھا ابو حاتم بھی اُس کے دربار میں حاضر رہتا اور سلیمان اُس کے ساتھ بہت کچھ سلوک ہوتا سلیمان کے دربار میں ابو عثمان مازنی سے بھی ملاقات ہوا کرتی اور ابو حاتم اس خوف سے کہ مبادا مازنی نکات نحو اور دقائق اعراب

کچھ سوال نہ کر بیٹھے کسی علمی بحث میں خوض کیا کرتا اور کسی کتاب میں مشغول رہتا یا
لطائف الحیل سے رخصت ہو کر چلا آتا اس احتیاط سے اور خوف کا سبب یہ تھا
کہ اُس زمانہ میں تکمیل فن لغت کیطرف زیادہ متوجہ تھا اسوجہ سے اکثر مسائل نحو کے
بھول گیا تھا۔ اور نحو کے مباحثے کی طاقت نہیں رکھتا تھا بعضے اُن کے حال کے
ضمن میں لکھتے ہیں کہ ابو حاتم ایک مرتبہ ایک راہب کے پاس گیا اور اُس سے
درخواست کی کہ مجھکو کچھ نصیحت کر راہب نے کہا وعظکم وفیکم القرآن ومنکم محمد صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم۔ یعنے اے ابا حاتم باوجودیکہ قرآن مجید تمہارے ہاتھوں میں ہے اور
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے رسول ہیں مجھسے کیا نصیحت چاہتے ہو۔
اُن کی احادیث تمہارے لئے کافی ہیں۔ ابو حاتم نے کہا سچ ہے۔ بعد اس کے
کہا یہ ایک بیت تمہارے ہی لوگوں کی کہی ہوئی ہے تمکو بطور نصیحت کے سُناتا ہوں
اور اسی سے تم نصیحت لو۔

تجرد عن الدنیا فانک انما خرجت الی الدنیا وانت مجرد

یعنے جیسا کہ تم عدم سے اس سرائے فانی میں برہنہ آئے ہو اُسی طرح سے ہمیشہ
علائق اور آلائش دنیا سے برہنہ رہو۔ ابو حاتم کے تجربہ میں ایک عمدہ نسخہ یہ تھا کہ اگر
کسی کو کوئی پوشیدہ خط بھیجنا چاہے اور یہ بات منظور ہو کہ اُس خط کو کوئی نامحرم نہ
پڑھ سکے تو تھوڑا سا دودھ لو اور اس سے لکھو جب یہ خط اُس شخص کے پاس پہونچے
جسکو بھیجنا منظور ہے تو تھوڑا سا کاغذ جلا کے اُس کی خاک اُسپر چھڑک دو دودھ
کا لکھا ہوا بالکل سیاہ ہو جائیگا اور اچھی طرح سے پڑھا جا سکے گا اور دوسرا نسخہ
یہ ہے کہ پھٹکری کے پانی سے لکھکر اُسپر تھوڑا سا مازو پیسکر چھڑک دے لکھا ہوا ظاہر
ہو جائیگا۔ یا یہ کہ مازو کے پانی سے لکھکر پھٹکری چھڑک دے۔ اس میں بھی وہی بات
حاصل ہے۔ الحاصل ماہ محرم میں یا بقول دیگر رجب ۲۴۸ھ میں یا بقول دیگر ۲۵۴ھ
میں وفات پائی۔ والی بصرہ سلیمان بن جعفر ہاشمی نے اُنکے جنازے کی نماز پڑھائی
اور سُرت المصلے میں اُن کو دفن کیا۔ اس کی متروکات میں سے اس قدر کتابیں موجود

تھیں جنکی قیمت چودہ ہزار دینار سے کم نہ تھی۔ کیونکہ اسکی وجہ معاش کتابوں کی تجارت پر تھی
اور اسی وجہ سے اُس کے پاس ایک خزانہ کتابوں کا ہو گیا تھا۔ ابن سکیت نحوی نے
اُس کے وارثوں کے پاس کسی آدمی کو بھیجکر بہت ہی کم قیمت پر وہ سب کتابیں لے
لیں اونتیس کتابیں اُس کی تالیفات سے ہیں جو مختلف علموں میں لکھی گئیں۔

ابراہیم موصلی

ظہیر الدین ابو اسحق ابراہیم نصیر عسکر موصلی قاضی ابن خلکان ان بزرگوار کی نسبت
لکھتے ہیں کہ ابو اسحق ابراہیم اہل عراق سے ہیں۔ قریہ سندیہ کے لوگوں میں شمار کئے
جاتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ موصلی ہیں۔ فقہ شافعی کے عالم تھے ابن ذہبی ان کی
تحصیل کی نسبت لکھتے ہیں کہ علم فقہ اور حدیث موصل میں قاضی ابو عبد اللہ
حسین بن نصیر الخمیس موصلی سے حاصل کی۔ بعد فراغ حدیث و فقہ سرزمین
بغداد کا قصد کیا۔ مدرسہ نظامیہ میں جاکر قیام گزیں ہوئے طالب علمانہ
طریقے پر خود بھی پڑھتے اور دوسرونکو بھی تعلیم دیتے رہے۔ اسی طریقے سے
چندے بغداد میں بسر کی اور علم فقہ اور حدیث میں کمال درجہ کی قابلیت پیدا کرلی
بعضے مصنفات ابو البرکات عبد الرحمن بن محمد انباری نحوی کی جسکو ابن میں حاصل
کیا تھا ایک جم غفیر اور جماعت کثیر کو تعلیم دیتے۔ لیکن وہ لوگ جو کچھ ان کتب کے
مطالب اخذ کرتے وہ ابراہیم کی طرف منسوب کرتے۔ غرض کہ اس شہرت عامہ
حاصل کرنے کے بعد شہر موصل کیجانب معاودت کی۔ بلدہ اسلامیہ میں قاضی
مقرر ہوئے۔ ایک مدت تک مسند قضا کو رونق دی۔ ابراہیم نہ صرف مولویانہ مذاق
رکھتے تھے بلکہ شعر و شاعری سے بھی ان کو شوق تھا اور طبیعت نہایت موزون اور
رنگین تھی۔ اُن کے چند اشعار ذیل میں درج کیے جاتے ہیں فصاحت بلاغت
کی جانچ۔ عربی زباندانی کا لطف تو اہل زبان ہی خوب سمجھ سکتے ہیں لیکن مضامین
کے اعتبار سے ہمارے ناظرین ملاحظہ فرمائیں گے کہ عرب کی شاعری کس قدر

مؤثر ہے ۔ درحقیقت حقیقت الامر کا فوٹو کھینچتے ہیں اور دلی جذبات کو ایک بیتابانہ طریقے سے ادا کیا ۔

لا تنسبوني بالثقاتی الی   غدر فلیس الغدر من شمتی

اقسمت بالذہب من عیشنا   وبالمسرہ التی ولت

انی علی عہدنا لم احل   وعقدۃ المیثاق ما حلت

کہتا ہے کہ ۔ واے میرے ایک رنگ دوستوں تم میری طرف مکر و فریب کی نسبت نہ دو کیونکہ مکر و فریب میری عادت نہیں ہے ۔ میں اپنی گذشتہ عمر اور مسرتوں کی قسم کھاتا ہوں کہ میں وعدوں اور معاہدوں پر برقرار ہوں اور محبت کے معاہدے ٹوٹے نہیں ہیں ۔

وله

جود الکریم اذا ما کان من عدۃ   وقد تاخر لم یسلم من الکدر   ان السحاب لا تجدی بوارقہا

اذا تراہا ولم تمطر علی الاثر   وما طل الدا عد مذموم وان سمحت   یداہ من بعد طول المطل بالبدر

یا دوحۃ الجود لا عتب علی رجل   یہزہا وہو محتاج الی الثمر

یعنی جبکہ کسی سخی کی بخشش وعدہ و وعید پر اٹھا رکھی جاتی ہے اور اتفاقاً اُس وعدہ میں کسی قدر تاخیر ہوئی تو ایسے وعدے اکثر مورد الزام سمجھے جاتے ہیں اُسکی مثال ایسی ہے گھنگھور گھٹائیں آئیں بجلی چمکے لیکن پانی نہ برسے تو کیا فائدہ دیکھو نگ لوگ یہی کہیں گے جو گرجے ہیں وہ برسینگے کیا) جو لوگ کہ اپنے وعدوں میں تاخیر کو جائز رکھتے ہیں وہ مذمت کرنے والوں سے محفوظ نہیں رہ سکتے ۔ اگرچہ اُس تاخیر کے بعد وہ اپنا وعدہ پورا کردیں اور دُر و جواہر زر و گوہر بخشدیں ۔ اے سخاوت کے درخت اگر اہل غرض تمکو حرکت دیتے ہیں تو کوئی مقام عتاب اور غصہ کا نہیں کیونکہ ۔

ہر کجا چشمہ بود شیریں   مردم و مرغ و مور گرد آیند

قاضی ابراہیم کے پیرو مرشد صوفی صافی کی نام حال و قال سے زیادہ رغبت رکھتے

مجمع مریدین میں بیٹھتے رقص و سرود میں مصروف رہتے تمام رات مغنیون کی صحبت گرم رہتی اور شیخ کی ایک حالت اور کیف میں مصروف رہتے۔ ہمارے قاضی ابراہیم موصلی فقیہ اور متورع۔ یہ اپنے مرشد کی ایسی بدعنوانیوں سے نہایت بیزار رہتے لیکن کرتے کیا مرشد کی خدمت میں زیادہ گستاخی بھی ناجائز سمجھتے تھے۔ تاہم قاضی ابراہیم نے چند بیت لکھکر تنبیہاً اپنے مرشد کی خدمت میں بھیجدیئے۔

الا قل لمکی قول النصوح | فحق النصیحۃ ان تستمع
متی تسمع الناس فی دینھم | بان الغنا سنۃ تتبع
وان یاکل مرا اکل البعیر | ویرقص فی الجمع حتے یقع
ولو کان طاوی الحشا جائعا | لما دار من طرب واستمع
وقالوا سکرنا بحب الالہ | وما اسکر القوم الا القصع
کذا لک الحمیر اذا اخصبت | ینقرھا ریھا والشبع

یعنی شیخ مکی کو مشفقانہ نصائح کے ساتھ پیغام دو۔ اور کیا خوب ہوگا کہ وہ سچی نصیحتیں گوش اطاعت اور قبول سے استماع فرمائیں۔ میں پوچھتا ہون کہ یہ کس دین کی در عقیدہ میں ہے کہ استماع غنا سنت ہے جسکی پیروی اور متابعت کیجاوے۔ کیا ایسا عقیدہ کسی مذہب میں دیکھا گیا ہے کہ لوگ بمقدار غذائے شتر کہاتے ہیں اور مجمع میں اکثر رقص و کیف میں آتے ہیں اور اُس سرشاری کی خستگی سے گرپڑتے ہیں مگر نہیں یہ لوگ جب بھرے ہوتے ہیں اور جب ان کا پیٹ خالی ہوتا ہے یا یہ مغموم اور رنجیدہ ہوتے ہیں اُسوقت نو ان کو نہ شوق گانا سننے کا ہوتا ہے نہ ذوق حال و کیفیت کا رہتا ہے (کیونکہ اُسوقت تو پیٹ کی لگی ہوتی ہے)

وہ کہتے ہیں کہ ہم خدا کی شراب الفت میں سرمست ہیں لیکن اللہ جانتا ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں بلکہ اُن کی بدمستی روٹیوں کے واسطے ہے۔ یہ سارے کرشمے پیٹ بھرنے کے لئے ہیں۔ خدا کی محبت کے لئے تو یہ کچھ بھی نہیں کرتے اُن کی حالت بالکل ایسی ہے کہ جب گدھا سیر ہوتا ہے تو سرکشی اور رمیدگی اختیار کرتا ہے۔

انہیں بزرگوار کے یہ عاشقانہ دو شعر ہیں لیکن لفظاً ہیئت کے ساتھہ نہایت عمدہ

طرح سے ادا کیا ہے۔ ؎

اقول لہ صلنے فیصرف وجہہ ۔۔۔ کانّی ادعوہ لفعل محرم
وان کان خوف الاثم یکرہ وصالتی ۔۔۔ فمن اعظم الاشیاء قتلۃ مسلم

یعنی جب میں اپنے دلربا سے التجا کرتا ہون کہ مجکو اپنے وصل سے شاد کام کرو تو وہ انکار کرتا ہے اس شبہ سے کہ گویا میں طالب ہون فعل حرام کا۔ اور اگر انکار اس کا خوف گناہ سے خیال کیا جائے تو کوئی گناہ اس سے زیادہ نہیں ہے کہ ایک مسلمان تیری تیغ مفارقت سے بیگناہ قتل ہو جائے۔

آخرالامر بروز پنجشنبہ ۳ ربیع الثانی سنہ ۱۸۱ھ ہجری میں دنیا سے رحلت فرمائی انا للہ وانا الیہ راجعون۔

عبداللہ ابن مبارک

ابو عبدالرحمن عبداللہ بن مبارک بن واضح الحنظلی المروزی۔ ان کے پدر بزرگوار ایک غلام تھے ان کا مالک ایک تاجر ہمدانی تھا اور وہ تاجر بھی حنظلہ تھا جو کہ قبیلہ بنی تمیم سے تھا اسی وجہ سے ان کو حنظلی کہتے ہیں تاریخ عامری میں لکھا ہے کہ عبداللہ کے پدر بزرگوار دو مبارک،، نہایت متقی اور پرہیزگار اور زاہد تھے اُن کے مالک نے مبارک کو داروغہ باغ کر دیا تھا۔ ایک روز تاجر نے کہا کہ ایک انار ترش باغ سے توڑ لاؤ۔ یہ گئے اور انار لے آئے۔ کاٹا تو وہ انار شیریں تھا۔ ترکی تاجر نے کہا کہ میں نے تو کھٹا انار مانگا تھا تم شیریں لے آئے۔ مبارک نے کہا کہ میں کیا جانون کہ کون انار شیریں ہے اور کون ترش۔ جو شخص چکھے وہ کہہ سکتا ہے کہ فلان درخت میں کھٹا انار ہوتا ہے فلان میں شیریں۔ ترکی تاجر نے کہا کیا تم نے اب تک کوئی انار نہیں کھایا۔ کہا آپنے مجھکو داروغہ باغ کیا تھا اس بات کی مجھکو اجازت نہ تھی کہ میں اُس کو انار بھی کھاؤن مجھکو آپ کے حکم کی تعمیل اسی قدر کرنا تھی کہ اُس باغ کی نگہبانی کرتا۔ ترکی تاجر اس احتیاط اور دیانت داری سے نہایت خوش ہوا اور

اور اُن کو اپنی صحبت میں رکھا۔ باغ دوسرونکو سپرد کر دیا۔

ابن خلکان اس قصہ کو بعض مورخون کے حوالہ سے ابراہیم بن ادہم کیطرف منسوب کرتے ہیں ایسا ہی کچھ طرطوشی نے سراج الملوک میں لکھا ہے لیکن بستان المحدثین میں مبارک ہی کی نسبت لکھا ہے۔ وہ اس حکایت کو بھی نقل کرتے ہیں کہ ایک روز ترکی تاجر نے اپنی لڑکی کے نکاح کے متعلق مبارک سے صلاح کی کہ میری لڑکی شادی کے قابل ہو گئی ہے اور اب مجھکو اُسکی شادی کی فکر ہے۔ مبارک نے کہا کہ اہل عرب جاہلیت کے زمانہ میں حسب و نسب کو زیادہ دیکھتے تھے۔ اور کفو اور غیر کفو کا لحاظ کیا کرتے تھے۔ اور یہودی مال و دولت کا لحاظ کرتے اور نصاریٰ حسن و جمال کو دیکھتے ہیں۔ لیکن زمانہ اسلام میں چاروں چیزوں کا لحاظ کیا جاتا ہے خواہ باعتبار حسب و نسب کے آپ دیکھیں یا مال و دولت کا لحاظ فرمائیں یا حسن و جمال کے اعتبار سے کریں۔ جو بات پسند خاطر عاطر ہو وہ اختیار فرمائیے۔ ترکی تاجر کو یہ رائے نہایت پسند آئی اور اس کی اس عقل وادراک سے بے انتہا خوش ہوا۔ گھر میں جا کر اپنی بیوی سے مشورہ کیا اور کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اس لڑکی کی شادی مبارک سے کر دوں کیونکہ مبارک زہد و تقویٰ اور دینداری میں سرآمد روزگار ہے اگرچہ غلام ہے لیکن اُسکے افعال شریف ہیں۔ لڑکی کی ماں نے اس تجویز کو پسند کیا اور مبارک سے اُس کا نکاح کر دیا۔ اس سے عبداللہ بن مبارک پیدا ہوئے۔ زمانہ پیدائش عبداللہ کا ۱۱۸ھ یا ۱۱۹ھ ہے عبداللہ نے اپنے ترکہ میں بہت مال پایا ایام شباب اور جوانی کے عالم میں شرب نبیذ اور دیگر عیش و عشرت کے ساز و سامان اور لوازم عیش و نشاط میں مصروف رہنا ایک مرتبہ موسم بہار کا زمانہ تھا ہوائے فرحت بخش اور نسیم نشاط افزا کے دلفریب جھونکوں سے طبیعت ہاتھ سے نکلی جاتی تھی سبزۂ خوابیدہ کی وہ سرسبزی گل و ریحان کی وہ شادابی۔ خوشہ ہائے انگور کا وہ دلفریب سمان موسم بہار کی وہ جان۔ یعنی ہوائے سرد آب باران۔ سطح گلشن کی وہ مسرت انگیز فضا۔ نونہالان چمن کی وہ

وارستہ ادا کچھ ایسی دلفریب معلوم ہوئی کہ عبداللہ کے پُرجوش دلکو سیر باغ کا بیحد
شوق ہوا اور سرو دستیوں کے تقاضے سے سمند ناز پر اک اور تازیانہ ہوا۔ دل پُرجوش
کی اُمنگیں آخر کار باغ میں کھینچ لائیں۔ بمقتضائے وقت تنہائی کیا خاک پسند ہوتی
یار آشنا دوست احباب بھی اس دلفریب سیر میں اُس کے شریک ہوئے اور
وقت کی دلچسپیوں نے شراب وکباب کا بھی رنگ جما دیا مسرت انگیز لہو ولعب
سرود وچنگ کے جلسے بھی جم گئے۔ بدمستی کا تلاطم جب حد سے گذر گیا اور جوش سرور
نے غفلت کے پردے آنکھوں پر ڈالدیئے شراب کے نشے نے بیخود کر دیا اور سب کے
سب بیہوش ہوگئے یہانتک کہ نسیم سحر کی اٹکھیلیوں نے اُنکو ٹھکرا ٹھکرا کر چونکایا۔
خمار اُتارنے کے لئے تھوڑی شراب پیکر دف وچنگ کو ہاتھ میں لیا۔ اب
ستار بجاتے ہیں تو بجتا نہیں آخر کار موجودہ لوگوں میں سے نہایت ماہر اُستادوں
نے اُسکی درستی کی اور نہایت مضبوط تار لگائے پھر بھی کوئی صدا پیدا نہ ہوئی اور
دفعتًا خدا کی قدرت سے یہ آواز دی "الم یان للذین آمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ
وما نزل من الحق" کیا مسلمانوں کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا ہے کہ ذکر خدا
اور اُن سچے احکام کے لئے جو اُن پر نازل ہوئے اُنکے دل عاجزی کریں۔ یہ لوگ
اس ندائے غیبی سے نہایت خوفزدہ ہوئے اور ہیبت آلہی سے چنگ و سرود
کو توڑا۔ شراب کی صراحیاں پھینکدیں جام شراب کو ٹھکرا دیا اور اپنے رنگین اور زرق
برق کپڑے پھاڑ ڈالے اور خدا کی عبادت میں مصروف ہوئے توبہ کی۔ عبداللہ
کو تو اس ندائے غیبی سے ایسی تنبیہ ہوئی کہ اُسی وقت سے تحصیل علم فقہ کیطرف
توجہ کی۔ اس حکایت کو عبداللہ بن حماد نے اسی طریقہ پر تاریخ مختصر المدارک میں
بیان کیا ہے لیکن طبقات کفوی نے اس قصہ میں اس قدر اختلاف کیا ہے کہ جب
شرب شراب سے اُنکو مدہوشی طاری ہوئی اور سب کے سب غافل سوگئے تو خواب
میں دیکھا کہ ایک خوش الحان جانور اُن کے سرہانے ایک درخت کی ڈالی پر
بیٹھا ہوا آیت مذکورہ کو پڑھ رہا ہے۔ بستان المحدثین میں ان دونوں روایتوں کا

اس طرح فیصلہ کیا گیا ہے کہ ممکن ہے کہ پہلے یہ واقعہ ان لوگوں کو خواب میں ہوا
ہوا ور بعد اُس کے بیداری میں بذریعہ ندائے سقائے غیبی یہ ماجرا پیش آیا ہو بہر حال
کوئی روایت صحیح ہو۔ عبد اللہ کی ہدایت اس طرح پر ہوئی ابتدائً حضرت امام اعظم
رحمۃ اللہ علیہ سے اُنھوں نے تفقہ حاصل کیا مگر جب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا
وصال ہوگیا تو مدینہ منورہ میں آئے اور امام مالک علیہ الرحمۃ سے تحصیل علم فقہ
فرمائی اور یہی وجہ ہے کہ اُنکا اجتہاد دونوں پہلو رکھتا ہے اور اُن کے فتوے
ایک مجموعی ہیئت رکھتے ہیں چنانچہ حنفیہ اپنے مجتہدین میں شمار کرتے ہیں اور
مالکیہ طبقات علمائے مالکیہ میں شمار کرتے ہیں اور محدثین اپنے گروہ میں داخل
کرتے ہیں۔ ان کی تمام عمر سفر میں گذری کبھی حج میں کبھی جہاد میں کبھی تجارت
میں۔ اور تمام ممالک اسلامیہ میں گھومے۔ امام مالک اور سفیان ثوری اور
سفیان بن عیینہ اور ہشام بن عروہ۔ وعاصم احول سلیمان تیمی۔ اور حمید طویل اور
خالد حذار اور دیگر علمائے کبار تابعین اور تبع تابعین سے اخذ حدیث فرمایا
اور بڑے بڑے اکابر محدثین اُن سے فیضیاب ہوئے مثل عبد الرحمٰن بن اسدی اور
یحییٰ ابن معین اور ابو بکر اور عثمان پسران ابی شیبہ اور امام احمد اور حسن بن عرفہ آپکے
شاگرد تھے۔ عبد اللہ سے خود منقول ہے کہ میں نے چار ہزار اکابر علما۔ اور فقہار سے
اخذ علم کیا لیکن میں کسی سے روایت نہیں کرتا مگر صرف ہزار شیوخ محدثین سے تعجب
ہے کہ سفیان ثوری اجلۂ شیوخ استادوں میں ہیں لیکن عبد اللہ ابن مبارک سے خود
اخذ حدیث کیا۔ اور سفیان ثوری باوجود اس علم و کمال کے جس سے بڑے بڑے کاملین
کو حیرت ہوتی ہے مگر ہمیشہ یہی فرماتے کہ مجکو اس امر کی آرزو رہی اور بہت کچھ کوشش
کی کہ تین روز و شب تمام سال میں ابن مبارک کی طرح بسر کروں مگر نہ ہو سکا حسن بن
شفیق کہتے ہیں کہ ایک روز نماز عشار پڑھکے ابن مبارک کے ہمراہ مسجد سے آیا اور
ارادہ تھا کہ گھر جاؤں اور جاڑوں کی رات تھی جب مسجد کے دروازے تک ہم پہنچے تو
ایک حدیث کا ذکر آگیا۔ ابن مبارک نے اُسکے جواب میں تقریر کرنی شروع کی اور میں

اُسی جگہ کھڑا ہو گیا اُس دلچسپ تقریر میں ہمکو یہ بھی نہیں معلوم ہوا کہ رات کیونکر گذر گئی اُسوقت ہم چونکے جب موذن نے صبح کی اذان دی۔

ایک مرتبہ اپنے وطن مرو سے شام کو اس غرض سے گئے کہ ایک قلم کسی کا عاریت لیا تھا وہ بھولے سے اُن کے اسباب کے ہمراہ چلا آیا۔ اور فرماتے تھے کہ ایک درہم مشتبہ کا رد کرنا بہتر اس سے ہے کہ ایک درہم خدا کی راہ میں صدقہ کروں۔ اور یہ امر اُن کی عادت میں داخل تھا کہ جب کبھی حج کو جاتے تو ایک جماعت کثیر ہمرکاب ہوتی اور جو جو اپنا زادراہ اُن کے پاس جمع کراتا اُسکو جمع کر لیتے اور ہر ایک کا نام ایک فہرست پر معہ تعداد نقد لکھ لیتے اور جب حج سے واپس آتے تو ہر شخص کا روپیہ دیدیتے لوگوں نے پوچھا جبکہ آپ اپنے پاس سے سب کا بار اُٹھاتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ پہلے آپ لوگوں کا روپیہ کیوں جمع کر لیتے ہیں فرمایا کہ اگر میں اول مرتبہ ایسا کروں تو یہ میرے ساتھ جانے سے انکار کریں اور اس سعادت سے محروم رہیں اس خیال سے کہ وہ اپنا روپیہ اُٹھاتے ہیں اور کسی پر اپنا بار نہیں سمجھتے ہیں۔ پس میرے ہمراہ جاتے ہیں اور میں اُن کے طفیل میں ایک رقم کثیر للّٰہ صرف کرتا ہوں اگر میں واپس کروں تو اس عمدہ فیض و برکت سے محروم رہیں تحفے اور ہدیئے جو مین سے جو اپنے دوستوں کے لیئے لاتے تھے اس میں بھی ایک رقم کثیر صرف ہوتی تھی۔ اور یہ تمام مصارف تجارت کے ذریعہ سے ہوتا تھا۔

ایک مرتبہ ان کے باپ نے پچاس ہزار درہم تجارت کے واسطے دیئے کہ تم اس سے کاروبار تجارت کرو۔ آپ نے وہ تمام روپیہ تحصیل علم حدیث میں صرف کر ڈالا۔ جب وطن کو واپس آئے تو باپ نے پوچھا کیا مال لائے اور کس قدر نفع حاصل ہوا۔ آپ نے وہ سب حدیث کی کتابیں جو جمع کی تھیں پیش کیں۔ کہ یہ جنس تجارت ہے اور نفع دارین حاصل کیا ہے۔ ان کے باپ اس امر سے نہایت خوش ہوئے اور گھر لیجا کر تیس ہزار درہم اور پیش کیئے اور کہا لو بیٹا اسکو بھی اسی تجارت میں لگا دو تاکہ تمہاری اس تجارت میں کوئی خامی نہ رہجائے۔

روایت ہے کہ ایک روز چند اکابر بزرگوں کا ایک مجمع تھا اور ابن مبارک کی نسبت بحث ہو رہی تھی اور مقابلہ کیا جاتا تھا کہ اوصاف ذیل میں کس کا مرتبہ بلند ہے آخر یہی فیصلہ کیا گیا کہ علم فقہ وادب ولغت وزہد وشعر وفصاحت وحدیث وشب بیداری وتہجد گذاری وعبادت وحج وجہاد وزکوب وسلاحداری وترک مالا یعنے وحسن صحبت یاران اور اُن سے کسی قسم کا مناقشہ نہ ہونا اور دیگر صفات حسنہ میں سرآمد روزگار ابن مبارک ہیں اور ہر ایک صفت میں اُن کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔

قتنیہ بن سعید بلخی کہتے ہیں دو خیر اہل زماننا ابن المبارک ثم احمد بن حنبل یعنی میرے زمانہ میں سب سے بہتر ابن مبارک ہیں سکے بعد احمد بن حنبل کا مرتبہ ہے۔ لوگوں کے دلوں میں ابن مبارک کی ایسی وقعت اور محبت اور عقیدت پیدا ہو گئی تھی کہ بڑے بڑے بزرگان زمانہ اُن کی خدمت کو فخر سمجھتے اور ان سے تقرب حاصل کرنا فوز عظیم جانتے۔ ذہبی جو مشاہیر مشائخ حدیث سے ہے اور اکابر محدثین میں شمار کیا جاتا ہے اُسکو اس امر کا بڑا فخر تھا کہ اجازت حدیث میں ابن مبارک سے چھہ واسطوں سے سند حاصل ہے وہ کہتا تھا کہ میرے لئے یہ ایک اعلیٰ درجہ کی سند ہے اور کہتا تھا واللہ انی لاحبہ للہ وارجوالخیر لحبہ لما منحہ من التقویٰ والعبادۃ والاخلاص والجہاد وسعۃ العلم والانفاق والمواسات والفتوت والصفات الحمیدۃ۔

جب ابن مبارک شہر رقہ میں داخل ہوئے ہارون رشید خلیفہ عباسی بھی اُس زمانہ میں وہیں تھا ابن مبارک کی آمد سے تمام شہر میں ایک غوغا ہو گیا چاروں طرف سے لوگ اون کے استقبال کے لئے دوڑے خلیفہ ہارون الرشید کی ایک خاتون خاص قصر بام سے یہ تماشا دیکھ رہی تھی۔ پوچھا یہ کون شخص ہے اور یہ اس قدر غوغا کیوں ہے لوگوں نے عرض کی کہ ایک عالم خراسان سے آیا ہے اُس کے استقبال کو لوگ دوڑے جاتے ہیں اور اُن کا نام عبداللہ ابن مبارک ہے اُس نے کہا در حقیقت بادشاہی انہیں کو ہے۔ ہارون الرشید کیا حکومت کرتا ہے جب تک خوف وتازیانہ اور کوڑے کا نہ ہو لوگ جمع نہیں ہوتے ہیں۔ اس حکایت کو

ابن خلکان نے کتاب النصوص علی مراتب اہل الخصوص کے حوالہ سے بروایت اشعث بن شعبہ مصیصی کے ذکر کیا ہے۔ فضیل عیاض اُن کی شان میں کہتے ہیں۔ و رب ہذا البیت مارأت عینائے مثلہ۔

ایک روز کچھ لوگ علم حدیث کی تحصیل کے لئے ابن مبارک کی خدمت میں آئے اور کہا و یا عالم المشرق حدثنا۔ سفیان ثوری اُسوقت ابن مبارک کے پاس بیٹھے تھے کہا۔ ویحکم عالم المشرق والمغرب وما بینہما ان کنتم تعلمون۔

خطیب کہتا ہے کہ مجھکو عجب ہے اس امر کا کہ ابن مبارک سے صرف دو ہی شخص حدیث کی روایت کرتے ہیں ایک عمر بن راشد اور دوسرے حسین بن داؤد اور ان دونوں کی وفات میں ایک سو بتیس برس کا فاصلہ ہے۔ ابو علی الغسانی سے روایت ہے کہ ابن مبارک سے کسی نے پوچھا کہ معاویہ بن ابی سفیان اور عمر بن عبد العزیز میں کونسا شخص افضل ہے کہا جو گرد و غبار حضرت رسول مقبول کی ہمراہی میں معاویہ کی بینی پر پڑا ہزار بار بہتر عمر بن عبد العزیز سے ہے۔ معاویہ رضہ نے حضرت رسول مقبول کے پیچھے نماز پڑھی اور جب حضرت نے سمع اللہ لمن حمدہ کہا معاویہ نے ربنا لک الحمد کہا۔ پس اس سے زیادہ افضلیت کیا ہو سکتی ہے۔ اور ابن مبارک کا کلام ہے تعلمنا العلم للدنیا فدلنا علی ترک الدنیا۔ اور انہیں بزرگوار کا قول ہے کہ تحصیل علم میں پہلے مقدم یہ امر ہے کہ نیت صحیح ہو۔ بعد اُس کے اُستاد کی زبان سے جو کچھ نکلے کمال توجہ سے اُسکو سُنے اور سمجھے اور بعد اُس کے اُسکو یاد کرے اور بعد فراغ تحصیل طالب علموں اور شاگردوں کو پڑھائے جو شخص ان شروط پنجگانہ سے ایک کو بھی فوت کرے گا اُس کا علم ناقص رہے گا اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ میں نے چار ہزار حدیثوں سے صرف چار باتیں منتخب کیں۔ ایک یہ ہے کہ مال دنیا پر مغرور نہ ہونا چاہیئے اور فریب نہ کھانا چاہیئے دوسری یہ ہے کہ جس چیز کے ہضم کی طاقت نہیں خواہ مقدار کے لحاظ سے یا کیفیت یا اثر کے لحاظ سے اُسکو نہ کھانا چاہیئے۔ تیسرا اسی قدر پڑھنا چاہیئے جو نافع ہو۔ چوتھے عورت پر کسی چیز کا اعتماد نہ کرنا چاہیئے۔

جب ابن مبارک کے انتقال کا زمانہ قریب پہونچا اور حالت احتضار پیدا ہوگئی تو اپنے غلام نصر سے فرمایا کہ مجکو فرش سے اُتار کر زمین میں لٹا دو۔ نصر بھی اہل حدث میں معتبر راویوں سے ہے اس حالت بیکسی کو دیکھکر رونے لگا۔ فرمایا کیون روتے ہو کہا آپ کی وہ دولت وثروت یاد آتی ہے اور اس غربت اور بیکسی کی حالت میں جان دینے سے جو مسافرت کی بدولت ہے نہایت افسوس ہوتا ہی اور یہ دلخراش حالت مجھکو بیتاب کئے دیتی ہے۔ فرمایا صبر و سکوت کرو۔ میں ہمیشہ خدا سے یہ چاہتا تھا کہ زندگی میری دولت مندون کی طرح بسر ہو۔ اور میری موت خاکساروں کی طرح ہو۔ آخر کار اُسی مسافرت کی حالت میں جبکہ جہاد سے تشریف لاتے تھے اثنائے راہ میں قصبہ ہیئت میں جو کہ حوالی موصل سے ہے کچھ بیمار ہو کر ماہ رمضان المبارک ۱۸۱ھ میں انتقال فرمایا۔

ان کی وفات کے بعد بزرگان صالحین نے خواب میں دیکھا کہ ابن المبارک فرماتے ہیں کہ میں فردوس اعلیٰ میں پہونچ گیا۔ ابن خلکان نے ہئیت کی تشریح اور تلفظ اس طرح بتایا ہے۔ بکسر ہا و سکون یائے تحتانی۔ بعد اُسکے تائے فوقانی۔ یہ ایک شہر ہے کنارہ فرات کے فوق انبار جو کہ اعمال عراق سے ہے لیکن شام کی سرحد سے ملا ہوا ہے اور انبار بغداد کی سرحد سے ملا ہوا ہے اور ہئیت اور شام کے درمیان فرات فاصل ہے۔ جیسا کہ بغداد اور انبار کے درمیان دجلہ فاصل ہے اور قبر ابن مبارک کی ظاہر ہے جس کی زیارت کی جاتی ہے۔

ابن خلکان کہتا ہے کہ میں نے اُن کے احادیث دو جزو میں مرتب کئے ہیں اور موجیین کی اصطلاح میں جزو سے مراد مجلد ہوا کرتی ہے۔ پس دو جزو سے مراد دو مجلد ہے یعنی دو جلدون میں مرتب کیا۔ بستان المحدثین میں قبل اس کے کہ ابن مبارک کی سوانح عمری لکھے بطور تمہید یہ لکھا ہے کہ ہر چند ابن مبارک اپنے مرتبہ اور شان کے لحاظ سے اعلیٰ طبقہ میں ہیں اور اُن کی مختصر تعریف

سوائے اس کے نہیں ہوسکتی ہے کہ یہ کہا جاوے کہ مثل امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے ہیں لیکن باوجود اس شان و عظمت کے اُن کا مذہب متبوع نہیں ہوا۔ اور اسی وجہ سے عام طور پر لوگوں کو اُن کے حالات سے اطلاع نہیں ہے۔

ابو علی بن مسکویہ

ابو علی احمد بن محمد بن یعقوب بن مسکویہ۔ رے کی خاک پاک کو ان بزرگوار سے فخر حاصل تھا اپنے زمانہ میں تمام علوم و فنون میں خصوصاً علم حکمت اور اخلاق میں سوائے ابو علی سینا کے اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ احمد بن اصیبعہ نے ان بزرگوار کی نسبت نہایت حسن ظن سے یہ لکھا ہے کہ وکان ابو علی بن مسکویہ فاضلاً فی العلوم الحکمیۃ متمیزاً فیہا خبیراً فی صناعۃ الطب جیداً فی اصولہا و فروعہا یعنی ابو علی ایسے علامہ اور ممتاز فاضل علوم حکمیہ میں ہیں جنکی واقفیت نہ صرف انہیں علوم تک محدود ہے بلکہ صناعت طب میں بھی اک اعلیٰ درجہ کی قابلیت رکھتے ہیں اور اُس کے اُصول اور فروع سے کامل طور پر واقف ہیں،، ابتدائے عمر میں وزیر معز الدولہ دیلمی ابو محمد مہلبی کی توجہ اور تربیت سے عروج پایا اور اس عقل مند وزیر نے شیخ موصوف کی ہر طرح سے رعایت و مراعات کی یہاں تک کہ ابن العمید اور اُس کے لڑکے ابوالفتح ذوالکفایتین سے خصوصیتیں اور تعلقات پیدا ہوگئے اور چندے اُس کی صحبت میں بسر کی جبکہ ابوالفتح عضدالدولہ کے حکم سے مارا گیا ابو علی عضدالدولہ کے دربار میں داخل ہوئے اور اُس کی مصاحبت کرنے لگے یہاں تک کہ ان کی دیانت داری اور امانت کا نقش اُس کے دل پر جم گیا اور آخرکار اُن کو خزانچی مقرر کیا اُسی زمانہ میں شیخ نے کتاب تجارت الامم تالیف کی اُس کتاب میں ۳۷۲ سال کے وقائع اپنے زمانہ تک کے درج کئے یہ بھی

مشہور تھا کہ ابن مسکویہ اور ابو علی سینا میں جو اُس کا معاصر تھا آپس میں صفائی نہ تھی۔ چنانچہ جمہور مورخین نے یہ تذکرہ نقل کیا ہے کہ ایک روز شیخ الرئیس ابن سینا ابو علی مسکویہ کی درسگاہ میں تشریف لے گئے تھا گرد دور دور اُس کے بیٹھے تھے شیخ الرئیس نے ایک جوز ابن مسکویہ کے سامنے ڈالدیا اور سوال کیا کہ اس جوز کو چانول سے ناپ کرتا ؤکہ کئے شعیرات اس کی مساحت ہے۔ ابن مسکویہ نے فی الفور ایک جزو اخلاق کا کھولکر رکھدیا کہ پہلے اپنا اخلاق درست کرو اسوقت ہم جوز کی مساحت بتائیں گے۔ کیونکہ پہلے نادانون کا اخلاق درست کرنا چاہیئے بعد اُس کے علوم مشکلہ کے فہم کی قابلیت اُن کو پیدا ہوگی۔

شیخ الرئیس نے اکثر طنزاً لکھا ہے کہ میں نے جب کبھی کسی مسئلہ کو بر سبیل تذکرہ ابو علی مسکویہ کے سامنے پیش کیا ہے تو نہایت دقت سے اُس کی سمجھ میں آیا پھر مکرر سمجھایا لیکن پھر بھی جیسا کہ چاہیئے اُس کی فہم میں نہ آیا۔ تاہم یہ بزرگوار اپنا بھی نظیر نہیں رکھتا تھا اور تمام عمر نہایت عزت اور حرمت سے بسر کی۔ ہمیشہ امیروں اور رئیسوں کے دربار میں نہایت عزت کی نظروں سے دیکھے گئے۔ آخر عمر میں خوارزم شاہ کے مصاحبون میں امتیاز حاصل کیا اس مجمع میں اور بھی بزرگواران کے ہم عصر تھے۔ ابو علی سینا۔ ابو سہیل مسیحی۔ ابو ریحان بیرونی۔ ابو نصر عراقی۔ ابو الخیر خمار۔ یہ بڑے بڑے اکابر حکما اُن کے جتھے کے تھے۔ اس علامہ کا ان بزرگواروں کے مجمع میں کمال درجہ کا امتیاز اور اعتبار تھا۔ آخر کار فلک تفرقہ پرداز اس مجمع کو چشم بدبین سے نہ دیکھ سکا سلطنت غزنویہ کا عروج ہوا سلطان محمود سبکتگین نے شاہان زمانہ پر اقتدار پایا اُس کی سلطنت نے زور پکڑا۔ شیخ الرئیس ابو علی سینا کے اعتقادات سے سلطان محمود ہمیشہ سے کھٹکتا تھا کچھ تو اُس کے عقائد سے اُس کو مخالفت تھی اور کچھ لوگوں نے بھڑکا بھڑکا کے

شیخ سے انتہا کا بدظن کر دیا تھا یہاں تک کہ شیخ کی طرف سے محمود کے دل میں
بے انتہا کدورتیں پیدا ہو گئیں انجام کار محمود کی قلبی عداوت نے اس طریقہ کو اختیار
کرنے پر مجبور کیا کہ ابوالفضل حسن بن میکال کو جو کہ اُس کے اعیان دولت
کا ایک برگزیدہ سردار تھا شاہ خوارزم کے پاس بھیجا اور یہ پیغام دیا کہ مابدولت
واقبال نے سُنا ہے کہ تمہاری صحبت میں بڑے بڑے اکابر حکما اور بے مثیل
طبیب اور علما اور فاضل جمع ہیں جن سے تمکو ایک مسرت بخش مشغلہ حاصل
ہے اور ان کی پاکیزہ صحبت سے تم مسرور رہتے ہو۔ اُن بزرگواروں کے
دیکھنے اور ملاقات کا ہم طالب ہوں۔ تمکو چاہیئے کہ مابدولت واقبال
کے حضور میں اُن کو بھیجدو تاکہ شرف اندوز ملازمت ہوں۔ اور اصل مطلب
اُس کا اس حیلہ سے قتل شیخ تھا جس سے شاہ خوارزم آگاہ ہو گیا تھا اُس کا
جی نہ چاہا کہ ان بزرگواروں کو ایک دشمن کے ہاتھ میں دیدے اور دنیا سے
ایسے برگزیدہ بزرگوار اُٹھ جائیں جو کہ دنیا کی نہایت قیمتی یادگار ہیں۔ اس سے
پیشتر کہ سلطان کا پیغامبر سلطان کے حضور میں پہونچے اُن فاضلوں کو
طلب کر کے اس اسرار سے آگاہ کیا کہ سلطان کا ایلچی آتا ہے اور سلطان
نے آپ لوگوں کو طلب کیا ہے لیکن یہ عنایت خالی از علت نہیں ہے اور
یہ طلبی خطر ور مخدوش ہے میری رائے ہے کہ قبل اس کے کہ ابوالفضل یہاں
آئے آپ جس طرف چاہیں تشریف لیجائیں کیونکہ آپ لوگوں کی موجودگی
میں اُس کے حکم کی تعمیل میں مجھکو کوئی عذر نہ ہوگا۔ اور جانا بھی آپ حضرات کا
مصلحت کے خلاف ہے اور جب آپ لوگ یہاں نہ ہوں گے تو میرا
عذر قبول ہو جائے گا۔ غرض کہ ابوعلی بن سینا اور ابوسہیل مسیحی اور ابوعلی
مسکویہ نے گرگانج کے راستہ سے سفر کیا اور قصد تھا کہ جرجان یا رے
میں جا کر قیام کریں۔ اب یہاں شاہ خوارزم کے مصاحبوں میں صرف
تین حکیم۔ ابوریحان اور ابوالخیر خمار اور ابونصر عراقی رہ گئے۔ جن کی نسبت

کوئی خدشہ نہ تھا۔ ان کے جانے کے بعد کچھ ہی روز گذرے ہوں گے کہ ابوالفضل حسن آیا اور حکم سلطانی پہونچایا۔ تاریخ نگارستان میں لکھا ہے کہ تینوں حکیم غزنی میں سلطان محمود کے دربار میں حاضر کئے گئے۔

ابو علی سینا وغیرہ جب ہو رنک پہونچ گئے اور وہاں ایک دوسرے راستہ پر گئے تاکہ جنگل جنگل اُن کو عراق تک پہونچا وے کچھ تھوڑی منزلیں اُن سبھوں نے طے کی تھیں کہ ایک روز ابو علی مسکویہ نے بوعلی سینا سے کہا کہ آج میں نے اپنا زائچہ دیکھا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بیابان میں ہم راستہ بھول جائیں گے اور تشنگی کے صدمہ سے ہلاک ہونگے لیکن تم بعد سرگردانی اور پریشانی کے اپنے مقصد پر پہونچ جاؤگے۔ اتفاقاً اُسی روز ایک کالی گھٹا اُٹھی جس سے بالکل عالم تیرہ وتاریک ہوگیا۔ آندھی بھی شدت سے چلنے لگی بجلی کوندنے لگی۔ ایک عجب طوفان عظیم برپا ہوگیا۔ علی دو دین بھی اس طوفان خیز بلا سے متحیر ہوکر ایک حیرت خیز بیابان میں جا پڑی۔

اس تاریکی کے عالم میں ان آوارہ گرد سیاہ بختوں نے بھی راستہ بھلا دیا۔ ابو علی بن مسکویہ ایک ایسے جنگل میں جا پڑے جس میں کسی طرف راستہ نہیں گیا تھا۔ آخرکار دوپہر کی دھوپ اور شدت حرارت سے زمین صحرا آتشکدہ بن گئی پیاس کے مارے حلق میں کانٹے پڑ گئے تشنگی نے ایسا غلبہ کیا کہ جانبر نہ ہو سکے۔ اکثر مورخین اس قصہ کو بعینہ ابوسہیل مسیحی کی طرف منسوب کرتے ہیں جو اس سفر میں اُن کا ہم ردیف تھا۔ چنانچہ بعضوں نے لکھا ہے کہ ابو علی صفاہان میں مدفون ہیں اور اُن کی قبر خواجہ کے محلے میں مشہور ہے صاحب چہار مقالہ نے تشنگی سے ہلاکت کی داستان ابوسہیل مسیحی کی طرف منسوب کی ہے اور نہایت تحقیق اور معتبر ذریعہ سے لکھا ہے کہ ابو علی نے ۴۲۱ھ میں وفات پائی اور اپنے ہم عصروں میں سب سے

زیادہ سن رسیدہ تھا آخر عمر میں اب یہ حالت ہوگئی تھی کہ اُٹھ نہیں سکتا تھا عالم اخلاق اور منطق اور ریاضی اور مغازی وغیرہ میں نہایت عمدہ عمدہ کتابیں تصنیف فرمائیں جو اپنی آپ نظیر ہیں۔

خواجہ نصیر الدین طوسی اخلاق ناصری کی تالیف کا سبب یہ لکھتے ہیں کہ جس زمانہ میں قہستان میں میں مقیم تھا اور وہاں کے حاکم کی خدمت میں رہتا تھا ایک روز فضائل مآب استاد فاضل حکیم کامل ابو علی بن احمد بن محمد بن یعقوب بن مسکویہ کا تذکرہ ہوا اور ان چار کون بیتوں کی طرف لوگ متوجہ تھے جو کتاب الطہارت کی تعریف کے لئے کافی ہیں۔

بنفسی کتاب حاز کل فضیلتہ وصار تکمیل البریۃ ضامنا

مؤلفہ قد ابرز الحق خالصا بتالیفہ من بعد ماکان کامنا

ووسمہ باسم الطہارۃ قاضیا بہ حق معناہ ولم یک مائنا

لقد بذل المجہود للہ درہ فما کان فی نصح الخلائق خائنا

یعنی اس کتاب پر میں فدا ہوں جو کہ ہر فضیلت کیلئے جامع ہے اور انسانی کمالات بڑھانیکی ضامن ہے۔ ابن مسکویہ نے جو کہ اس کتاب کا مؤلف ہے پوشیدہ مضامینوں کو اس کتاب کی تالیف سے ظاہر کر دیا جو کہ در حقیقت سچے مضامین تھے اور اس کتاب کا نام کتاب الطہارت رکھا جو کہ پاکیزگی ہی سے بھری ہے۔ اور نام نیکی کا چھوڑا کیونکہ اسنے حق تالیف ادا کیا۔ در حقیقت اُسنے نہایت کوشش بالکل سعی عامہ خلائق کی خیر خواہی اور نصیحت کیلئے کوئی بات فروگذاشت نہیں کی۔ خواجہ نصیر الدین کہتا ہے۔ کہ آخر کار اُس کتاب کے ترجمہ کیلئے مجھسے فرمائش کیگئی کہ عربی سے فارسی میں اس کتاب کا ترجمہ کیا جاوے۔ چنانچہ اخلاق ناصری مع اضافہ دیگر اقوال حکما کتاب الطہارت کا ترجمہ ہے۔ ابو علی کی تصانیف سے اور بھی کتابیں ہیں کتاب جاوید۔ کتاب آداب العرب والفرس۔ کتاب ترتیب السعادت۔ کتاب السیاستہ کتاب ندیم الفرید۔ کتاب فوز الاکبر۔ کتاب الفوز الاصغر جسمیں تین لاکھ بیت ہیں۔ کتاب مختار الاشعار۔ کتاب جمع الخواطر۔ یہ سب کتابیں انہیں بزرگوار کی تصانیف ہیں

مخدرات تیموریہ

بے عیب خاندان شاہی کی مستورات کا عالیشان سلسلہ عصمت و عفت کے پاکیزہ کرشمے جو ہر ایک شجاع اور بہادر قوم کی تاریخ کی جان ہیں علم و ہنر کے کمال اور بے عیب علمی نتائج اور سرزمین کے سب سے سرسبز اور ہرے بھرے باغ کے شگفتہ پھولوں کی مہک جو ایک دفعہ قومی زمین کہلا چکی ہے شجاعت اور تہور کے حیرت انگیز تماشے جنہوں نے ساری دنیا کو مسخر کر لیا تھا ایک عظیم الشان خاندان کی وہ شان و شوکت کی تعجبناک تصویریں جنکی نظیر چشم فلک نے نہیں دیکھی قیمت بمبئی کاغذ مجلد عہ ۱ر قیمت ولایتی کاغذ مجلد

فہرست بیگمات

امۃ الحبیب حمیدہ بانو بیگم	بیگم امیر تیمور	لاڈ ملک	بیگم تاج خان	زینت النساء بیگم	دختر اورنگزیب
فخر النساء بیگم	"	شمرو کی بیگم	دختر لطف علیخان	زبدۃ النساء بیگم	"
عظمت النساء بیگم	"	رضیہ سلطانہ	دختر شمس الدین التمش	بادشاہ بیگم	"
آسائش بانو بیگم	دختر محمد مراد بخش	بدر النساء بیگم	دختر اورنگزیب	سلطان بیگم	ہمشیرہ شاہ طہماسپ
آغا بیگی	دختر میران شاہ	جانان بیگم	دختر خان خانان		والی ایران
آنزم بانو بیگم	دختر سعادتخان صفوی	جانی بیگم	بیگم محمد اعظم شاہ	سلیمہ سلطان بیگم	بھانجی محمد ہمایوں
آرام جان بیگم	بیگم جہانگیر بادشاہ	لنی جودہ بائی	دختر راجہ اودے سنگھ		بادشاہ
ممتاز محل	بیگم شاہجہان بادشاہ		والی جودہ پور	سلیمہ بانو بیگم	دختر سلیمان شکوہ
امۃ الحبیب	بیگم محمد معظم شاہ	حمیدہ بانو بیگم	بیگم محمد ہمایون بادشاہ	جلیلہ قاتون	بیگم محمد میرزا
خدیجہ بیگم	بیگم محمد شاہ	حاجی بیگم	"	موتی بیگم	بیگم محمد اکبر بادشاہ
اعزاز النساء بیگم	بیگم محمد شاہجہان	خانزادہ بیگم	ہمشیرہ محمد بابر بادشاہ	اشرف النساء بیگم	بیگم بہادر شاہ اول
اورنگ آبادی محل	بیگم اورنگزیب	شہزادہ خانم	دختر محمد اکبر شاہ	آتی بیگم	ہمشیرہ نجابت خان
دلپذیر بانو بیگم	دختر شاہ شجاع	نواب قدسیہ بیگم	دختر شاہجہان	برکت النساء بیگم	دختر ہمایوں بادشاہ
بی بی دو دو	بیگم لوہانی خان	ثریا بانو بیگم	"	بہار بانو بیگم	دختر جہانگیر بادشاہ
دلرس بانو بیگم	دختر شاہ نواز خان صفوی	جہان آرا بیگم	"	بائی اودے پوری	دختر راجہ اودے پور
روشن آرا بیگم	دختر شاہجہان	رانی پاربتی	رانی راجہ جہجار سنگھ	بائی بہوت دیئی	دختر راجہ کشتوار
روپ متی	مالوہ کی رانی دی		والی بندیلہ	بچھنی بیگم	دختر شاہزادہ [illegible]
رحمت بانو بیگم	بیگم محمد معظم شاہ	رانی تارا بائی	رانی رام راجہ	بیگم سلطانہ	دختر ابراہیم عادل شاہ
زینت النساء بیگم	دختر شاہزادہ محمد اکبر	ملکی بی بی میں مرہٹہ	رانی بی بی بائی بیگم سلیم شاہ	زیب النساء بیگم	دختر اورنگزیب